

علی وادینی تحریروں کا مرقع

غالب نمبر

منار عکس صادق صادق آباد



نقل فرادی سے سر کی شادی غریب
لکڑی سے بچھن سر صوبہ کا

غالب ٹکٹ 'یہ وہ چوں گداش
کی دلت گدا مرید دلی

میرزا علی :
چچہ نوسر لسیانی

مدیر اعلیٰ :
گورہا سیانی

علمی و ادبی تحریروں کا مرقع

ماہنامہ
عکس صادق
صادق آباد

رجسٹرڈ ایبل نمبر : ایم - ۱۰۶

جلد ۱ شمارہ نمبر ۱۷۷

مجلس مشاورت

صلاح الدین کاشمیری
ڈاکٹر صادق ضیاء
ڈاکٹر افتخار امام کاشمیری
شباز آفاقی
احمد علی بھٹی
منور ضیاء قادری
پروفیسر محمد ظہیر

قیمت :

فی شمارہ : ۲۰۰ روپے
سالانہ چندہ : ۳۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے : ۴۰۰۰ روپے

گورہا ڈب پبلی کیشنز
راہدہ : مظہر علی کالونی صادق آباد ۶۳۵۰
فون : ۷۳۸۰۷

غالب نمبر ۲۸۰ روپے

مدیر معاون : شاہد عباسی

حسن ترتیب

عبدت الفتہ صادق آباد کوہر ملینی
عبد الفتہ کوہر ملینی

نقد و غالب

۱۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی
۲۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی
۳۔ دہلی، قصص، اہدائی
۴۔ دہلی، قصص، اہدائی
۵۔ دہلی، قصص، اہدائی
۶۔ دہلی، قصص، اہدائی

۷۔ اقبال سہری، پہلی کٹھیری
۸۔ محمد عارف، قصص، اہدائی
۹۔ نقی، دہلی، قصص، اہدائی

غالب شکیلی کوہر جواب

۱۔ غالب کی بدلتا، میرا پاس بگت
۲۔ نقی، دہلی، قصص، اہدائی
۳۔ نقی، دہلی، قصص، اہدائی

غالب ڈولہ

۱۔ کوئی نہ دوا، نقی، دہلی، قصص، اہدائی
۲۔ غالب اور کوئی نہ دوا، نقی، دہلی، قصص، اہدائی
۳۔ غالب اور کوئی نہ دوا، نقی، دہلی، قصص، اہدائی

حالات غالب

۱۔ غالب کے حالات میں پہلا مضمون
۲۔ سید مختار حسن، دہلی
۳۔ میرا غالب، سب بگت
۴۔ غالب کا سفر لکھنؤ، نقی، دہلی، قصص، اہدائی

۱۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی
۲۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۳۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۴۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۵۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۶۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۷۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۸۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۹۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۰۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۱۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۲۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۳۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۴۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۵۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۶۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۷۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۸۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۱۹۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۰۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۱۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۲۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۳۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۴۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۵۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۶۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۷۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۸۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۲۹۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

۳۰۔ ابرو حسن آباد، قصص، اہدائی

عکس خیال

غالب فہر تکمیل کو پہنچا تو خیال کیا کہ اس کا ادارہ کیا لکھا جائے؟ مرزا غالب تو ایسی نائنٹیہویں صدی کی شخصیت ہے کہ سب اس کے فکر و فن کی دیکھ بھال کے پرستار ہیں، یہاں تک کہ مخالفین بھی کوئی ذہب کی بات نہ کہہ سکے۔ پھر خیال آیا کہ غالب کی اپنے دور میں کیا قدر ہوئی ہے؟ جب چارہ مخروم سناٹوں رہا اور پکارا اٹھا:

نہ سناٹوں کی گفتا نہ سنے کی پردا
گر نہیں مرے اشعار میں سنی نہ سنی

کلام مرزا میں غالب ادیب کی فکر و فن میں صاحب القدر ہے۔

ملکوت کے دو سو سال چلے ہوئے۔ غالب شاعروں نے غالب کو بحرِ زبدِ حقیقت پیش کیا ہے۔ صد سالہ وفات پر بہت کامیاب۔ مگر اس کے مقابلے میں دو صد سالہ جشنِ ولادت کم قوت پڑ سکا۔ مگر جس قدر ادبی لوازم منظرِ شہر پر آیا قابلِ قدر اور معیار کا کافی ہے۔ مختلف ادبی رسائل نے غالب فہر شائع کیے۔ اور فکر و فن پر کتب طبع ہو گئیں۔

ادارہ "عکس صادق" نے بھی پہلے شمارے کی اشاعت پر غالب فہر شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کن مراحل سے گزر کر آج پہلا شمارہ نکلا۔ داستانِ طویل ہے، شکوہ و فکایت کے انبار ہیں مگر ممنون ہوں ان مجاہد عکس صادق کا۔۔۔ جن کے تعاون سے یہ فہر غالب فہر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں۔ اس میں غالب پر جدید و قدیم نگارشات شامل ہیں۔

اپنی بے لوث بھرپور کوشش کے باوجود بھی مطمئن نہیں ہوں۔ آپ کی رائے کا منتظر ہوں۔

مرزا شرف

گوہر ملیانی

نعت بہ زمین غالب

"اڑائے کیوں نہ خاک سر و گھڑا رکی"
غالب نہ

اسرار احمد سہلادری اور
کوچر انوالہ

حمد باری یزین غالب

اسرار احمد سہلادری
کوچر انوالہ

"انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں"
غالب

صفت گزار حسن خطر نہیں ہوں میں
ان کا کرم ہے رنج سے خطر نہیں ہوں میں
شکر ہوں' نہ کہ ہوں' خاک ہوں آپ کا
کچھ مدح خواں صاحب اطر نہیں ہوں میں
رہتا ہوں چاہا ہمار حقیقت کے حسن کا
اور ہاؤں کفر سے وہ شکر نہیں ہوں میں
بھری جبین عجز ترے' آپ جہک گئی
دلدادہ جہان شکر نہیں ہوں میں
نہ طراز ہوں میں ترے خلق کے لیے
دنائے دلی کے حسن کا غور نہیں ہوں میں
آشوب روایات کے سچ پر ہوں اب
گرداب سے اوروں وہ شکار نہیں ہوں میں
ہے فکر دل میں نور اول جلوہ گر ہوا
مردوں صفت نہ د اختر نہیں ہوں میں
بھری نگاہ ہے ش انسان کے حسن کا
لازکی آنکھ دیدہ شب پر نہیں ہوں میں
اسرار ہوں چاکر اکرام کبریا
ہر دیا اللہ کی مدح کا جوکر نہیں ہوں میں

عرب کی ہر گلی ہے لانت لہار کی
"اڑائے کیوں نہ خاک سر و گھڑا رکی"
ان کی نظر کا ایک اشارہ ہر گلی کا
دکھاؤں کا ہمار دل داندہ کی
دلدار رک گئی ہے نلنے کی لہار کی
تکلی طویل ہے یہ گھڑی انہار کی
لے لیں کے آپ سایہ رحمت میں
حالت ہر دیکھ پائیں گے اس دل نگار کی
وہ ہیں شفیق روز جزا اس ظالی سے
کچھ آس بندھ سکتی کرم کرپار کی
دل بیت لے حد کا ایک جہلی شکر
دنیا کو ہے حاش اسی شہنشاہ
رحمت کا ان کی لائی ہے پچھم سلی اس
صفت ہے میرے دل کا نیم ہمار کا
اور ہے کہ شوق دہ کو وحشت نہ لے اڑے
اسرار خیر مانگ گرہوں کے نام کی

گوہر ملیحانی

بیت الحرم کا بحر دی جلوہ دکھا مجھے
تو اپنے گھر میں اے مرے مولا بنا مجھے

میں عشق لازوال کی لذت میں غم رہوں
جذب و دہوں کے ذوق سے کر آشنا مجھے

اسرار زندگی سے میں واقف نہیں ابھی
یا رہا تو راز ہستی انساں بنا مجھے

تھرا کرم کر حرف دینا بھی سکھا دیے
آتی نہیں قہی کوئی بھی درد دینا مجھے

تیرے جلال و سلطنت و لطف و کرم نکھوں
اہل ہنر بھی مان لیں نذر سرا مجھے

بحر دے مرے شعور میں انکار جانلرا
حسن ازل کی نعمتیں کر دے جلا مجھے

میں بھی ہوں تیری بارش رحمت کا قطر
قطرہ ہوں بحر عشق میں گوہر بنا مجھے

ہدیہ نعت

غالب

حق جلوت کر ز طرز بیان محمدؐ ست آدمی کلام حق بزبان محمدؐ ست
 آئینہ دار پر تو مرست بہتاپ شان حق آشکار ز شان محمدؐ ست
 حیر قضا ہر آئینہ در نقش حق ست لا کشاد آن ز کمان محمدؐ ست
 دانی اگر معنی لولاک .. دار سی خود ہرچہ از حق ست از آن محمدؐ ست
 ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد سوگند کرد گار بجان محمدؐ ست
 دامنہ صحت سایہ طوبی فردگر از کا نیما غن ز سرو روان محمدؐ ست
 بگر دو نیم محبت باہ قرام را کل نیم جنبشی ز زبان محمدؐ ست
 درخود ز نقش مر نبوت غن رود آل نیز ہامور ز نشان محمدؐ ست

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشنیم

کل ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ ست

”تقصیم قدسی کی نعتیہ غزل پر“

غالب

کسٹم نامزدوش آوردم ہے لولی قدسیاں بھی تو در موقت مابست طلی
 رفته از طیش بدی زحمت زمر لئی مرزا سید کی مٹی اعلیٰ
 دل و جان با فدائیت به لب خوش کنی
 اسے کہ روئے تو بہ روشنی ایام کنگرم کار اگر سر حیرت غلام
 صورت فرشتہ کھید است صورت انجم من بیدل جمال تو لب جبرام
 اللہ اللہ چہ جمال است بدی بولامی
 اسے گل تازہ کہ لب پہنی آدم را باعث رابلہ جان و ہی آدم را
 کردہ درخشاں فیض تو فغن آدم را نسبتے نیست بذات تو فی آدم را
 برتہ از عالم و آدم تو چہ مال فیسی
 اسے بہت راہوئے طلق دھاتی نظام روح را لطف کلام دند شیریں کلام
 اے فیضی کہ بود از اثر رحمت نام نعل بستن مید تو سر نیز نام
 زان شد شرفا آفاق شیریں دلی
 خواست چوں ایزد دانا کہ پہلے از نور محض در بر آفاق چہ نزدیک چہ دور
 علم اعداد تو در ارض و آفاقت حدود دلت پاک تو دریا ملک عرب کرد عبور
 زان سبب آلودہ قرآن بآفاق مٹی
 وصف رشتل تو اگر در دل اوراک گزشت نہ ہمیں است کہ از دایرہ خاک گزشت
 چو آن شرط کہ گرم ازخس و جاشاک گزشت شب سراج عربی زوار الماک گزشت
 بمقامت کہ رسیدی نہ رسد“ بچہ ہی
 چہ کسم چارہ کہ چوہ فحالت کسم من کہ جز چشم جوی بود آب و کلم
 من کہ چوں سر درخشاں بدہ فردولم نہت خود سکت کردم و میں حفظ
 دانکہ بہت سبک کوئے قدس ہے لولی
 دل ز غم مرود و غم برود ز ما سر و ثبات ساری کن و بخالی ہما راہ نہات
 دار سوز بگر ما کہ وہ نخل و فراخت؟ ماہر تکتہ لہتم و قوی آب حیات
 دم قرا کہ ز حد ہی کردو تکتہ ہی
 غالب غمزدہ را نیست درمی غمزدگی جز باسپہ دلائے تو قتلائے ہی
 از تب و تاب دل سوختہ باطل لشری سیدی انت جیتی و غیب کفیی
 آہہ سوئے تو قدسی ہے دریاں طلی

جذبات و عقیدت کا شاہکار

حرمین شریفین کی فضاؤں میں

کوہر ملیانی (سفرنامہ)

القلم انٹرنیشنل پبلیشرز
ریجنل مینڈیٹ لاہور
اردو بazar

علامہ اقبال کی زندگی کا تحقیقی جائزہ

اقبال — علامہ اقبال کیسے بنے

کوہر ملیانی

کوہر ادب، ایلی کیسٹر منظر فرید کالونی صادق آباد

جلتی رتوں کی یاد

کوہر ملیانی کی دل کش غزلیات کا مجموعہ

کوہر ادب پبلیسی کیسٹر منظر فرید کالونی صادق آباد

پاکستان مولڈن جوبلی کے حوالے سے

عکس صادق

کا خصوصی شمارہ

غزل نمبر

ستمبر / اکتوبر ۱۹۹۸ء میں پیش کیا جائے گا

جس میں اردو غزل کے پچاس سال ۱۹۳۷ء تا ۱۹۹۹ء

کا مکمل جائزہ پیش کیا جائے گا

○ اہل قلم سے گزارش ہے کہ اپنی

نگارشات جلد از جلد ارسال فرمائیں

کوہر ادب، ایلی کیسٹر منظر فرید کالونی صادق آباد

علامہ اقبال کا یوم غالب پر پیغام

(۱۰ فروری ۱۹۳۷ء کو انجمن اردو پنجاب کی طرف سے "یوم غالب" زیر صدارت برجنویہن کھلی گئی تھی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال لاہور میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے انجمن کے سیکرٹری میاں بشیر احمد نے علامہ اقبال کا پیغام پڑھ کر سنایا جو انہوں نے خاص طور پر "یوم غالب" کے لیے لکھا۔ پیغام درج ذیل ہے =

"آپنا پیغام تو میں کیا دوں گا البتہ غالب کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دینا
اپنا فرض سمجھتا ہوں جو آج یوم غالب منار ہے ہیں۔ ان کا پیغام یہ ہے =
بہکھڑ از مجموعہ اردو کہ پی رنگ من است

"مرزا آپ کو اپنے فارسی کلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس
دعوت کا قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے لیکن اگر آپ اسے قبول
کرنے کا فیصلہ کر لیں تو ان کے فارسی کلام کی حقیقت اور ان کی تعلیم کے مختلف
پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کا غور ضروری ہے۔ اول یہ کہ عالم شعر میں مرزا
عبدالقادر بیدل اور مرزا غالب کا آپس میں تعلق ہے۔ دوم یہ کہ مرزا بیدل کا
لفظہ حیات غالب کے دل و دماغ پر سوڑ کہاں تک ہوا اور مرزا غالب اس لفظہ
حیات کو سمجھنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ مجھ کو یقین ہے کہ اگر آج کل کے
وہ نوجوان جو فارسی ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے مرزا غالب
کے فارسی کلام کا مطالعہ کریں تو بہت فائدہ اٹھائیں گی۔"

غالب سال و سن کے حوالے سے

عبدالمعتمد مہدی

۱۱۷۵ھ : میرزا قوچان بیگ خان (ابن قسَم خان سلجوقی)۔ غالب کے دلاوا کی سرحد سے ہندوستان

میں آئے

تقریباً: چندے لادور میں قیام کیا اور اس کے بعد شاہ عالم کے عہد میں دل چاہنے اور شاہی ملازم ہو گئے۔ بعد کو اس سے مشعل ہو کر صدارت سنبھال کر کے ہاں نوکری کر لی۔ آگرہ میں قیام۔

۱۱۷۹ھ (۱۷۷۷ء)

۱۲۱۲ھ (۸ رجب) : اسد اللہ (بیگ) خان کی آگرہ میں ولادت۔

: قوچان بیگ خان کے بیٹے بیٹے عبداللہ بیگ خان کا تاج آگرہ کے ایک امیر فوجی امیر میرزا غلام حسین خان کی بیٹی عزت النساء بیگم سے ہوا۔ یہ اسد اللہ خان کے والدین تھے۔ اسد اللہ خان سے بڑی ایک بہن بھولی خانم نام کی تھیں۔

یوسف علی خان (غالب کے چھوٹے بھائی) کی ولادت۔ ۹۹ ۱۷۷۷ء

میرزا عبداللہ بیگ خان (غالب کے والد) کا ریاست اللور کی ملازمت میں انتقال۔ کافی بود مشاہدہ ۱۸۰۲ء :

شاہد ضرور نیست "در خاک راج گڑھ" پر دم را بود مزار (غالب) اسد اللہ خان اور ان کے حکمران کا نصر اللہ بیگ خان (عبداللہ بیگ خان کے علاقائی برادر خرد) کی سرستی میں آیا۔

(نصرا اللہ بیگ خان مراٹوں کی طرف سے آگرہ کے قلعہ دار تھے۔ ۱۸۰۳ء میں انہوں نے قلعہ لار ایک کے حوالے کر دیا۔ اس پر وہ انگریزی فوج میں سرتاسر مشاہدے پر ۳۰۰ سواروں کے ساتھ دار مقرر ہو گئے)

۱۸۰۶ء (۱۲ ربیع الثانی) : نصرا اللہ بیگ خان کا باجی سے گر جانے سے زخمی ہونا اور انتقال۔

(نواب احمد علی خان والی فیروز پور تھکرک دلوہاروی ہمیشہ نصرا اللہ بیگ خان کے عقد تاج میں تھی)۔

۱۸۰۶ء (۳ محرم) : امیر بخش خان کی سفارش پر انگریزوں کی طرف سے نصرا اللہ بیگ خان کی بیس ماہگان کا دغلیہ دس ہزار روپیہ (بلا شق)۔

(اس دغلیہ میں نصرا اللہ بیگ خان کے والدہ "تین بیٹیں" اسد اللہ خان اور ان کے چھوٹے بھائی یوسف علی خان حصہ دار تھے)

۱۸۰۶ء (۷ جون) : دغلیہ کی رقم دس ہزار سے پانچ ہزار سالانہ کر دی گئی (دوسرا شق) غالب کا حصہ

ساڑھے سات سو روپے (۵۰ روپے) سالانہ۔

(اس شق کی رو سے ایک شخص خواہ عورت بھی اس دغلیہ میں دو ہزار سالانہ کا حصہ دار قرار دیا گیا تھا)

۱۸۱۰ء: اسد اللہ خان کی مولوی محمد معتم کے کتب (اگرہ) میں طبع شد۔

۱۸۰۷ء-۱۸۰۸ء: شعر گوئی کا آغاز۔ اسد اللہ علی۔ چنڈے بھڑے ہاتھ بدل کر غالب رکھا لیا۔

(تقریباً): ایک اور شاعر میرٹھی اسد تھے۔ چون کے لوگ اس کا کہ لام ان سے منسوب کرنے لگے

تھے 'انہوں نے اسد اللہ علی کے کہ کے اس کی جگہ غالب کر لیا۔

۱۸۱۰ء (۹ اگست): انہی بخش خان معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے دہلی میں نکاح۔

۱۸۲۰ء (۷ دسمبر): انہی بخش خان چھوٹے بھائی تھے نواب احمد بخش خان کے۔ ان کا راج ان چھپ پکا

ہے۔ نکاح کے وقت غالب کی عمر تیرہ سال کی تھی اور امراؤ بیگم کی گیارہ سال کی

۱۸۱۰ء (۲۰ جنوری): میر تقی میر کی لکھنؤ میں وفات۔

۱۸۲۶ء-۱۸۱۰ء: ۱۸۱۱ء: حیدر احمد اپنے اپنی کا دربار اگرہ۔

۱۸۱۲ء-۱۸۱۳ء: ۱۸۱۳ء: ۲۲۸ قطب کی دہلی میں آمد اور مستقل حکومت۔ علامہ عبد الصمد کی ہندوستان سے واپسی

۱۸۲۵ء (نومبر/ دسمبر): ۱۸۲۵ء: ۲۲۸ قطب کی دہلی میں آمد اور مستقل حکومت۔ علامہ عبد الصمد کی ہندوستان سے واپسی

۱۸۲۸ء / ۱۸۲۲ء: انہی بخش خان معروف (غالب کے خسر) کا انتقال۔

۱۸۲۶ء (اکتوبر): نواب احمد بخش خان کی فیروز پور بھڑک اور لہارہ کی حکومت سے دست برداری

(نواب حسن الدین احمد خان دانی ریاست)

۱۸۲۶ء (دسمبر): غالب کا سفر گلت پے روانہ ہوا۔ پٹن کے مقدمے کی تیاری۔

۱۸۲۷ء (۲۱ فروری): نواب احمد بخش خان کا انتقال۔

۱۸۲۸ء (۲۱ فروری): نواب احمد بخش خان کا انتقال۔

۱۸۲۸ء (۲۱ فروری): نواب احمد بخش خان کا انتقال۔

۱۸۲۸ء (۲۱ فروری): نواب احمد بخش خان کا انتقال۔

سرکاری درباروں میں کرسی نشینی کا آغاز۔ گل رحمتی قریب و دور۔

(یہ اردو اور فارسی کلام کا انتخاب انہوں نے اپنے لکھنے کے ایک دوست مولوی سراج الدین کی قربان

پے کیا تھا)

۱۸۳۰ء (۲۷ جنوری): ۱۸۳۰ء: ۲۲۸ قطب کی دہلی میں آمد اور مستقل حکومت۔ علامہ عبد الصمد کی ہندوستان سے واپسی

(اس کے بعد وہ اپنی لکھنے کے ہوتے "جس کا سلسلہ ۱۸۳۴ء تک رہا لیکن یہ ابتدائی فیصلہ قائم رہا۔)

۱۸۳۵ء (۲۲ مارچ): ولیم فریزر (دہلی میں انگریز ایجنٹ) کا قتل۔ کریم خان داروہ ظاہر نواب حسن الدین احمد خان کی

گرفتاری۔

۱۸ اپریل: نواب حسن الدین احمد خان کی الزام قتل میں گرفتاری

۲۶ اگست: کریم خان کو مجرم قتل چھانسی کی سزا۔

۸ اکتوبر: نواب حسن الدین احمد خان کو با الزام اعانت بھڑک چھانسی۔

(اس پر فیروز پور ہجرہ کا حادثہ انگریزوں نے واپس لے لیا۔ اس کے بعد غالب کی پیش سازشے سات سو روپے سالانہ "دعوت لوہارو کی جگہ انگریزی لڑائے سے اواہونے گئی)

۱۸۳۷ء (جہیز): اکبر شاہ جلی کا انتقال۔

۱۸۳۰ء: دلی کالج میں مدرس قاری کے عہدے کی پیشکش اور غالب کا انکار۔

۱۸۳۱ء (اکتوبر): دین الدین اردو کا پہلا ایڈیٹن "مطبع سید الاطہار" دلی۔

(دین الدین ۱۸۳۱ء سے پہلے مرتب ہو چکا تھا)

۱۸۳۲ء ۱۸۳۳ء: بعد لارڈ الہی براگورن جرنل "شہت غنت پارچہ اور سہ رقم ہواہر کاغذ کو اعزاز۔

۱۸۳۵ء: دین الدین قاری (پنڈت آرزو سرانجام) کا پہلا ایڈیٹن "مطبع دارالسلام" دلی۔ (دین الدین ۱۸۳۵ء میں

مرتب ہو چکا تھا)

۱۸۳۷ء (اکتوبر): دین الدین اردو کے دوسرے ایڈیٹن کی اشاعت "مطبع دارالسلام دلی)۔

۱۸۳۷ء (۲۵ مئی): گجرہ جواخانہ قائم کرنے کے الزام میں غالب کی گرفتاری۔

(پہلے میں چھ ماہ قید یا محنت اور دوسروں کو جیل کی سزا ہوئی۔ محنت کا عاہد یکاس روپہ اوارکے

معاف ہو گئی۔ وہ صرف تین مہینے میں قید میں رہے "اس کے بعد رہائی ہو گئی)

۱۸۳۹ء اگست: بیج آجک (قاری) کا پہلا ایڈیٹن "مطبع سلطانی" لال قند" دلی۔

۱۸۵۰ء (۳ جولائی): تیسری خانہ دین کی تاریخ (سرغورد) لکھنے پر ترقی۔ شہت اور خطاب "لم العودہ"

دور الہک "تھام رنگ۔

(تاریخ نویسی کی تحفہ چھ روپے سالانہ مقرر ہوئی)

(دین العابدین خان عارف (امراء حکم کے بھائی) کی وفات۔

(عارف اپنی اولی لیاقت کی وجہ سے غالب کو بہت عزیز تھے۔ عارف کے دو لڑکوں کو امراء حکم نے پالا

تھا۔ بھتی نظام الدین میں مرزا غالب کے قریب کوئے میں قبر ہے)

۱۸۵۳ء (مئی): حکیم سومین خان سومین کا دلی میں انتقال۔

۱۸۵۳ء (اپریل): بیج آجک (قاری) کا دوسرا ایڈیٹن "مطبع دارالسلام" دلی)

۱۸۵۳ء (۱۵ نومبر): شیخ محمد ابراہیم ذوق (استاد ظفر) کا انتقال۔ غالب استاد ظفر۔

۱۸۵۳ء ۱۸۵۵ء: بعد لغو کی طاعت و اشاعت "تحریر الطبع دلی۔

۱۸۵۶ء: غلام نامہ کی اشاعت اول "مطبع سلطانی" لال قند دلی۔

(یہ نظم انہوں نے عارف کے دونوں بچوں کو قاری اور اردو پڑھانے کے لیے لکھی تھی)

۱۸۵۷ء (۵ مئی): غالب استاد نواب یوسف علی خان ناظم دلی رام پور۔

۱۸۵۷ء (۱۰ مئی): غلام کا میرٹھ میں آغا۔

- (۱۱ مئی) : دکن فوج (ٹنگوں) کا دلی میں داخلہ 'انگریزی تسلط کا عجز' دینی اقتدار کا قیام' نائب کی تحفہ کی تحفہ اور انگریزی چٹن بند۔
- (۲۰ ستمبر) : انگریزوں کی فتح اور دلی پر دوبارہ قبضہ۔
- (۸ اکتوبر) : میرزا یوسف علی خاں (بردار غالب) کی وفات۔
- (۱۸۵۸ء (نومبر) : وحید کی اشاعت اول (مطلع منہ طاق) 'انگریز'۔
- (اس فکرم قریب میں انہوں نے 'نذر' سے حلقہ اپنی یادداشتیں آپ اپنی کے انداز میں قیام کی ہیں۔)
- (۱۸۵۹ء (جولائی) : رام پور سے سو روپیہ ملانے۔ وغیلہ مقرر ہوا۔
- (۱۸۶۰ء (۱۹ جنوری) : شام پور کا پہلا سفر۔
- (دو ایک ہفتے کے سفر کے بعد ۷۷ جنوری کو رام پور پہنچے تھے)
- (مارچ) : رام پور سے واپس۔
- (میرزا ۱۷ مارچ کو رام پور سے روانہ ہوئے اور سات دن بعد ۲۴ مارچ کو دلی پہنچے)
- (۱۸۶۰ء (مئی) : انگریزی چٹن کا دوبارہ اجراء۔
- (تین برس کا بایا ساڑھے سات سو سالانہ کے حساب سے ۲۲۵۰ روپے وصول ہوا)۔
- (۱۸۶۱ء (۲۹ جولائی) ۱۲۷۸ء (۲۰ محرم) دین این اردو کا تیسرا ایڈیشن (مطلع احمدی 'دلی')
- (۱۸۶۳ء : قاطع برہان کی طبع اول (مطلع نو کشور کھنڈ)
- (نذر کے زمانے میں مشہور فارسی لغات 'برہان قاطع غالب کی نظر سے گزرا۔ اس پر انہوں نے جو اعتراض قلم بند کیے تھے 'وہ اس عنوان سے پیچھے)
- (۱۸۶۳ء (جون) ۱۲۷۸ء (زی الحجہ) دین این اردو کا چوتھا ایڈیشن (مطلع کھای 'نکھن پور)
- (۱۸۶۳ء (مارچ) : انگریزی درباروں میں کرسی نشینی اور غفلت کے اعزاز کا دوبارہ اجراء۔
- (نذر کے زمانے میں غالب کا روپہ ملکوک پایا گیا تھا اس لیے ان کی چٹن اور یہ دونوں اعزاز بند ہو گئے تھے۔ تک دو کے بعد چٹن مئی ۱۸۶۰ء میں جاری ہوئی اور بقیہ اعزاز اب)
- (۱۸۶۳ء : دین این اردو کی پانچویں اور آخری اشاعت (مطلع منہ طاق 'انگریز'۔
- (۱۸۶۳ء (مئی 'جون) : دین این فارسی (کلیات نظم فارسی) کا دوسرا ایڈیشن (مطلع نو کشور کھنڈ)
- (۱۸۶۳ء-۳۸۵ : مشکوٰۃ بر گریز کی اشاعت (اکمل الطائی 'دلی)
- (یہ مشکوٰۃ کلیات نظم میں شامل تھی لیکن اب الگ سے شائع ہوئی)
- (قاطع برہان کے جواب میں مخرج قاطع برہان مصنفہ سید سعادت علی کی اشاعت (مطلع احمدی 'دلی)
- (۱۸۶۳ء : قارو نامہ کی دوسری اشاعت (نکھن پور 'دلی)

مقامی قاضی برہان (سید سعادت علی) کے جواب میں : ۱۲۸۱ء تا ۱۲۸۵ء :

(۱) داخل ہریان معتمد سید محمد نجف علی بھٹری

(۲) ملائف فیہی از میاں دلا خان سیاح

(۳) سادات عبدالکریم از عبدالکریم کی اشاعت (اکسل الطالع "دلی")۔

(اگرچہ ملائف فیہی اور سادات عبدالکریم دونوں تحریریں دوسروں کے نام سے شائع ہوئیں، لیکن یہ

غالب کی اپنی تصنیفات ہیں)

۱۸۶۵ء (۳۱ اپریل) کتاب پرست علی خان دانی رام پور کا انتقال۔ نواب کلب علی خان کی جانشینی۔

(۷ اکتوبر) میرزا غالب کا رام پور کا دورہ سراسر۔

(میرزا نے اکتوبر کو دلی سے چلے اور ۱۲ اکتوبر کو رام پور پہنچے تھے)

دختر کا دورہ سراسر الخیرین (مطبع لٹری سوسائٹی روہیل کھڑ بریلی)۔

قاضی برہان کے جواب میں صالح برہان معتمد میرزا رحیم بیگ رحیم میر علی (مطبع ہاشمی "میرٹھ")۔

(اگست) : غالب کے رسالے بار غالب بحوالہ صالح برہان کی اشاعت (مطبع محمدی "دلی")

(دسمبر) : قاضی برہان کی طبع دانی بنوان دو نقش کاویانی کی اشاعت (اکسل الطالع "دلی")

(دسمبر) : رام پور کے دوسرے سفر سے واپسی۔

(میرزا ۲۸ دسمبر کو رام پور سے روانہ ہوئے اور ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو دلی پہنچے)۔

۱۸۶۶ء : قاضی برہان کے جواب میں مویہ برہان معتمد مولوی احمد علی احمد جہانگیر گری کی اشاعت (مطبع

مظفر اچھوت "گنگت")۔

قاضی برہان کے جواب میں قاضی القاضی معتمد امین الدین امین دہلوی کی اشاعت (مطبع مصطفائی "دلی")۔

۱۸۶۷ء : فتح جہیز کی اشاعت (اکسل الطالع "دلی")

(غالب نے یہ مختصر رسالہ مویہ برہان کے جواب میں لکھا تھا)

۱۸۶۷ء (فروری) : ثقات غالب و رقعات غالب کی اشاعت (مطبع سرائی "دلی")

(نمبر طر نے اسے ہمارے ماسٹر پیارے لال کو تحفہ دیا کہ غالب سے فارسی قواعد سے معلق کتاب لکھوائی

جائے۔ ماسٹر صاحب موصوف کے کہنے پر میرزا نے یہ دو مختصر رسالے قبلہ کیے)۔

۱۸۶۷ء (۱۱ اپریل) ہنگامہ دل آشوب (۱) کی اشاعت (مطبع فنی سنٹ پراٹھو "آرہ")۔

۱۲۸۳ء (۵ ذی الحجہ) قاضی برہان کے مناجات کے خطبے کے مضمون

۱۸۶۷ء (اگست) / ۱۲۸۳ء (ربیع الثانی) سید عین کی اشاعت (مطبع محمدی "دلی")۔

۱۸۶۷ء (۲۵ ستمبر) / ۱۲۸۳ء (۲۵ جمادی الاول) ہنگامہ دل آشوب (۲) کی اشاعت (مطبع فنی سنٹ پراٹھو "آرہ")۔

۱۸۶۷ء (۴ دسمبر) مولوی امین الدین دہلوی معتمد صالح برہان کے خلاف مقدمہ اولاد حیثیت عرقی۔

۱۸۲۸ء (جنوری) / ۱۲۸۳ھ (ربیع الثانی) کلیات نثر فارسی (غالب) کی اشاعت (مطبع نو کتب و کتبستان)

(اس میں فارسی نثر کی تین کتابیں 'بیچ آہنگ اور سرسبز اور وحشیہ شامل ہیں)۔

۱۸۲۸ء (۲۳ مارچ) مولوی امین الدین دہلوی کے مقدمے سے دست برداری 'راضی نامہ'۔

۱۸۶۸ء (۲۷ اکتوبر) مولوی 'مجموعہ مکاتیب غالب کی پہلی اشاعت (مطبع مجبائی 'میرٹھ)

غالب کی وفات نسرت نظام الدین (خانہ ان لوہار کی بیروانی) میں تدفین

۱۸۶۹ء (۱۵ فروری) / ۱۳۸۵ھ (۳ ذی قعدہ) (اگرچہ بہت دن سے مختلف امراض کا شکار تھے) لیکن موت

سے چند دن پہلے فطی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ ۱۳ فروری دوپہر کو بیوش ہو گئے۔ تعظیص ہوئی کہ

دماغ پر قابض گرا ہے۔ اسی حالت میں آگے دن دوپہر اٹھنے انتقال کیا)۔

۱۸۶۹ء (۲ مارچ) اردو سلی (مجموعہ مکاتیب اردو کی پہلی اشاعت (اکسل اسٹیل 'دلی)۔

شمیر حیدر زاز مولوی احمد علی احمد جاتگیر گری کی اشاعت (مطبع نبوی 'فکلت) (یہ قلمی بہان کے

سلسلے کی آخری کتاب غالب کی تصنیف چچ حیدر کے جواب میں ہے 'جو میرزا کی وفات کے بعد شائع ہوئی'

اگرچہ اس کی طباعت ان کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی)۔

۱۸۷۰ء (۳ فروری) حکیم غالب امر کو حکیم کا انتقال۔

۱۲۸۶ھ (مرزا غالب کی شرقی دیوار کے باہر کی طرف مدفون ہیں)۔

(۲ ذی قعدہ)

۱۲۷۶ھ (نیم سوال) حسین علی خان (زیر الطابعد خان عارف کے چھوٹے بیٹے) دلی میں انتقال

ماخوذ 'میار غالب از بانگ رام

”غالب کی حقیقت پسندی“

پروفیسر ڈاکٹر نجیب جلال بھالوپور

غالب کی شاعری کا اہم انیسویں صدی کا نصف اول ہے۔ یہ وہ سماج شعریں تھیں جنہوں نے اردو ادب کی دنیا کو ترقی پسندی کی طرف موڑ دیا۔ یہ وہ دور تھا جب ایک نظام دم توڑ رہا تھا اور ایک نیا نظام جنم لے رہا تھا۔ جدید کی جنگ آزادی میں ناکامی نے مسلمانوں کے سوا کسی بھی سماج پر مشتمل دور اقتدار کا خاتمہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ترقی پسندی انوکھا کام لے کر بھی عمل ہو گیا۔ ذوال کئی تاریک اور لمبی رات ختم ہوئی اور ایک نئی صبح طلوع ہوئی ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہ نئی زندگی نیا ترقی پسندی، نیا فکری، نئے اسباب اور نئے خیالات بھی ساتھ لائی ایسے میں غالب ہمیں ایک ایسے دور سے پرکھتے نظر آتے ہیں۔ جس کے ایک طرف گزرا ہوا کل اور دوسری طرف آنے والا کل ہے۔ گزرا ہوا کل کے جبر کو ایک حقیقت کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ نئی فرق ہے غالب میں اور اس دور کے دوسرے شعراء میں جنہوں نے ایک ناگزیر تبدیلی کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کیا اور اپنے آپ کو ماضی کے قیدیوں کا پابند بنائے رکھا۔ غالب ذہنی طور پر اپنے عہد سے آگے کے آدمی ہیں انہوں نے خود بھی اپنے آپ کو ”مستویب مخلص ناقلینہ“ قرار دیا تھا۔ غالب صورت حال کا ادراک کیا کہ اس طرح کرتے دکھائی دیتے ہیں:

۱۔ وہ ہمارے چہلے کی سرسبزیاں کھائیں؟	اٹھیں بس اب کہ لذت طواب سر مٹی
قلبت کوئے میں میرے شب فم کا جوش ہے	اک شمع ہے دلیل سر سر غوش ہے
ہوئے گل، ہلا دل، دور چراغ مغل	ہو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان	ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا
دراغ فراق صحبت شب کی جی ہوئی	اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی غوش ہے
صحت جی جان سے لکھیں اب یہ ہے دہائی ہے	کہ سوچ ہوئے گل سے خاک میں آئے دم میرا
تم جانتے تھے ہم بھی فم مخلص کو پر اب	دیکھا تو کم ہوئے پہ فم روزگار تھا
دیکھ مجھے جو دیا حیرت نگاہ ہو	میری سنو ہو کوش صحبت نداشت ہے

غالب کا ذہن ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اس کے عہد کے حالات متکشف ہو گئے ہیں۔ غالب کے زمانے میں ایسی قوی قوتیں پیدا ہوئیں جو انہیں اس لیے وہ ایک حد تک ہی اپنے ماضی کا نوحہ پاہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اس کے بعد وہ خود ہی اپنی وقار و بڑائی سے عہد کے ساتھ استوار کر لیتے ہیں۔ دیکھیں ان کا مخلص ایک ایسے خانوادے سے تھا جو طالع آزمائی کے لیے ہندوستان آیا تھا مگر بھی انہوں نے شہر آرزو کے آجائے کا نام کیا ہے:

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو

توڑا ہو تو نے آئینہ حشال وار تھا

مگر ساتھ ہی وہ بھی کہتے دکھائی دیتے ہیں:

باب ۱۹ ی چنے کی جانب واقعہ سخت ہے اور جان مریخ

یہی ان کی وہ حقیقت پندی ہے جو حالات و واقعات کے تجزیے سے پیدا ہوتی ہے غالب جیسا کہ انھیں محض ہی یہ محسوس
اسکا تھا کہ زمانے کے تیل کے سامنے جس و خاشاک کا بھر جانا لازمی ہے۔ زندگی مسلسل ارتقاء کا عمل ہے اس کے سامنے دماغ اور
گھڑی نہیں کی جاسکتی یہی سب کچھ دیکھ کر انھوں نے اپنے آپ کو ستے دستور عمل کا شریک بنالیا اور یوں کہ معطلہ سے لے کر
مستقر سرکاری اہل کاروں تک غالب کے سمورے فحصرے۔ غالب نے یہ بھی کوشش کی کہ ان کا نام تاج برطانیہ کے وفاداروں کی
فہرست میں رہے یہ ان کی عیوب دی بھی تھی کہ وہ انگریز سرکار کے پٹائی طرار تھے اور دربار میں اپنے رجبے کے مطابق نشست اور
منصب کے اس صورت حال میں خواہیں تھے۔ غالب نے وطن پرست ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا تاہم پکارتے ہوئے وہ اپنی ایک مہمانی
میں غالب کو نشانے پر رکھا ہے۔ بہر حال یہ پکارت اور غالب پر ستوں کا معاملہ ہے جنہیں پکارت چرانے کی خاطر "نقلی" سمجھا کرتے تھے پکارت
کی مہمانی ہے

شہزادے چنے فرنگیوں کے ہائے
مرزا کے گھگھے میں سوچوں کے "ہائے"
واقعہ گرہان میں منہ ڈال کے دیکھ
غالب کو وطن پرست کہنے والے

اس مہمانی بحث کا مقصد یہ یاد کرانا ہے کہ غالب کا اپنے عہد کے ساتھ حقیقی رابطہ تھا مگر انھیں میر کی طرح گزری ہوئی
زندگی اور فنی ہوئی تہذیب کا مسلسل نوحہ کرتا پند نہ تھا تاہم ایک انسانی، ایک واقف و در اور ایک شاعری حیثیت سے انھوں نے اپنی
اقدار کو ملنے اور نئی تبدیلیوں کو وقوع پذیر ہوتے دیکھا اور اپنے عہد کے تاریخی شعور کو اپنی شاعری کے ذریعے پیش کیا۔

غالب کی شاعری سے اردو غزل میں ایک نئی حقیقت پندی کا آغاز ہوا اور ایسا زندگی سے باہر اور حادثات سے سمجھوتہ کرنے
کی ان کی عادت کی وجہ سے ہوا۔ یاد کرنے اور سمجھوتہ کرنے میں اگرچہ فرق ہے۔ باہر میں زندگی سے محبت کا وہ یہ سمجھوتہ ہوتا ہے
جب کہ سمجھوتہ حقیقی پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے غالب کے پہلی زندگی سے باہر زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مزاج اور گفتہ مزاجی کا
سارا اپنے دکھائی دیتے ہیں یا خود بخود قدرت کی طرف سے "ا" کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر غالب کو "میں ان طرف" بھی کہا گیا ہے
غالب کی زندگی، ان کی شاعری اور خطوط میں فکر اور حس، احساس بہت عجیب و غریب ہے۔ گفتہ مزاجی اور فکر کی گہرائی بہت کم
نکھتا ہوتے ہیں اور ان میں عام طور پر بعد از فکر نظر آتا ہے لیکن غالب کی شاعری اور خاص طور پر ان کے خطوط میں سلیقہ، فکر،
اور عرفیت میں کوئی بڑا حاصل نظر نہیں آتا۔ اس اعتبار سے ان کی شخصیت نقیسات کی اصطلاح میں عمل شخصیت
(Tostpersonality) ہے۔ ان کی شخصیت میں بعض تشادات کے باوجود وحدت نظر آتی ہے دوسرے سطحوں میں ان کی شخصیت
نکھتا (Integrated) ہے اسی لیے ان کا فنی بھی جامعیت (Exclusive Universality) رکھتا ہے جو کہ لوگوں کو یہ
بات اس لیے عجیب لگے کہ بظاہر شاعری میں دکھائی دینے والی غالب کی شخصیت خطوط میں موجود شخصیت سے بالکل مختلف دکھائی دیتی
ہے دراصل ادیب کمال اپنے زمانے کے افراد ہوتے ہوئے بھی اپنے زمانے سے بالمشخص جزاؤں اور آراءوں کے لوگ ہوا کرتے

ہیں۔ یہی کچھ غالب کی شاعری میں بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے غالب اس لحاظ سے بھی منظوم ہیں کہ ان کی قینا میں بے حساب ہیں غالب کے بہت سے اشعار اس کی مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں:

آتا ہے یاد حسرت دل کا شجر یاد
فائدہ گناہوں کی بھی حسرت کی لئے وار
ہے کہاں قینا کا دوسرا قدم یارب
نظر اک باندی پر اور ہم جاسکتے
گرتی تھی ہم پہ برق تھی نہ طور پر
ہزاروں طوائشیں ایسی کہ ہر طوائش پہ دم لگے
دونوں جہان دے کے وہ سمجھا کہ طوف دیا
طبع ہے مطلق لذت ہائے حسرت کیا کردوں
نہ ہو گا یک بیاباں باندگی سے ذوق تم میرا
لے گئے خاک میں ہم داغ تھائے شکلا
مری بہتی لٹائے حیرت آباد قینا ہے
نہ اتنی خوش اندیشہ تب دیکھ لومیدی
ہوں میں بھی کشائی نیرنگ قینا
دور و حرم آئینہ عمار قینا
جام ہر دار ہے سرشار قینا مجھ سے

آخری شعر پر طور خاص غالب کے طراز فکر اور طرز حیات کے حوالے سے ان کے ذوق و شوق کی وضاحت کرنا ہے ڈاکٹر فرہان فتح پوری کا یہ خیال درست ہے کہ قینا کا لفظ غالب کے اس طبع اکابر پرند اور لفظ طرازِ اہن کی گہرا کشائی کرتا ہے جو باقاعدہ حالات میں بھی ترک ادا کرتی حالت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ خود نگری و خود داری اور خود شناسی و خود احتسابی اس کا بنیادی جزو ہے اور اس جوہر پر وہ ہر حال غافل رہتا ہے۔ غالب پیشہ اپنی قیناؤں اور دوزوں اور سنگوں کے ساتھ زندگی گزارتا ہے ان کی زندگی کا یہ پہلو ان کے شعری تجربے میں اعلیٰ پایہ تکمیل اس وجہ سے غالب کی شاعری اور خطوط میں ان کی شخصیت کا تضاد ظاہر تھا ہے درد و غم میں خیال کا تسلط ہو یا زندگی کے حقیقی مصائب پر وہ صورتوں میں غالب کا دل وہ عالم سے لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیناؤں کے صورتوں میں بدلنے کے باوجود وہ سرشار دکھائی دیتے ہیں اور ان کی حسن عرفان بات بات پر پیرنگی نظر آتی ہے۔ وہ اپنی اسی حس سے اپنے لیے مشکل سے مشکل حالات میں بھی آسٹیاں پیرا کر لیتے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہم باز جیسے غیر سے قہی
میں ہی کر رہے تھے غالب پیشہ دینی ایک دن
وہ دل دھما اس سراپا باز کا شعور نہ تھا

ہزار ہا سے تو وہ آواز نہ رہا ہے ۔
 ہم سے کھل جانا وقت سے ہی سنی ایک دن
 غافل ہیں ہم، غفلتوں کے واسطے
 روپ رہنے کو کہا اور کہ کے کہا ہر کیا
 بغل میں غیر کے آج آپ سوتے ہیں کہیں درد

غالب نے زندگی کا ساتھ ہڈائی، بھائیائی اور خصلیاتی طریق کار سے کیا ہے۔ شاعرانہ کے حوالے کا حصہ ہے لیکن وہ شاعری میں حقیقی انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ بیحد جذبے اور خیال کو اہمیت دیتے ہیں۔ پوائے اقبال کے اردو کے کسی شاعر کے یہاں مرثیہ کا فن نہ ملتا ہے۔ شاعر اگرچہ اپنے مصرعوں کا ساتھ بھاتا ہے مگر اس کی نظریات سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے یہاں بعض متضاد تجربے بھی نظر آتے ہیں ویسے ہی قتلا تو زندگی کے حسن اور رفاہ کا باعث ہے۔ غالب کے یہاں تجربات و احساسات کا تنوع بھی اور رجحان بھی، شخصیت کا تضاد بھی ہے اور شعری تصورات کا رد بھی۔ فرض غالب کے یہاں زندگی کا حقیقی مثبت جو بھی تصور دیتا ہے اس پر شاعرانہ تخلیق کا رنگ چڑھا ہوا ہے وہ ہر چیز کو بھائیائی و خصلیاتی میں داخل لیتے ہیں۔ زندگی کے ہر تجربے کا مقابل ان کے یہاں عقل و عمل کی صورت میں ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر غالب کے یہاں زندگی کا الیہ پہلو زیادہ نمایاں ہے اس میں فم عزت، فم ہنس، فم روزگار، نور فم عشق کے علاوہ ان کی ذاتی نا اہموکیاں بھی شامل ہیں۔ غالب نے ان سب فموں کو ایک ایسی بھائیائی اساس فراہم کی ہے کہ یہ زندگی کے معنوں کا حصہ بن گئے ہیں:

فم ہستی کا اسد کس سے ہو ۛ مرگ طالع
 فم حیات و بند فم اصل میں دونوں ایک ہیں
 رگ سنگ سے چٹکا وہ لو کہ بھر نہ چھتا
 فم اگرچہ جاں حاصل ہے یہ کہاں بھی کہ دل ہے
 میں ہوں اور افسردگی کی آلودہ، غالب کہ دل
 نگر ہائے فم کو بھی اسے دل نیست حاسبہ
 کب سے ہوں کیا ہلاکوں جہاں غراب میں
 کہیں گردشِ بادام سے گھبرا نہ جائے دل
 غالب خشت کے بغیر کون سے کام بند ہیں

غالب کے یہاں عشق کا تصور بھی ان کی حقیقت پسندی کے تابع ہے اگرچہ فیاضی طور پر وہ ایک ہڈائی انسان تھے اسی سبب سے محبت کا جذبہ ان کے بہت اندر تک موجود تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ان کی انا محبت طاقتور تھی اور ایسے میں میں اور عشق کے درمیان کشمکش کا یہاں ہونا ظاہری اس بات تھی چنانچہ حسبِ موقع غالب کی انا اکثر مواقع پر آڑے آجاتی ہے یوں ان کے یہاں بہرہ گیری کے بجائے غالب آنے کا رویہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ میں کی ہر شے و حائل کا سامنا ان کے یہاں کم ہے۔

خواہن کو احق نے پرستش روا قرار

کیا پہتا ہوں اس بہت سے وار کر کہ میں

حسن پر تعریف حاصل کرنا قرب کی خواہش اور دامن کو حیران رکھنے کا انداز غالب کی بچکانہ قرار پاتے ہیں وہ اپنی راست میں پندار کے ضم کر کے کو تو پھر ڈھکی دیں تب بھی ان کی ناچرخہ نرا دکھائی دیتی ہے۔

غالب کے یہاں محبت کا جذبہ روحانی واردات کے برعکس انسانی رویوں کا حامل ہے۔ یہ خالصہ "انسانی جذبہ" ہے جس میں فیر کا ذکر بھی صمد' بھی رفاقت اور بھی دلکے کے احساس کو بیدار کرتا ہے۔ اسی طرح غالب کا محبوب بھی کوئی مادہ علی بکر نہیں ہے بلکہ دینی ترقی ہے جس کا گوشت پوست کا جسم ہے اور اس جسم میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے اس کی اپنی نظراں غالب ہے اس کا اپنا معیار اور ترجیحات ہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ عاشق کی ہر بات سے بدن و چرا مان لے۔ وہ اگرچہ کردار کا ایک پتہ نہیں مگر انکا نشان بھی نہیں کہ حلق اور ہوس میں قیود کر سکے۔ وہ درپہ رہنے کو بھی کہہ سکتا ہے اور اپنی بات سے مکر بھی سکتا ہے وہ سراپا باز ہے مگر یقیناً ضرورت و حول و حوا بھی کر سکتا ہے وصل میں شوق کے زوال پر پریشان بھی ہو سکتا ہے تو بھری بزم میں ستم غرقی کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے فیر سے راہ و ستم بھی پوچھا سکتا ہے تو بہت دلوں کے متعلق کے بعد مائل بہ کرم بھی ہو سکتا ہے۔ غالب نے محبوب کو اس کی ساری انسانی طبعوں اور مکر و دلوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔ یہی ان کا حقیقت پسندانہ رویہ تھا مگر ان کی حقیقت پسندی کا یہ ساتھ اختیار دلکے کی حالت کے بیان میں ہوتا ہے:

خدا کا واسطے وار اس وطن شوق کی دغا

کہ اس کے روپہ پہنچے ہیں تار سے ہم آگے

پھر وار نہ دلکے نے کہ تے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پہتا ہوں کہ جاؤں گدھر کو میں

اور جس کی انتہا غالب کا یہ شعر ہے:

قیامت ہے کہ ہر دے دلی کا ہم سطر غالب

وہ اگر ع خدا کو بھی نہ سونا جائے ہے مجھ سے

غالب کے یہاں دلکے کے حضور کے پس منظر میں ان کی "نا" خود پہتی اور پہنچاتی نا آسودگی کا سراغ بھی لگا جاسکتا ہے مگر یہ نینت ہے کہ ان کی شاعری میں دلکے کے جذبے کی کار فرمائی نے ان کی "نستاق" آرزوؤں اور حسرتوں کو بھی سے سے معنی عطا کر کے ہیں حیرت اس وقت ہوئی ہے جب ان کی ذات خود ان کے متعلق آجاتی ہے یہ دلکے کا وہ اعلیٰ درجہ ہے جس تک صرف غالب ہی پہنچ سکتے تھے۔

دیکھتا غنڈہ کہ آپ اپنے پہ دلکے آجاتے ہے

میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

غالب کی یہ حقیقت پسندی جو بھی دلکے کو بھی ہے مگر یہی ہے اعتبار اور کبھی خصوصیت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ان کے پیش ہم آتی وہی اور انہوں نے بلوچ و ناگہیوں اور غمزدگی کے ذہنی کو اپنے لیے گوارا نہ کیا تھا۔ وہ اپنی خستہ حالی کے باوجود اپنے آپ کو محض خیال سمجھتے رہے اور تخلیق حسن اور سخی آفرینی کے ذریعے اپنے غموں کو بھی بحالیابی آہنگ عطا کرتے رہے۔

”کلام غالب کے خوبصورت تضادات“

اسرار احمد سلواری گو جرنال

زندگی کی بنیاد تضاد پر رکھی گئی ہے۔ اس حقیقت کا مظاہرہ زندگی کے ہر قطر میں نظر آتا ہے اس اصول حیات کو سمجھنے کے لیے قطعی کسی غور و خوض کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً زندگی کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے۔ پھول کے ساتھ لکڑی بھی شائع مگل میں پست ہوتا ہے۔ تاریکی کے ساتھ روشنی ملتی ہے۔ خوشی کے ساتھ غم چلتا ہے وغیرہ وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تضاد خالق حیات کی عظمت اور تدبیر کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ زندگی کی بحران اور کمال ترین صورت بغیر تضاد کے ممکن ہی نہیں تھی۔ اس میں ایک ضمیمہ کہ زندگی کا خالق قادر مطلق ہے وہ چاہتا تو زندگی کو بغیر تضادات کے بھی تخلیق کر سکتا تھا۔ لیکن ایسی زندگی میں سعوت ’صرت‘ لذت اور دل بھلی منظور ہو جاتی اور زندگی ایک بے سنی اور بے کیف چیز ہو کر رہ جاتی۔ مثلاً اگر صرف زندگی ہوتی اور موت اس کا مقابلہ نہ کرتی تو زندگی کی کیا مدد ہوتی۔ اسے چلانے کی کوئی جدوجہد ہوتی اور نہ اس سے کوئی محبت کا جذبہ پیدا ہوتا۔ نہ بد اعمالی اور مظالم پر کوئی گرفت ہوتی۔ نہ سزا و جزا کا تصور ہوتا بلکہ ہر قسم کی غلطی سے غم ہو جاتی اور محنت باگوار جمود طاری ہو جاتا۔ اس طرح زندگی خود وہاں جان ہو کر رہ جاتی زندگی میں تمام روحیں حرکت ہی سے ہیں۔ جمود تو بالکل موت کا حریف ہے۔ یکسانیت کے آزار کو مولانا محمد صہبانی آزاد نے اپنے ایک جملے میں بدی خوبصورتی سے ادا کیا ہے فرمایا ”خود ہو یا پری اگر گلے کا بار ہو جائے تو اجڑیں ہو جاتی ہے“ اسی مضمون کو ایک کلامک شاعر نے جیسے وہ مکمل انداز میں بیان کیا ہے۔ اس نے پابندی کو موضوع ضمن بنایا ہے:

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

یہاں مرنے کی پابندی وہاں پینے کی پابندی

مطلب یہی ہے کہ نہ ابدی زندگی دلچسپ ہے اور نہ ہم نکل بلکہ دونوں متوازی جلیں تو بہت فنی ہے۔ پھر اس تضاد کی اور بہت ہی خوبصورت بھی ہیں۔ یہ تضادات ایک دوسرے کی حفاظت کے خاص ہیں۔ لکڑی پھول کی حفاظت کرتا ہے ’مردِ حوریت کی حفاظت کرتا ہے‘ غم خوشی کا خاص ہے ’سزا و جزا سکونِ معاشرت کی حفاظت ہے‘ تاریکی روشنی کے لیے ناگزیر ہے ’تیری اہم بات یہ ہے کہ بغیر تضاد کے کسی حقیقت کا تصور ممکن ہے نہ اور ایک اور نہ اس کی ضرورت ہی رہتی رہتی ہے۔ مثلاً آپ بغیر تاریکی کے روشن کا تصور کر سکتے ہیں اور نہ اس کی خواہش۔ جو فنی اہمیت یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں میزانِ دوی ہی بحرانِ دوی ہے اور اسلوب ہے۔ انتہا کی چیز کی نہ پند یہ ہے نہ باعثِ خیر و برکت اور یہ میزانِ دوی تضادات کے دونوں دلوں کے حوالے ہی سے گرفت میں آسکتی ہے۔ پانچویں بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ تضاد کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کر کے ملائے غرض نے اسے ہر گاہ ایک شعری صنعت قرار دیا ہے اور واقعی اگر اس صنعت کو تخلیق اور بے تکلف سے استعمال کیا جائے تو یہ اظہار میں جاسا حسن اور دلکشی پیدا کر دیتا ہے۔ کلامک شعرا نے اس صنعت کو بہت رواج دیا۔ شعوری طور پر اور ارادہ نامہ اس کو استعمال کیا البتہ جدید دور میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ شعوری طور پر ایک صنعت سمجھ کر اس کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ البتہ اگر دوائی کلام میں بے نکتہ انداز آجائے تو استعمال کر لیتے ہیں اور یہ استاد نے کی طرح ہمارے میں صحت بھی پیدا کر دیتا ہے۔ شعوری طور پر اس کا استعمال صرف افاد کی صنعت مگر

سمجھا جاتا ہے۔ یوں بھی ہر دور نزکات کا نہیں سلوگ اور یہ غلطی کا ہے۔ میں نہیں بلکہ زبان دہانی مہارتی صن اور خلعت پر عبور بھی منظور ہو رہا ہے۔ ان نزکات سے بھی ادب بھلا کر حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حتم ہائے حتم یہ ہے کہ عام معاشرتی زندگی کے کوٹاک میں بھی اصول و قوانین کی پابندیاں منظور ہو رہی ہیں۔ لوگ ”بے اصولی اصول ہے اپنا“ کے قول کو اپنا دے رہے ہیں۔ اسی لیے ادب کے علاوہ عام زندگی میں بھی انار کی پھیل رہی ہے اور لوگ قانون بھی بے فکر کرتے گئے ہیں۔ زندگی کا یہ ترقی دہی غیر ترقی یافتہ ممالک میں نہیں ترقی یافتہ ممالک میں بھی اپنے پورے شباب پر ہے۔

انسانی فطرت بھی یہ کہ فضلہ کے لئے ہانے سے بنی گئی ہے اس لیے اس کے خیالات، جذبات اور احساسات میں بھی ”فلا“ تضادات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اسی لیے ہر شاعر کے کام میں بھی فطرتی طور پر یہ تضادات نظر آتے ہیں اس سے ایک کاغذ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کام میں یک رنگی و یکسانیت ملتی نہیں ہونے پاتی۔ ایک نئے ہیں کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے قاری کی طبیعت اتارنے میں پاتی بلکہ ترو تازہ رہتی ہے۔

ان فطرتی گزشتات کے بعد اب ہم غالب کے دیوان میں ”صن تضاد“ کا تعاقب کرتے ہیں۔ غالب کی زندگی میں اہم ترین مسئلہ ان کے علاقائی رجحانات کا ہی گیا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ان کے علاقائی تضادات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان اور عقیدے کے بارے میں بھی تقریباً ہر سوچ بچار کرنے والے کے ذہن میں وقتی طور پر تضادات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی مقرر اس اصول سے راد نہیں ہے۔ یہ صرف غالب کی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ایمان والے لوگ اس قسم کے دساویں کو اپنی قوت ایمانی سے ٹھک دیتے ہیں اور راد راست پر قائم رہتے ہیں۔ کھردر ایمان و حرم کے لوگ البتہ دیر تک ٹھک ٹھک لاوریعت اور انکار کی حدود میں گرفتار رہتے ہیں۔ غالب بھی اپنی ٹھک ٹھک لاوریعت اور کبھی کبھی انکار مصل کے حوالے سے کافی بدنام ہو گئے ہیں۔ البتہ ان کے سوانح خاتے ہیں کہ سن دہیدہ اور بزدلی کے ساتھ ساتھ اور زندگی کے فوس تجربات سے گھرانے کے بعد اس قسم کے خیالات سے بڑی حد تک رجوع کر لیا تھا اور اس طرح اپنی مجموعی زندگی میں بھی شاعری کی طرح تضاد کو شامل کر لیا۔ ان رجحانات کا اعلان اردو سے زیادہ ان کی فارسی شاعری میں نظر آتا ہے۔ خصوصاً حقی رجحانات کا اعلان اردو سے زیادہ فارسی میں ہے۔ انھیں اردو سے زیادہ اپنی فارسی شاعری پر بڑ بھی تھا۔ کہتے ہیں:

فارسی میں بجا ناب بنی خشنایے رنگ رنگ

بکند از مجبور اردو کہ ہے رنگ من است

چنانچہ فارسی کی ایک نعتیہ نظم میں فریاد آوری کے طور پر نبی کریم ﷺ کے حضور اپنی ایمانی قبول کا بڑا اعلان کر کے استغاثہ کا مدد پر اعتبار کرتے ہیں۔ فریاد کی لے استغاثہ کا ”جز“ خود استغاثہ کی آرزو کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ عرض کرتے ہیں ”اے میرے فریاد رس میرے ایمان کا نقل تذاریع ہو گیا ہے۔ اب اس مجلس سے میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ کا کیا ہے۔ میں موم و صلوة سے بھی محروم ہوں میری پہچانی بے سہجہ کا بھی کوئی نشان نہیں“ اس اعلان کے برخلاف غالب اپنے آخری دور کے اردو اور فارسی اشعار میں ایک جے اور بکتہ کار موجد نظر آتے ہیں۔ غالب کوئی عرصے تک ابو الفضل اور فیضی کے ذرا اثر دے لیکن اس کے ساتھ شاعری میں وہ پیدل کے پیر کار تھے اور پیدل کے ذہن اور اعتقاد کی اثرات کی وجہ سے انھوں نے لاوریعت سے رجوع کیا۔ اردو میں بھی سیکھوں اشعار موجود ہیں جن میں انھوں نے اپنے موجد اور حق پرست ہونے کا اعلان کیا ہے اس سلسلے میں ان کا

مشہور شعر ہے:

ہم سوچہ ہیں ہمارا کہیں ہے ترکِ رسم
جسیں بابِ مٹ جھنکی اڑائے اٹھیں ہو جھنکی

ایک اور شعر:

یہ سائلِ قنوں یہ ترا بیانِ غلب
جتنے ہم ولی کہتے ہو نہ پلو غرار ہوتا

عشق الہی و اہمیت کا یہ ساوہ وہ کارِ شعرِ ملاحظہ ہو:

ولی ہر قنوں ہے سازِ بنا المھر
ہم اس کے ہیں ہمارا پہچانتا کیا

ایک ہی غزل کے دو اشعار میں قنوں و معرفت کے سلسلے میں تضاد کے گل کھلائے ہیں باوجود تضاد کے اعتبار کی بلندی قابلِ دانہ ہے۔
توحید و معرفت کا اعتبار کرتے ہیں:

سب کو مشغول ہے دعویٰ تری یکسانی کا
دودھ کوئی بہت آئینہ سیماء نہ ہوا
قنوں میں وہی دکھائی نہ دے اور آخر میں گل
تخلیلِ لڑکوں کا ہوا دیدارِ بچا نہ ہوا

اپنے ایک ہی مصرعے میں اپنا تضاد آمیز کردار پیش کر رہا ہے:

”یہ ولی پوشیدہ اور کالز کھلا“ ہوں کے سلسلے میں تضاد بیان کا صحنہ ملاحظہ ہو:

وفا داری بشرطِ استواری میں اٹھیں ہے
مصرے بہت غائبے میں تو کہیں میں گاؤں برہمن کو
گو واں میں چہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کہیں سے ان ہوں کو بھی نسبت ہے دور کی

ایک ہی غزل کے تین اشعار میں قنوں و معرفت کے رنگ میں صن تضاد کی بحال آراء ملی دیکھئے:

سر پائے تم پہ چاہیے بنگامِ بے خودی
رو سوائے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
یعنی سب کروشِ بیکار نہ صفت
مارفِ بیشِ مست سے ذات چاہیے
نظروں کا ہے اصل سے غائب! فروع کو
خاصی ہی سے لکھے ہے ہو بات چاہیے

ایک اور چوری نزل صنعتِ شاد کی مقرر ہے۔ اپنے حسنِ شاد کی وجہ سے بہت مقبول ہے:

کسی کو دے کے دل کوئی فواجِ غیاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی چنے میں تو بھڑک میں دہاں کیوں ہو
یہ تھک آوری کی خانہ دہرائی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے وطن اس کا آہاں کیوں ہو
وہ اپنی غنہ بھڑکیں کے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
بہک سہیں کے کیا پر بھیں کہ ہم سے سرگرمی کیوں ہو
تو ہوتا ہے کام کا طعنوں سے تو غالب
ترے بے سر کھنٹے سے' وہ تجھ پر' صبریاں کیوں ہو

شکوہ کے سلسلے میں وہ اشعار رد گئے، غالب نے اپنی تکلیف "اورت" اور صنعتِ ایمانی کے سلسلے میں کہے۔ "مقامی شاد کے اعداد کو جان کرنے کے لیے ان کی چند مثالیں بھی پیش کرتا ہوں اپنے ایک مشہور قصہ میں ایمانی کی غیر فحشی حالت کو جان کرتے ہیں:

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
ہارچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
مداخل کر ہے رضاں اس قدر جس بارغِ رضاں کا
کہ ہاتھ کو جھٹک نہیں آگہوں میں تو دم ہے
ایں جنت کا کہا کہے کوئی
بکڑے جاتے ہیں (رشتوں کے کھٹے پر افق
زندگی اپنی اسی صاحب سے ہو گزری غالب
دل گزر کچھ خیال سے و ساغر ہی سی
کہا وہ غرور کی خدائی حقی

آخر میں عبدالعزیز خالد صاحب کی ایک نظم "غالب" سے چند خوبصورت اشعار پیش کرتا ہوں جو انہوں نے غالب کے تعداد طبع اور اس کے شاعرانہ اعداد کے بیان میں لکھی ہے۔ یہ نظم اپنے زورِ بیان، چمکے تیز اور مدید بند آہنگی کے لحاظ سے جی باندھ پایا ہے اور خالد صاحب کی تنقیدی ڈائف نگاہی کی جی خوبصورت دلیل ہے۔ عبارت کی روانی اور لٹری بھی توجہ طلب ہے۔

"غالب"

ہے تو کافر تو کھتا اور ولی پر شیدہ
کرے دھوسوں سے اما مشربِ دغلاں ترا
ہے جان بھر سونہ المان ترا

دستِ ناز بھی لا تجھ کو یہ بیضا بھی
کیوں نہ اوضاعِ زمان ہوں طبیعت کے خلاف
جن بیوقوف بھی اندر ایذا بھی ہے

نقدِ سستی میں بھی انداز ہے شانہ ترا
نکر اللہ طبعیت سے تو لاپار بھی ہے
طلب پارچہ و کرسی و دربار بھی ہے
شمال خلیں مگر ایمان در بار بھی ہے
سوز و سستی سے بھرا رنگِ قرطاب ترا
ہے عطا کس کی یہ اندازِ بکیمانہ ترا
لود رنگین قدحِ نعل سے بھی یادگار ترا

چنتانِ فکر ہے آری ہوا کا
گرچہ بندوں کی خداوندی سے انکار بھی ہے
بے نیازی بھی ہے مداحی سرکار بھی ہے
دلم خود بچی و آلودہ روی کے باوصف
خود پرستی کا دلوا فمِ استی کا طالع
رویا آسائیں مگر ہنسا نہیں آسائیں خود پر
آشنائی ہے جہانِ حرم سے ہماری

دو دریا قتلہ کے اور ہیں جو خالد صاحب سے نظر انداز ہو گئے۔ ایک تجزیہ لودِ اہمام کے ساتھ ساتھ نگاری لودِ سلامت کا
قتلہ دو سرا غالب کی علی خود پسندی لودِ مجزوہ انکساری کا اعتبار۔ میں اس دونوں تضادات کے دو دو شعر پیش کر کے کی پوری کر دیتا
ہوں:

1۔ تجزیہ لودِ اہمام:

فطائے خودا کی عجب و ادق پیش ہے پردا
فراغت گاہِ آغوشِ دودِ دل پسند آلا
سوارِ چشمِ نعلِ احبابِ کتبہ آراہی
گرامِ ناز ہے پردانیِ چاقِ پسند آلا

سلامتی سلامت

دورِ منتِ نعلِ "دوا" نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
ہم کہاں قسمتِ آزلے جانیں
بپ تو ہی ہجرِ آرا نہ ہوا

پانچپہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز کشا مرے آگے
اک کھیل ہے اور تک بلیاں مرے نزدیک
اک بات ہے الہازِ سہا مرے آگے

2۔ خود پسندی:

مرا کچھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
ابن اور آٹھ کے قدم میں نے ہاسوں کے لیے

3۔ مجزوہ اور اللہ کی:

غالب کی ”جنت درست“

حسین شیری

غالب کو اپنی عظمت کا احساس اس حد تک دامن گیر تھا کہ وہ کسی اور سے انفرادی اختلاف کے کو اپنے لیے تک و مادر گردانتا تھا

یا حالے گرم پردازیم' فیض ادا ہو

سایہ چہرہ رود' ہلا سے رود از بل

یعنی میری گرمی پرداز کا یہ عالم ہے کہ میرے پر وہاں کا سایہ بھی دھوئیں کی طرح ہلا ہی ہلا چلا جاتا ہے اور میرے سایہ تک کوئی فیض پہنچ سکتا۔ پھر اس سے بڑھ کر ذریت اور اہلیت کی افتخار کیا ہو سکتی ہے جب وہ یہ کہتا ہے :

فائدہ نہ بودیم بدیں مرجہ راضی غالب

شعر خود' خواہش آن کرد کہ گردد فی

یعنی دیگر شعراء تو خود کو خوش کر کے فی شعر تک پہنچے اور یہاں طوئی شعر اس تک پہنچا ہے۔ قیاس کرنا چاہیے کہ یہ شاعر اپنے از دوست اور اہل شاعری اور قوری کے ساتھ سامنے آنے کا تو اس سے حد کرتے والے بھی پیدا ہو جائیں گے، لیکن ان تمام ماسدین کو غالب کس نگاہ سے دیکھتا ہے، ملاحظہ فرمائیے :

ہوئے ماسدین در دورخ کتلار' رشک

از ہر طویش جنت درست ایم

یعنی ہم اپنی شاعری کے اعتبار سے ایک ”جنت درست“ ہیں جہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں البتہ اس چیز نے ماسدوں کے لیے دورخ کا دردناکہ ضرور کھول دیا ہے جس میں وہ ہر تن جلتے رہتے ہیں۔

اس شعر کی تفسیر کے بعد اب یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ غالب کی ”جنت درست“ کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ انفرادی اہلیت، اپنے پیچھے کچھ خائن بھی دکھاتا ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

علم الفس کے ماہرین جانتے ہیں کہ اکثر اوقات احساس برتری کی یہ طبع ”علاقت بن جاتی ہے اور اس طرح کی انحصاریت سے“ انہیں ست اپنے لیے کچھ بنا دیا کہیں تراش کر اپنی عظمت کا سامان کر لیتے ہیں۔ فارسی زبان میں عربی اور اردو میں میرد غالب ”اس میں برتری طرح سے نظر آتے ہیں۔ صرف دعویٰ کرنا اور جڑ ہے اور حقیقت نفس الامری بالکل ”چڑے دیکھ“ کی ذیل میں آتی ہے اس میں شبہ نہیں کہ غالب دراصل میں بلکہ ایک دراصلی شاعر تھا اور ایک ایسے سے طرز شاعری کا علاق تھا جس سے اس کے ہم عصر بالکل ہارائف تھے۔ اس نے سنی آفریقہ، اندلس، چین اور امریکی اسلوب سے اردو اور فارسی شاعری کو وہ آہنگ اور لہر عطا کیا جسے اس کے ہم عصروں نے اگرچہ ”جنت درست“ سمجھ کر غور اور محو آنے والی نسلوں نے اسے ”جنت از دست رفت“ سمجھ کر اس طرح اپنے سینوں سے لٹکا کر آج تک اس کی محبوبیت میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس وقت اگر عالمی شاعری میں دیکھا جائے تو غالب کی

شہادت 'اقبال اور فیض سے بھی کہیں زیادہ ہے' اور جتنا کہ غالب پر کھٹا ہوا ہے یا کھٹا جا رہا ہے اتنا کھٹا اقبال اور فیض پر بھی نہیں کھٹا گیا یہاں تک کہ غالب سے حقیقتاً تجربات کا اشاریہ ترتیب دیتا بھی بجائے غریب ایک طرح کی دیرینہ کا موضوع بن چکا ہے۔ مگر اس تمام تر عظمت اور شہرت کے باوجود اس گوشے کو کھٹنا از حد ضروری ہے جسے وہ اپنے لیے "بہت در بہت" قرار دیتا ہے۔ شہرت یہ ہے کہ غالب کے ہاں اس دعویٰ کے باوجود بھی۔۔۔۔۔ اخذ و استنباط کی بے شمار مثالیں ہیں جن پر اکثر اوقات اس کے معترضین کی گرفت 'صائب اور حقیقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ یہ ایسے حقائق جن سے 'طبی سبب' پر صرف نظر کرنا ناگہان نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ واقعات ثابت ہیں کہ جب غالب پر اس کے ہم معرلوں نے قیاد اور سرقت کے الزامات عائد کئے اور واضح طور پر ان حقیقت کی نشان دہی بھی کر دی تو غالب جواباً یہ کہہ کر مطمئن ہو گیا کہ:

ہر گمان قیاد و نہیں شناس کہ ولد
خارج من زبان خانہ ازل بدست

یعنی اسے قیاد نہ سمجھو بلکہ میں سمجھو۔۔۔۔۔ کہ دراصل میرا ہی معنوں قیاد جو زبان خانہ ازل میں 'میں نے مخلوق کر دیا تھا اور جو نے اسے اڑا لیا۔۔۔۔۔ اس خوبصورت شعری توجیہ پر دلو تو وہی جانتی ہے اور اس کی تہذیب کاری اور انداز بھی اپنی جگہ۔۔۔۔۔ مگر اس سے 'طبی اور فنی و فلفلی بیسوں اور غوصان نقد و سنج کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔۔ کچ تو یہ ہے کہ غالب نے ایسا کہہ کر انصاف سے کام نہیں لیا اور نہ یہ کوئی معقول بات تھی ہے کیونکہ کسی معترض کی نفوس بات کو شوقی شخص یا شاعرانہ انداز سے رد کرنا 'طبی بارگاہ میں اس لیے مستحسن نہیں کہ اگر کسی نے سرقت یا قیاد کا الزام وارد کیا ہے تو وہ ایسے خیال کا اظہار تھا جسے وہ صحیح سمجھتا تھا۔ اس کا جواب بھی اس بات کا کھانا کرنا تھا کہ وہ بھی 'طبی سبب پر ثابت دلیل و بیان کے ساتھ ہو۔۔۔۔۔ حالانکہ غالب جیسا اچھے و فطین شخص بذی آسانی سے کہہ سکتا تھا کہ جس بات کو سرقت کہا جا رہا ہے وہ محض قیاد ہے جو شعراء کے ہاں پیش پایا جاتا ہے کیونکہ جذبات کی دنیا میں تاثرات پیش ایک سے ہوتے ہیں فرق صرف انداز بیان کا ہوتا ہے اس طرح قیاد (یا ہم ایک جگہ دوسرے ہوتا) کا جواب آسانی سے مل سکتا تھا۔۔۔۔۔ ایک اور مقام پر غالب نے درپہ وہ اعتراف حقیقت کر کے ایک دوسری قہقاری کھائی ہے وہ کہتا ہے:

معنوں شعر "قوت" ہو دور زمانہ
یعنی بدست ہر کہ اللہ کن است

(شعر کوئی تنگ یا (Cheque) تو نہیں کہ اس پر کسی کا نام درج ہو یا سرحدت ہو۔ یہ ہاں جس کے ہاتھ لگے جس اسی کا ہے) یعنی اس کاچ اٹا کیا مشکل ہے؟

اس طرح انداز میں شاید غالب کی اپنی یہ شکایت پوشیدہ ہو کہ لوگ اس کے مضامین اڑا لیتے ہیں۔۔۔۔۔ مگر ایسی چوری پکڑنا کون سا آسان کام ہے یہ کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع اور تمام مظاہر شعراء کے کام پر اس کی نظر ہو۔۔۔۔۔ اس حلقے میں مدد جاناگیری میں طاہرہ اور طاہرہ زکی توک نمود تک تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے غالب کے کام کا باب انتخاب کیا تو ان کے سببے شمار ایسے اشعار کو حذف کر دیا جو بیدل کے ہاتھ سے تھیں اور اس کی جاگواہی اعلان ہندی کے طریقے۔۔۔۔۔ اگرچہ آج کل یہ روایت بھی گل نظر ہے کہ

عالم نے اس خیال کو اس کا لکھنے سے باز رکھا۔

قائد کے آئے آئے خلا آگ اور گھم رکھوں
میں چلتا ہوں وہ جو کہیں کے جواب میں
دروں اشعار اسی مضمون پر مبنی ہیں کہ خلا کا انکار ہے کر ہے کہ وہ جواب کہیں کے ہی نہیں۔

عقاب
آگیا اسے آگلی چشمِ قاتل
چشمِ داگردہ، آغوشِ داغِ جلہ ہے

(شعر بیدل کے اس شعر کا ترجمہ ہے:)

چشم راه را گردان، کفیل فرست قناره نیست
 ای صبح آغوش دوازده محفل است

"مجموعہ" کو دونوں نے "آخرش دماغ" ظاہر کیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بیدل نے اسے محفل سے حلقہ کیا طور غالب نے جلوہ سے۔۔۔۔۔۔ بیدل سے غالب کی یہ ہم آہنگی اس کی خصوصیت اللہ علیہ کی وجہ سے تھی جس کے نتیجہ میں بیدل کی سمٹ سی جارہی ترائیں، غالب کے تحت الشعور میں مرقع ہو گئی تھیں جو بالقد و ارادہ اس کے قلم سے نکال پڑتی تھیں اس سے بچ کر دوسرے شعراء کے خیالات کا مرقع، تعلیمیت کے ساتھ کام غالب میں دیکھا جاسکتا ہے، ہر کسی طرح بھی قرار دیں نہیں آتا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اسے اردو کام میں خلق کر دیا گیا ہے۔ یعنی من و عن : چند مثالیں دیکھئے

نامی
 دہی نام تو تو سکتہ زبانی را
 صد ہوسہ دہم ہم زبانی را
 زبانی چہ ہار ہدایا چہ کسی کا نام گویا
 کہ میرے لفظ نے ہوسے مری زبانی کے لیے

مائی احزابی:

است و رنگ چلی کسے چوں غمی برم
آیا سراغ او کہ کونہ حریف ترا
بھولا نہ رنگ نے کہ ترے مگر کا نام ہوں
ہر اک سے پہچتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں؟

تکلی و خراسانی ہزار کا ایک ہست ہی پاکیزہ شعر ہے:

میں اگر توبہ دینے کو نہ ام اسے سہا سہی
تو خود امی توبہ نہ کردی کہ مرا ہے نہ وہی
تنبی اور بزم سے سے عین تھکتے کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ سلاقی کو کیا ہوا تھا

اسی طرح کے بے شمار اشعار تو اردو اور سرقہ کے حوالے سے غالب کے اردو اور فارسی کلام میں موجود ہیں جن سے غالب کو اس انعام سے بہتی قرار نہیں دیا جاسکتا۔۔۔۔۔ اردو میں داسکین بکیر اختتامیہ خاص کا ایک شعر ہے:

یار آگیا مجھے مگر دیکھ کے دشت
دشت کو دیکھ کے مگر یار آگیا
غالب نے پہلا مصرع بدل کر دو سراچہ را مصرع اڑا لیا اور داوین کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے
دشت کو دیکھ کے مگر یار آگیا

اس میں شبہ نہیں کہ اس قصود نے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے مگر غالب سرقہ سے بری نہیں ہے نظیری بیجاہ ری کا ایک شعر ہے:

ہوئے گل بار دل دور چراغ مصلیٰ
ہر کہ از بزم تو برخاست پریشان برخاست
غالب نے نظیری کا مصرع ادنیٰ۔۔۔۔۔ چارے کاچرا اور مصرع ثانی کو اردو میں داخل دیا۔

ہوئے گل بار دل دور چراغ مصلیٰ
ہر تری بزم سے نکلا سر پریشان نکلا

یہ ہیں سرقہ اور تو اردو کی وہ کیفیتیں۔۔۔۔۔ جن کا غالب نے ہندو اقراء نہیں کیا اگرچہ اس سے غالب کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔۔۔۔۔ کیونکہ اس قسم کی کلام فردہ گریاں اس کے شعری حسن تخلیق کے سامنے بچا نہیں اس کے باوجود "میں دیکھتا ہوں" شعر میں "ان عناصر کو بھی غالب کے اختصارات فنی کا کرشمہ سمجھتا ہوں یہ اور بات کہ یہاں اگر اس کی جنت درست کا بھیجہ آشکارا ہو جاتا ہے کہ تھک حذ کہ بلا حناؤں سے ظاہر ہے کہ اس نے دوسروں کے خیالوں کی جتنی اہاز کر۔۔۔۔۔ صرف اپنے اعتقاد اختلاف سے کی قوت سے "انہیں اپنی جنت قرار دے کر اس کے دودھ اڑنے پر "درست" کا پورہ توجہ اس کر دیا ہے۔ یہ دلاویز "محرکتیں" غالب نے اور بھی متعدد مقامات پر کی ہیں۔ مگر بھر بھی یہی کہنا چاہتا ہے کہ اس کی زبردست قوت اختراع نے جو جو گل کاریاں کی ہیں وہ ہر لحاظ سے حذو اور قابل توجہ ہیں بعض اوقات یوں ہو جاتا ہے کہ تخلیقی عمل میں۔۔۔۔۔ بلکہ شعراء کے حسن خیالی کی کوئی ہست "اوجہ" اور ہر کہ شعر کو عقلی یا معنوی اعتبار سے دم بھردہ بنا دیتی ہے۔۔۔۔۔ غالب اپنی تخلیقی لہر سے نہ صرف اسے مکمل کر دیتا ہے بلکہ ایسا کرنے سے وہ شعری تاثر کو بھی کئی چند پیدا دیتا ہے: یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی کہ غالب کے دامن حریت نہ اور اس کے جواز

کے لیے اسے کسی "لعان خاندان" میں پناہ لیتی ہے۔ اس حوالے سے صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے جو چنانچہ توحید منیٰ آفرین اور نزاکت تجلی کا عمدہ نمونہ ہے وہ لکھا ہے:

ہم مسعود یاثل دہم بھی کہ در بھون حلق
سوج دریا سلیل و قعر دریا آئیل است

مسعود اولیٰ میں ایک روایت کے مطابق "مسعود" اس کھڑے کو کہتے ہیں جو ایک جگہ ہزار سال تک مسلسل آگ بجنے کے بعد پیدا ہوتا ہے جو کسی وہ آگ سے باہر آنے تو ناک ہو جاتا ہے۔ مطلب شعر یہ کہ اگر کوئی شخص حلق کی ابتداء اور اختتام دونوں سے جان سلامت لے آتا چاہتا ہے تو اس کو مسعود اور یاثل۔۔۔۔۔ دونوں ہونا چاہیے تاکہ وہ سب رخ آپ پر آنے تو بھلی کی طرح نہ رہے۔ اور جب قعر میں پہنچے تو وہاں کی گرمی سے جلا نہ ہو۔۔۔۔۔ مگر یہ شعر اپنی تمام تر عذرت اور منیٰ آفرینی کے باوجود کچھ اسقام کا شکار ہو گیا ہے یعنی اس میں پہلا شخص الفاظ کے انتخاب کا ہے عربی نے مسعود اول میں جس کو "بھون" کہا دوسرے مصرعے میں اسے "دریا" کہہ کر اس کا پتہ "سلیل" کے ساتھ لگا دیا حالانکہ یہ تینوں الفاظ اپنے اپنے طبع و مقام پر رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ ویسے معنی اعتبار سے بھی "سلیل" کا لفظ "س" حشر کی تصویر کشی کے لیے لایا گیا ہے اس سے یہ تصویر عمل میں ہوتی ہے کہ "سلیل" سے کوئی ایسی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ صرف یاثل کے لیے موزوں ہو اور دوسرے سے اس میں شادری نہ کر سکیں یہ پہلو بھی کہ سلیل کے لفظ کی روایتی تشکیلی اور صرف اس بات کی تحقیق نہ تھی کہ اسے کسی صیغہ کے افعال کے لیے استعمال کیا جائے غالب نے عرض کی اسی نہیں کو سامنے رکھ کر اس میں یوں تصرف کیا:

در بلا یودان یہ از ہم بلا است
قعر دریا سلیل و درے دریا آئیل است

یعنی صیغہ میں چ جانا۔۔۔۔۔ صیغہ کے خوف سے کہیں بجز یہ اس کا ثبوت دوسرے مصرع میں یوں دیا ہے کہ جب تک انسان سب رخ آپ پر ڈوبنے کے خوف سے ہاتھ پاؤں ہلاتا رہے تو اس وقت تک پریشان رہتا ہے جب وہ ڈوب کر دریا کی صف میں پہنچ جائے۔۔۔۔۔ تو ہماری صیغہ دور ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ گویا سب رخ آپ اس کے لیے آگ اور قعر دریا سلیل ہی گیا۔ اس میں منیٰ آفرینی تو ظاہر ہے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ عرض کے مقابلے میں غالب نے سلیل کا کتنا صحیح استعمال کیا ہے!

میب مول کام تو مجھ سے سرزد ہو ہی گیا ہے مگر اس قلم بٹ و قہیں سے یہ دیکھنا محسوس تھا کہ غالب نے فرمایا "ایک خود آگاہ" ظاہر تھا اور اس خصوص میں کوئی دوسرا اس کا ہم سر نظر نہیں آتا۔ پس وجہ ہے کہ اس کا صرف ہونا قرار دے۔۔۔۔۔ دونوں اس کی تحقیقی لگ سے پہلے سے ایک بعض اور برتر سانچے میں داخل کر لیتے ہیں۔ ہم مصرعہ نہیں کے اعتراضات اپنی جگہ۔۔۔۔۔ اور غالب کے غیر منطقی استدلال یا حقیقت حال سے گریز بھی اپنی جگہ۔۔۔۔۔ مگر اس کے تصور غلاظت کا وہ ایک نادر عنصر تھا اس سے عظیم پاشی ہادی انصر میں جی وشار نھر آتی ہے۔

آخر میں یاد رکھئے ہیں ان کی "جنت و بہشت" کی طرف۔۔۔۔۔ جن کے کچھ احوال آپ کو معلوم ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ مگر اس کے باوجود "من بیت الحمیر" اس کے کام کی غلو کارواں دیکھتے ہوئے یہ باور کرنا چاہتا ہے کہ اگر اس کا یہ دعویٰ عمل میں نہ آئی ہو تو اسے آج بھی سامنے کے لیے ہمارے پاس کوئی نواز بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ اگر ہم اس کا فاری کام چھوڑ بھی دیں

(میں) اسے بجا طور پر مار تھا) صرف اردو کلام کو (جسے وہ مجموعہ ہے رنگ کرتا تھا) خود سے دیکھیں تو اس کے کلام کا ایک معنی یہ حصہ ایسا ہے جس میں تخیلِ آفرینی کی سطحیں اس قدر بلند ہیں کہ (اس سے آگے کی بات چھوڑیں) مصلحتاً ان تک رسائی کے لیے بھی انسانی فکر کے چرچے کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں میں اس کے اردو کلام سے ایک انتخاب پیش کر رہا ہوں۔ یہ واقعتاً ایسی "جنتِ دروست" ہے جہاں تک رسائی کے لیے ایک طویل عرصہ سے بڑے بڑے طاق اور ہر دور "عالم" کے پڑنے ہوئے سوانح کی کلامِ گردشوں میں پڑے "باتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ گرجی بھی ہے کہ الطور کا انصاف!

یہ انتخاب میری ہمسرت اور دانش کے مطابق غالب کے دعویٰ کی گواہی پر ایک شاہدِ عادل کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اشعار

ملاحظہ ہوں:

دیں خود آرائی کو تھا سوتی پہونے کا خیال
ہاں اہم انگ سے ہمارے کہے ناایب تھا

غم فراق میں تکلیف سیرِ بارِ نہ دو
میں دہلے میں غمِ غدا ہستے ہے جا کا

دہانے محاسنِ بخت آئی سے ہوا انگ
میرا سر دامن بھی اہلی تر نہ ہوا تھا

ہے کہیں فنا کا دوسرا قدم نا رہا
ہم نے دشتِ انساں کو ایک نکل پا پایا

ہے ہے سرورِ اوراک سے لپٹا سکود
قلب کو اہل نظر قلبِ نا کہتے ہیں

دہانگی میں غالب کہہ ہی پڑے تو جانوں
جب دشت ہے گرہ تھا ہاں گرہ کھتا تھا

بھلی اک کوہِ مکی آنکھوں کے سامنے تو کیا؟
ہاتھ کرتے کہ میں لبِ بختِ تقریر بھی تھا

کس حد سے قدر رکھتے اس لطیف غامس کا
یہ شکل ہے اور ہائے 'ظن' درمیاں نہیں

قص میں مجھ سے دو دلا ہاں کہتے نہ اور ہم
گرمی ہے جس پہ کل نگلی وہ میرا آتش کیں ہوں

دیا آلود عالم اہل محبت کے نہ ہونے سے
بہرے ہیں جس قدر ہام و سوسہ بھلاہ خلل ہے

بہتے دلوں سے شائق نے مجھ سے پیار کی
وہ ایک نگاہ نہ بھلا کر نگہ سے کم ہے

مگر میں کیا تھا کہ ترا غم اسے ثابت کرنا
وہ نہ رکھتے تھے ہم ایک صرتِ قہر سے ہے

ایک دیا ہے دو دو دوار پہ سبز غائب
ہم جہاں میں ہیں مگر میں ہمارا آئی ہے

ایک بنگلہ پہ سوقوف ہے مگر کی رواق
نور غم ہی سہی 'نقد' شادی نہ سہی

یہ فرست ابھی نکل نہیں ہے اس میں خلا اضافہ بھی ممکن ہے مگر قارئین کو صرف ایک جھٹک دکھانا مقصود تھی۔۔۔۔۔
اور یہ اندازہ کہنا بھی۔۔۔۔۔ کہ اس کی "جنتِ درویش" کا رنگ کیا ہے؟

اشب غم روکنے سے پہلے غالب کی ایک اور گپ۔۔۔۔۔ جو شعلے کے الفاظ میں وہی مضمون ہوتی ہے جہی کر کے اجازت
چاہوں گا زیادہ رہے کہ یہ الفاظ شعلی نے مولانا آزاد کے بارے میں کہے تھے) جو موقع کی مناسبت سے 'میں نے غالب کی الہامی فکر پر
چچاں کر دی ہے۔' کتا ہے: محرم رازِ فناں رازِ ملام کردہ اند

نہہ جو غم کوئی حسد خلق طوارم کردہ اند

میں نڈھال کے تمام سریشہ رازوں کا محرم ہوں مجھے دیا میں قص اس بے ذلیل و خوار دکھا گیا کہ یہ پوشیدہ راز کہیں افشا

نہ کر ہوں۔)

واقعی غالب کو مستحیثہ کیس پھر کر بھی نہیں مگی ہے

فکست نارو اور کلام غالب

سجاد مرزا

اردو ادب میں غالب ایک ایسی متوجہ شخصیت ہے جس کے فکر و فن پر بہت کچھ لکھا جاتا ہے مگر تحفہ کالی کا احساس اب بھی باقی ہے۔ اس کے کلام میں دیگر ممتاز شعراء کی طرح بہت کم معائب کا احساس ہوتا ہے بلکہ وہ بڑے کے برابر ہے۔

فکست نارو اسلانی، قاعدی اور عروضی فن کے شعراء کے ایک صوبہ ہے۔ جس کی تلاش کا سرا سر صرت موبائی کے سر ہے۔ بظرف نظر مطالعہ کیا جائے تو کسی حد تک غالب بھی اس کا شمار دیکھائی دیتے ہیں جن کے کلام میں فکست نارو تلاش کرنے سے لگبھگ ضروری ہے کہ اس کا فکسٹ سا جائزہ لیا جائے تاکہ اس صوبہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ شاد عارفی کا ایک شعر ہے:

کس کی زلف پریش کی دکھائی تو دیکھئے
اگرچہ فی شعر میں فکست نارو ہے وہ

اس سے قطع نظر کہ یہ شعر فی شعر کے کوئی کون سے اسرار و رموز اپنے اندر سموئے ہوئے ہے؟ اس بات کی شک نہ رہی ہوئی ہے کہ انہوں نے فکست نارو پر لطیف جڑائے میں اعتماد خیال کیا ہے۔ یہ ایک متنازع موضوع ہے جس کی موافقت و مخالفت میں خود ان سخن صفت بہت ہوئے۔

فکست نارو کے بارے میں جب پہلی بار صرت موبائی نے فکستوری کی تو اس کی تردید و تائید میں اساتذہ فن کی جانب سے ایک طویل سلسلہ چل چلا۔ سیما اکبر آبادی "اڑ کھنٹی اور حور کھنٹی" اس صوبہ کو معائب فن میں شامل نہیں کرتے بلکہ ناروغ پوری "جوش ملیح آبادی" اور احسن گوری "سر حقیق آبادی" خطا کا گردی اور حسن الرحمن لاہوری اسے معائب فن میں شمار کرتے ہیں۔ پہلے گروہ کا خیال ہے چونکہ قدیم عروض اور بلاغت کی کتب میں اس صوبہ کا کسی ذکر نہیں ملتا اس لیے یہ صوبہ باہر از ہے بلکہ دوسرے گروہ نے اسے معمولی اور دگر کے بعد تحفہ پیشانی سے قبول کیا ہے۔

سر حقیق آبادی نے فکست نارو پر "آرٹسٹ ایل قلم" کے عنوان سے مطالعہ کی آراء پیش کی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ژدست میر تقی کا خیال ہے "فکست نارو جدید الخراج ہے۔ قدیم ادب نے اس کا ذکر نہیں کیا۔" (۱)

اڑ کھنٹی و قطراڑ ہیں۔ "میرے نزدیک اس کا شمار معائب فن میں غلط ہے۔ یہ فکست نارو کا ہم دور برابر ہے دم

تلا کار کا قریب ہے۔" (۲)

حسن کھنٹی کا خیال ہے "فکست نارو کے صوبہ سے بڑھیکہ وہ صوبہ قرار دیا جائے گی کسی شاعر کا کلام پاک ہو۔

فصل فکست ارکان کے باعث کسی ایسے شعر یا مصرع کو نظر انداز کر دینا میرے خیال میں کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھا جاسکتا۔" (۳)

سیما اکبر آبادی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "فکست نارو سوا: صرت موبائی کی ذاتی رائے ہے۔ علم الکلام کی کتابوں

میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ میں گھٹت باروا کی الخراج کو تسلیم نہیں کرتا اور بدعت سمجھتا ہوں۔" (۳)

قاضی عبدالودود صاحب جو تحقیق میں ایک فراوان مقام رکھتے ہیں۔ اس مسئلے پر محض لکھتے ہیں۔ "گھٹت باروا کو جو طور صریح مہلبانی کی ایجاد کر دیا اصطلاح ہے۔ محبوب قرار دیا ہے۔ عروض اس سے واقف نہیں۔ اسکا بعد بدو امیران کے نزدیک یہ قسم نہیں۔" (۵)

یہ آراء مختلف طور پر اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ چونکہ قدیم عربیوں نے گھٹت باروا کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لہذا یہ صاحب خلی میں وارد نہیں کیا جاسکتا۔

پروفیسر مہمان چشتی کا بیڑہ لائق تحسین ہے کہ انہوں نے عروض اور فنی مسائل پر ایک خوبصورت کتاب تحریر کی ہے۔ "گھٹت باروا میں عروض اور لسانی امکانات" پر انہوں نے مصلوہ مقالہ لکھا ہے۔ قاضی عبدالودود کی تحویل والا رائے پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ "قاضی عبدالودود بھی اس گروہ میں شامل ہیں جو تقلیدی اور ردائی انداز فکر رکھتا ہے۔ موصوف کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو عروض سے واقف نہیں یا اگر انہوں نے صریح کے عروض اور لسانی امکانات پر غور نہیں کیا ہے۔" (۶)

پہلی اس کے کہ گھٹت باروا کے لسانی اور عروض امکانات کا جائزہ لیا جائے ضروری ہے کہ گھٹت باروا کے بارے میں صریح مہلبانی کا نقطہ نظر چلی کیا جائے۔

"قاری نور احمدی کی شاعری میں یہ بکری مروج ہیں۔ ان میں سے بعض کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مصرعے کے دو ٹکڑے ہو جاتا کرتے ہیں۔ ایسے تمام اشعار میں اگر مصرع کے پہلے پہلے ٹکڑے نہ ہو سکیں بلکہ ایسا ہو کہ کسی لفظ یا فقرے کا ایک حصہ ایک ٹکڑے میں اور دوسرے ٹکڑے میں دوسرا حصہ لازمی طور پر آتا ہو تو یہ بات یقیناً محبوب بھی جانتے گی اور شاعر کی کزودی پر دلالت کرے گی۔" گھٹت باروا اسی عیب کا بیم ہے۔" (۷)

پروفیسر مہمان چشتی اس تشریح کا نتیجہ اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

۱۔ "بعض بکری جو سادہ نگاروں میں حتم ہو جاتی ہیں نئی دونوں ٹکڑوں کے درمیان وقف ہوتا ہے۔ یہ قطع ایک عروض حقیقت ہے۔ مولانا صریح نے عروض کی تاریخ میں پہلی بار بکریوں کے دو حصوں میں حتم ہونے اور عروض وقف کو شعری طور پر دریافت کیا ہے۔"

۲۔ "دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر مصرع کے پہلے پہلے ٹکڑے نہ ہو سکیں بلکہ ایسا ہو کہ کسی لفظ یا فقرے کا ایک حصہ ایک ٹکڑے میں اور دوسرا حصہ دوسرے ٹکڑے میں لازمی طور پر آتا ہو تو یہ بات محبوب ہے۔ یعنی بکری کے ایک عروض ٹکڑے پر الفاظ یا فقر کا حصہ مکمل ہونا چاہیے اور دوسرے عروض حصہ پر دوسرا لسانی ٹکڑا یا فقر مکمل ہونا چاہیے یہ اصول ایک لسانی اور قواعدی حقیقت ہے۔ جس کا روشنی فصاحت کے اصولوں سے ہوتا ہے۔" (۸)

ابراہیم گزودی گھٹت باروا پر جن الفاظ میں اٹھارہ طویل کرتے ہیں۔ "شعرو بکری ایسی ہیں جو پارے پارے دو ٹکڑوں سے بنی ہیں۔ ایسی حالت میں ایک مصرعے کے پارے پارے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً متعلق متعلق / متعلق متعلق اسی میں دوسرے متعلق پر مصرعے کا نصف حصہ ختم ہو گیا ہے اور چوتھے پر دوسرا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ شاعر کو مصرعے

موازن کرتے وقت چاہیے کہ ایک پوری بات پہلے صبر پر ہی ختم کرے اور اسی بات کا دوسرا حصہ دوسرے نصف پر۔" (۹)
 ابراہیم گوردی کی اس رائے سے ہماری اس بات کو توثیق ملتی ہے کہ کثرت باروا کے لسانی اور قواعدی اور عروضی
 پہلوؤں کی بامقارہ ضروری ہے، پہلے مصرع کے پہلے حصے میں لسانی اور قواعدی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے حصہ میں
 عروضی حصہ کی شکستہ ہی ملتی ہے۔ ہر شے میں اس کی مدد و چاہیے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

"بعض بحرین ایسی ہیں کہ ان میں ہر مصرع دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ تو ہم 'موسیقی یا مصرع کی روانی کا کشنا ہے
 ہے کہ ہر نصف مضمون کے لحاظ سے مکمل یا قریب قریب مکمل ہو۔" (۱۰)

اردکان کی تعداد کے نقطہ نظر سے بحرین کی تین قسمیں ہمیں اردو میں درج ملتی ہیں۔ جنہیں مربع، مسدس اور مثمن کہا جاتا
 ہے۔ مربع میں دو مسدس میں تین اور مثمن میں چار اردکان ہوتے ہیں۔ مثمن کی نسبت مربع اور مسدس میں شکست باروا نہیں
 ہو سکتی۔ اس کا اتفاق ان بحرین پر ہوتا ہے جو دو سے تقسیم ہو جاتی ہیں۔

پروفیسر حنون چٹھی اس بارے میں اپنی کتاب "عروضی اور فنی مسائل" میں بحر و اعزاز میں ذکر کرتے ہیں۔ ان کا خیال
 ہے "مثمن بحرین میں مثمن سالم، مثمن مرکب اور مثمن مواضع" بحرین دو سے تقسیم ہو جاتی ہیں۔ مواضع بحرین جن میں مسدس
 مواضع اور مثمن مواضع بحرین بھی دو سے تقسیم ہو جاتی ہیں ان بحرین کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بحرین دو برابر کے بحرین
 میں تقسیم ہو جاتی ہیں اور دونوں بحرین کے درمیان ایک لغوی وقف ہوتا ہے۔ ایسی بحرین کو دو نیم کہا جاسکتا ہے۔ دو نیم بحرین میں
 آواز کے قائلے کے نقطہ نظر سے وقف دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ جس کو خلیف وقف اور طویل وقف کہا جاسکتا ہے۔ رواں وہاں بحرین میں
 خلیف وقف ہوتا ہے۔ داخلی طویل اور دو نیم بحرین میں طویل وقف ہوتا ہے۔ خلیف وقف عام طور پر مثمن سالم بحرین میں اور طویل
 وقف مثمن مواضع مثمن مواضع اور مسدس مواضع میں ہوتا ہے۔ خلیف وقف کے مقام پر شکست باروا سے ملتی اور طویل وقف کے
 مقام پر شکست باروا سے ملتی واقع ہوتا ہے۔ یہ ایک دوہری حقیقت ہے بحر اور اوزان کی سطح پر وقف کا اور ایک تو ہوتا ہے لیکن شکست
 باروا کی شکست اوزان پر لسانی تقابلاً کرنے سے ہوتی ہے۔ شکست باروا کا داخلی تعلق عروض سے اور خارجی رشتہ زبان اور قواعد
 سے ہے۔ مقرر کا جاسکتا ہے کہ دو نیم بحرین میں وقف کے مقام پر لسانی اور قواعدی نقطہ نظر سے بھی دو ٹوکے اس طرح ہیں کہ وہ
 زبان اور قواعد کے اصولوں پر بھی پورے اترتے ہیں۔ اس حقیقت کو مقرر اور اوزان کے شکست باروا وارہ ہوتا ہے۔" (۱۱)

مولانا اقبال اگرچہ طویل ہے مگر اس سے ان کے نقطہ نظر کی بحر و وضاحت ہو جاتی ہے۔

کلام غالب کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں بھی عروضی عناصر اور شکست باروا کے وحدے نے نقش دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی
 وجہ غالب کی ہے کہ ان کے دور میں شکست باروا جیسے عیب پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ غالب کے کلام میں غلی اور فنی دونوں طرح
 کے کثرت باروا کا عمل دکھائی دیتا ہے۔

(الف) شکست باروا سے ملتی:

(۱) بحر مواضع مثمن طویل و ملاحی / مفعول فاعلی

ہے ایک بحر جس میں دونوں جہدے ہنسے ہیں

وہ دونوں مجھے کہ اپنا / دل سے بھر چکا تھا

صرعِ ثانی میں اپنا اور دل کے درمیان وقفہ ہے مگر اپنا صرع کے پہلے ٹکڑے میں 'اور دل دوسرے ٹکڑے میں ٹیچہ، ٹیچہ، دوسرے ٹکڑے میں جبکہ "اپنا دل" ایک ہی جگہ یا ایک ہی ٹکڑے میں ہونا چاہیے تھا۔

حاصل سے ہاتھ دھو جینے سے آرزو خرابی

دل بڑھ کر یہ میں ہے اولیٰ ہوئی اسالی

صرعِ اولیٰ کے پہلے ٹکڑے میں "بے" اور "طہ" الگ الگ ہو گئے ہیں۔ جبکہ "جہ" کو ایک ہی ٹکڑے میں آنا چاہیے تھا۔ یہ صرع کے صدر اول یا دوم میں جہاں کہیں بھی استعمال کیا جاتا تھا ہی آنا چاہیے تھا۔

۲۔ بحرِ بحرثِ مشن: مغالطہ لغات / مغالطہ لفظی

کہ ہے شوق کو دل میں بھی چلی جا کا

مگر میں تو ہوا اضطرابِ دریا کا

صرعِ ثانی میں پہلے ٹکڑے میں "اض" اور دوسرے ٹکڑے میں "طراب" جدا جدا ہیں۔ جبکہ "اضطراب" کو کسی ایک ٹکڑے میں ہونا چاہیے تھا۔

۳۔ بحرِ بحرثِ مشن: مغالطہ لغات / مغالطہ لفظی

جب نکلا ہے جہاد کے چلے ہیں ہم آگے

کہ اپنے ساتھ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

صرعِ اولیٰ کے پہلے ٹکڑے میں "جا" اور دوسرے ٹکڑے میں "و" الگ الگ ہو گئے ہیں۔ "جہاد" کو پہلے یا دوسرے ٹکڑے میں سالم صورت میں آنا چاہیے تھا۔

غمِ دانا نے بھڑائی نکلا حلق کی منق

وگرہ ہم بھی اٹھاتے / تھے لذتِ الم آگے

صرعِ ثانی میں "اٹھاتے تھے" دو الگ ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے:

یہ عمرِ عمرِ پریشانیاں الٹاتی ہیں ہم نے

تمہارے آنچلے اے طرہ ہائے غم یہ غم آگے

صرعِ اولیٰ میں "پریشانیاں" اور صرعِ ثانی میں "طرہ" دو حصوں میں ختم ہو گیا ہے:

۳۔ بحرِ دلِ مشن: مغالطہ لغات / مغالطہ لفظی / مغالطہ

حالِ دلِ ضعیفِ مظلوم لیکن اس قدر یحییٰ

ہم نے بارہا دھڑلے تم نے بارہا ہڈا

صرعِ اولیٰ کے پہلے ٹکڑے میں "مظلوم" کو مغالطہ کی جگہ مغالطہ بنایا گیا ہے:

ہم سے رنگ ہے تہیٰ کس طرح اٹھلا جائے

دراغِ پشتِ دستِ بحرِ شطِ کس بدعاں ہے

دوسرے مصرعے میں "کلو" کے کھولے ہوئے ہیں۔

دیکھا جائے تو کام غالب میں شکست ہاروائے ہل بہت کم پڑا جاتا ہے۔ بعض بحرین بڑی ردائیں دوں ہیں اور ان کے ہیں دو نیم بحرین کا استعمال کم کم دکھائی دیتا ہے مگر اس میں بھی بڑی فطارت چاہیے کہ جتنی اور کاوشوں کو دخل ہے۔
ب۔ شکست ہاروائے غنی؟

کام غالب میں جہاں ہل کی دانشمندی ملتی ہے وہاں شکست ہاروائے غنی کا عمل بھی ملتا ہے۔ مگر ہل کی طرح اس کی قدر بھی بہت کم ہے۔ چونکہ یہ سب غیر محسوس ہے۔ اس لیے سماعتاً قدیم نے اس پر عمل نہیں کیا۔
۱۔ بحر بحرین : مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے / مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے

مٹا مٹیلے کر ہے زارہ اس قدر جس بارگ دھواں کا
وہ اک گدہ ہے ہم بے خودوں کے طاق لیاں کا
مصرعے اول میں "اس قدر" اکھا آنا چاہیے تاہم دوسرے مصرعے میں "بے" اور "خودوں" کھولے کھولے ہوئے ہیں۔
نہ ہر اک ایک باریاں، رنگی سے لہو کی کم میرا
حباب ۳۴۰ رہا ہے عقل قدم میرا
پہلے مصرعے میں "رنگی" اور دوسرے میں "رہا" کا عالم دیکھائی ہے۔

ج۔ ہاروے کا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا:

بحر بحرین : مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے / مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے

بہت جتنی جہاں سے نکلیں اب یہ بے دانی ہے
کہ سوچ ہوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
مصرعے ثانی میں ہاروہ "ناک میں دم آتا" دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔
و۔ صلیح کا کھولوں میں بٹ جاتا:

نہ پھر وہی حضرت عیسیٰ نے ہاں بھی غلام آرمی

سلیدی رہا، بیخوب کی بھرتی ہے زخماں پر

مصرعے ثانی میں "بیخوب" دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔

و۔ اجڑائے غل کا دو حصوں میں ختم ہو جاتا:

مجھے اب دیکھ کر اور شوق آلود داد آتا

کہ فرقت میں تری آفتل برستی تھی گھٹاں پر

"آفتل برستی" اکھا آنا چاہیے۔

غلام دیکھنے کا غلام کا استعمال

بحر بحرین : مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے / مٹا مٹیلے مٹا مٹیلے

دل ہی تو ہے نہ سنگ وہ فشت ورو سے بھر نہ آئے کیوں
 دہنیں گے ہم ہزار ہا کوئی ہمیں نہ لائے کیوں؟
 مصرع اول میں "ت" اور مصرع ثانی میں "ر" ڈرانے ہیں جس سے مخاطب کی بجائے مخاطب ہو گیا ہے۔
 میں نے کہا کہ ہم باز غیر سے جیسے تھی
 من کے حتم عریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ "ہوں"
 مصرع اولیٰ میں "ہوں" کی "و" ڈرانے ہے۔

خود کہ چار اشعار میں حشرین میں نسب و ازالہ کی صورت دکھائی دیتی ہے جو کہ مسلہ عروضی اصول کی نفی کرتی ہے۔
 ایسے اشعار کو لوزان سے خارج قرار دیا جاسکتا ہے۔
 عائدہ از میں کام غالب میں سطر حروف طے 'مرکب ہادی' 'مرکب تو یعنی' 'مرکب صلیٰ اور مرکب اضافی کے استعمال میں
 توڑ پھوڑ کا عمل بھی جاری و ساری ہے۔

غالب کی شاعری میں شکست نادر کے اس تجربے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں نہ صرف عروض پر گہری و محسوس تھی بلکہ
 لسانی اور قواعدی مسلہ اصولوں سے بھی کامل طور پر آگاہی تھی۔ جن مقامات پر شکست نادر کا عمل دکھائی دیتا ہے انہیں استثنائی
 صورت میں قرار دیا جاسکتا ہے بقول پردیسر عنوان چٹنی 'اگرچہ غالب کے کام میں شکست نادر' زحاف کے علاوہ استعمال اور حروف طے
 کے سطر کا ٹکڑا بھی ہیں لیکن ایسے اشعار کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ اگر شکست نادر اپنے غلی کو نظر انداز کر دیا جائے مجموعہ اشعار
 کی تعداد اٹھویں پر مکی جاسکتی ہے غالب نے شکست نادر کے غلی اور لہذا ارکان یا لہذا زحافات استعمال کر کے عروضی مسلمات کی خلاف
 ورزی کی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کا عروضی وجدان تو ناقص تھا لیکن انہیں عروض پر پوری طرح قدرت نہیں تھی اور
 وہ عروض کے اسرار و رموز سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔" (۱۳)

ہم پردیسر عنوان چٹنی کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہیں یہ کہنا کہ غالب عروض پر محسوس نہ دیکھتے تھے یا وہ عروض کے
 اسرار و رموز سے پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ ایک طرف سے یہ زیادہ اس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ غالب کو نہ
 صرف عروض پر عمل و محسوس تھی بلکہ وہ اس کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ تھے۔ (جیسا کہ اس مضمون کے آغاز میں یہ بات ہوئی
 ہے کہ) غالب کے دور میں شکست نادر ابھی کوئی اصطلاح روا نہ تھی۔ غالب نے جہاں اس کی پاسداری نہیں کی تو اس کا یہ مطلب
 نہیں کہ وہ علم عروض اور اس کی بات کیوں سے آشنا نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں نہ صرف نئے عروضی تجربے کئے ہیں بلکہ
 تخلیق تجربوں کو بھی دہرایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ہڈے کی شدت اور فطری گہرائی کا یکساں اظہار بھی ملتا ہے۔
 غالب کے بے شمار ہاموہ شاکر دہلی کی موجودگی میں یہ کہنا کہ وہ عروض سے پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ ان کے ساتھ دانشمندی کے
 حروف ہے :

حوالہ جات

"شان ہند" جون ۷۲ء ص ۳۲۔

ایضاً

ایضاً

ایضاً ص ۲۳

ایضاً

"اردو ادب" علی گڑھ اکتوبر ۱۹۵۱ء حسرت بھیر ص ۳۹

"نکاتِ سخن" ص ۱۰۷

عروضی اور فنی مسائل ص ۱۸

بھیر اصلاحيں (حصہ اول) اشاعت اول ص ۵۳، ۵۵

آئینہ اصلاح، مرکز تصنیف و تالیف گودر ص ۳۸

عروضی اور فنی مسائل ص ۱۱۳

ایضاً ص ۹۶

کتابیات

ابر احسن کنوری، بھیری اصلاحيں

برش سلیپانی، آئینہ اصلاح

حسرت موہانی، نکاتِ سخن

عنوان چشتی، پردیس، عروضی اور فنی مسائل

قالب، مرتبہ عرشی، دج ان قالب

اردو ادب علی گڑھ اکتوبر ۱۹۵۱ء

ماہنامہ شان ہند، جون ۷۲ء

اعلیٰ درج میں مطالعہ غالب

ڈاکٹر سید معین الرحمن

غالب پر پاکستان میں بی ایچ ڈی کی سطح کا پہلا تحقیقی کام "قیام پاکستان کے چوبیس برس بعد" ۱۹۶۹ء میں اہتمام پایا۔ اب اس پر چوبیس برس مزید گزر چکے۔ اس عرصے میں جو نئے برسوں میں مطالعہ غالب کی روایت نے جڑ بکھاری ہے اور یہ کسی قدر مضبوط اور توانا ہوئی ہے۔

یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ پاکستان میں غالب پر اپنی انج ڈوی کی پہلی حد نصیحت حاصل کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔۔۔۔۔۔

مقالے کا موضوع تھا "تالیفات کا تحقیقی اور تفسیری مطالعہ"۔۔۔۔۔۔ میں نے یہ تحقیقی کام ڈاکٹر نظام مصطفیٰ خان صاحب کی نگرانی میں چر دیا کیا۔ جیسکی برس پہلے ۱۹۷۳ء میں متحدہ پنجاب یونیورسٹی سے لکھے اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ اس خوشگوار امتیاز کی طرف اشارہ بھی تلفظ سے نکلا، نہ تو کار کا غالب کے ایک سو پچاسویں جشن ولادت (۱۹۷۵ء) کے موقع پر یہ مقالہ اپنی انج ڈوی کے لیے منظور ہوا اور اشعار و تحسیم کے بعد "غالب کا علمی سرمایہ" کے نام سے غالب کی ایک سو بیس ویں برسی کی مناسبت سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ کتاب کا ایڈیٹر ایم اے جیلان غالب کے دو صد سالہ جشن ولادت پر ۱۹۹۷ء میں آیا۔

بچنے چھٹیں برس کے عرصے میں غالب پہ لڑی ایچ ڈی ایم "ایم فل اور ایم۔ اے کی تلاویں چھیل کے سلسلے میں حقائق کھجے گئے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں لڑی ایچ ڈی ایم کا ایک مقالہ "شاد میں دج ان غالب" (اردو شہود کا لفظی مطالعہ) پنجاب یونیورسٹی میں انٹرنیٹ وید قریبی کی ذمہ گرد کیا گیا۔ مقالہ کار میں محمد ایوب شاد۔ یہ مقالہ بھی کتابی صورت میں چھپ گیا ہے۔

۱۹۵۷ء میں ایم نعل (اردو) کے لیے نائب ہے جسٹس ایک جھڑپ کام کی منظوری قبل میں آئی موضوع ہے : "میں ایم
نائب شایع مولا تا مرزا ملک رام اور ڈاکٹر سید حسین ارضی۔" ————— مثال کار پرو فیض الرحمن وجہ کا کہنا ہے کہ وہ کام مکمل کر چکے
ہیں اور تھیکس ڈگری کے لیے پیش کیا جا چکا ہے۔

بچنے چھوٹے ہیں جس میں پاکستان کی حدود پر پورے رشتوں اور بعض اہل حق کالجوں میں جہاں ایم۔ اے (ادب) کی تدریس اور تحقیق کا انتظام ہے۔ غالب یا غالب شاہوں پر ایم۔ اے کی سطح کے مقالات (تحقیق) بھی لکھے گئے ہیں۔ اس تحقیق کام کی کچھ دستیاب تصاویر ہیں:

شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج، لاہور :

- ۱۔ کتابیات مختلفہ غالب (مجلدات ۳۵) 'تخصیص' ۱۹۶۳ء، 'مگرانی' ڈاکٹر سید عطاء اللہ و ذیل الحسن عابدی
- ۲۔ غالب کی انجیری (مجلدات ۱۶۳) 'زیر ننگ' ۱۹۷۰ء، 'مگرانی' ڈاکٹر عبادت بریلوی
- ۳۔ اردو دہائی کے غالب نمبر۔۔۔۔۔ اشاعت (ص ۳۱۸) 'عظیم اختر' ۱۹۷۵ء، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
- ۴۔ کام غالب میں مگرانی عناصر (ص ۱۸) 'صابرہ خان' ۱۹۷۳ء، سہارن پور رضوی
- ۵۔ فتح محمد اکرام۔ (غالب شناس) 'ص ۱۲' 'عظیم کوثر' ۱۹۸۵ء، 'فرمان حق نوری'

اس سب کو اپنے حقیقی جانوروں کے ساتھ کا اہتمام کرنے کے لیے مشیخہ اور مشیخہ علیہ جان بھرا آیا۔

”آخری سوار“ ایچر حنیف کو ابتدائی تربیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع بھرا آیا اور انہوں نے مزید احمد پر حقیقی کام کر کے مہذب و تمدنی سے پی افغانی کی سند حاصل کی۔ وہ آج کل فیڈرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد میں پڑھا رہے ہیں اور اپنے حقیقی کام کی علامت و اشاعت کی گھر میں ہیں یہ ایک غریب آنکھ صورت حال ہے۔ ایسے حقیقی کام کا بچنا خواب اور اس کا بچنا رہنا کارنامہ صواب ہے۔

مشیدہ اور ”گورنمنٹ کالج لاہور میں بیچھے دیں ۱۳۵۱ میں (۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک) غالب سے حقیقی ایم۔ اے (اردو) کے دو نمبریں لکھے گئے ان کے استقبالیاتی کوائف یہ ہیں:

- ۱۔ رحمان نقاش ”میں ذخیرہ کالیپت“ (ص ۳۸۸) مقالہ نگار: ذابیل انجم ۱۹۸۷ء
- ۲۔ مالک رام بلور غالب شناس (ص ۱۹۰) ”ریصد نصرت“ ۱۹۷۷ء
- ۳۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کیمٹری بلور غالب شناس (ص ۲۰۲) ”نیر اقبال“ ۱۹۸۸ء
- ۴۔ ڈاکٹر شریکٹ سبزواری بلور غالب شناس (ص ۱۱۵) ”شہزاد اختر“ ۱۹۸۸ء
- ۵۔ آل احمد سرور بلور غالب اور اقبال شناس (ص ۳۱۱) ”الحق باز نور علی“ ۱۹۸۸ء
- ۶۔ فوئیکل اشاریہ ”ملفوظ غالب“ (مولانا نظام رسول صر) جلد اول (ص ۱۹۰) ”اعا اعلیٰ فہیم“ ۱۹۸۹ء
- ۷۔ فوئیکل اشاریہ ”ملفوظ غالب“ (مولانا نظام رسول صر) جلد دوم (ص ۱۶۵) ”ساجدہ پروین“ ۱۹۸۸ء
- ۸۔ اردو کام غالب کا بچھری اشاریہ (ص ۳۵۳) ”حنا سرور“ ۱۹۹۳ء
- ۹۔ ”غالب نامہ“ (دکری دہلی کا تجزیاتی مطالعہ (ص ۳۵۳) ”ناصر الہادی“ ۱۹۹۱ء
- ۱۰۔ عبدالرحمن چغتائی بلور غالب شناس (ص ۱۹۷) ”حنا سرور“ ۱۹۹۳ء
- ۱۱۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد بلور غالب شناس (ص ۱۸۷) ”شہزاد اختر“ ۱۹۹۳ء
- ۱۲۔ مالک رام کی طبعی اور ادبی خدمات (ص ۱۶۳) ”الطہر حسین“ ۱۹۹۳ء
- ۱۳۔ ڈاکٹر وحید قریشی بلور غالب شناس (ص ۱۱۹) ”حنا انیس“ ۱۹۹۵ء
- ۱۴۔ ڈاکٹر سید عبداللہ بلور غالب شناس (ص ۱۹۷) ”شکیلہ شاہ جہاں“ ۱۹۹۵ء
- ۱۵۔ پروفسر سید وقار حسین بلور غالب شناس (ص ۱۳۱) ”روشنیہ ریاض“ ۱۹۹۶ء
- ۱۶۔ ڈاکٹر فرہان رفیع پوری بلور غالب شناس (ص ۲۶۳) ”سید الفتح احمد“ ۱۹۹۷ء
- ۱۷۔ کالی داس گپتا رضا بلور غالب شناس (ص ۲۶۳) ”مہلت رباب“ 1996ء
- ۱۸۔ سادق بلور شاعر اور معبود غالب ”نور طاہرہ“ ۱۹۸۷ء

مستندہ دلاسب مقالات کی گزراہی کی خدمت راقم الحروف (ڈاکٹر سید مصحح الرحمن) کے سپرد رہی۔ آخری مقالے پر حقیقی کام زور جمیل ہے۔ ”تمسک کا مضمون“ غالب پر نور دینی سے منظور ہو چکا امید ہے کہ چند ماہ تک مقالہ امتحان کے لیے پیش کیا جائے گا۔

حوالہ جات

- نانیلا الہم 'نقوش' میں ذخیرہ تالیفات 'اضیاء ناشرین' لاہور ۱۹۸۹ء' ص ۳۰۲
 ادا اظہار 'اشاریہ خطوط غالب' (مر) '۱' مطبوعہ شبیر اردو گورنمنٹ کالج لاہور '۱۹۹۳ء' ص ۱۳۳
 ساجدہ پروین 'اشاریہ خطوط غالب' (مر) '۲' ایضاً '۱۹۹۳ء' ص ۱۳۳
 ماسر اعجاز 'غالب اور تجزیاتی مطالعہ ایضاً' '۱۹۹۳ء' ص ۳۲۲
 اشاریہ غالب 'سید صمیم الرحمن' 'انوار' یادگار غالب پنجاب یونیورسٹی لاہور '۱۹۹۶ء' ص ۳۱۹

غزل

لغش، فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
 کافذی ہے بھرمیں، ہر جگر تصویر کا

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پہچے
 صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا

جذیبہ ہے اختیار شوق دیکھا چاہیے
 سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگنی، دام شنیدن جس قدر چاہے بجھائے
 دغا عطا ہے اپنے عالم تقریر کا

بس کہ ہوں غالب! اسیری میں بھی آتش زیر پا
 موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

مکمل غالب

دل نواز دل

میرا یہ مضمون ایک کیپسول (Capsule) تھل وٹر لفاظ یا ڈوزا کی شکل میں ہے اور میں اسے اس اندیشہ پاسے دور و دور از سے تم بند کر رہا ہوں کہ یہ کہیں ان نازک مزاج نگار یادوں کی طبیعت پر گراں نہ گذرے جو مرض کی حالت میں صرف طویل (MixTure) یعنی (Liquid Medical Preparation) پینے کے جلدی ہو چکے ہیں۔ مگر جو نگہ میری ہیئت صاف ہے اور مجھے ان نگاروں کی صحت اور صرف صحت سے قرض ہے اس لیے میں نسخے کے طور پر اس مضمون کو تم پر ہوا شکوے میں اپنے صمیرے کوئی بار یا پوچھ نہیں ٹھوس کر رہا۔

میری حد نظر میں جو سر ستون اردو شاعری کو اب تک سوارے ہوئے ہیں وہ باختریب ہیں۔ میر تقی میرؒ "اسد اللہ خان غالب اور علامہ محمد اقبالؒ۔ اس طرح میرے شعور میں اردو شاعری کی علامت ایک شخصیت کی صورت میں ہے۔ جس میں میرا جذبہ سوال کی ملامت کا جواب کی سکونت اختیار کئے ہوئے ہے۔

میر تقی میر وہم کا شاعر ہے۔ یعنی زندگی کی عمر میں اور باغ میں کے وہم میں جہاں ایک ایسا خطی گہر توپو الی میں اپنی عروج کی ایک ہی جھلک سے چاند کو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

یہ وہم لفظ کارماں تک کھپا
کہ کار جہوں آماں تک کھپا

اسی جہوں کی حالت کی وجہ سے پہلے سوچے ساموں یا خان خانان آرزو کے گھر سے طبیعت بے غری سے نکلا گیا اور دور دور

ہوا۔

نظر رات کو چاند پر گر پڑے
تو گویا کہ غلی سی دل پر پڑے

یہ ایک انگ قصہ اور بات ہے کہ میر کی یہ دور بددیہ آخری مرتبہ اس کا چھپا کرتی رہی "اس کی شاعری کو آگے آنے والے زمانوں کے لیے مشعل راہ بناتے ہوئے اردو شاعری کو سنہ کا درجہ دے گئی۔

سادے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستور ہے میرا قریبا ہوا

میر تقی میر کی شاعری کی دوسری خصوصیت اس کی زندگی کی طلب ہے۔ یہ طلب بدن کی طلب ہے روح کی مانگ نہیں۔ اس لیے وہ زندگی کے صحراؤں میں کسی ایک گلستان کے لیے زندگی بھر بھٹکا رہا۔ شاہجہان آباد سے اکبر آباد، اکبر آباد سے دلی اور دلی سے کھنٹو گیا، کھنٹو بدن کی طلب اور اپنی باقدردی کا رد کار تاہوا آخر کار "فتح اور نایک کے شہر کھنٹو میں عسکری کی موت مر گیا۔ مگر مرے مرتے اردو شاعری کو فی زندگی دے گیا۔ میر کی شاعری کسی نغمے کی نہیں صرف اور صرف نغمہ کی شاعری ہے۔

ہو گیا کسی دیوار کے سلیب کے تھے میر
 کیا کام جیت سے اس آرام طلب کو
 اور ہر میر کی طلب کا یہ رنگ دیکھئے۔

بھائی ہے مجھے ایک طلب ہوس میں یہ تن
 نکت سے ابلہ پا کر اسے ہات نہ آئی

چونکہ یہ مضمون غالب پر ہے اس لیے ترتیب میں اردو اسرار و بدل کرتے ہوئے پہلے علامہ اقبال کا ذکر کروں پھر غالب کی
 فکر کروں مگر کہ اقبال ذمہ فکر، شب و غمراور افاقہ نظریہ کا شاعر ہے جبکہ غالب میری لونی اور ناچ ورائے میں صرف فکر و فکر کا
 شاعر ہے۔

اقبال کی شاعری سراسر یقین کی شاعری ہے اور اس یقین کو حاصل کرنے کے لیے انہیں علم و عقل کے حصول کی خاطر بڑی
 محنت و تدبیر لیں 'کاؤں اور غموں اور جذب و سرور کے وسیع و عریض عمارتوں اور نگشتوں میں سے گزرتا پڑا۔ اقبال بھی
 کچھ دن صبح کی دلیلوں میں سرگرداں رہنے کے بعد عقل کے بحر میں کھنڈن و غور کے لیے اپنے غور و فکر اور
 آپ دوسری مثال دے دیں کہ آپ دینی دنیا تک قائم و دائم رہے گی۔ علامہ اقبال کی شاعری کسی نکتے سے نہ ہٹانے والے شاعر
 کی شاعری نہیں یہ تو ایک دانستہ راز شاعر اور ادب کی شاعری ہے جسے دیکھنا چاہیے اور جس کی دیکھی ہوئی ہے۔ وہ ایسے
 ہی تو نہیں کہتے۔

روح بھی تو؟ علم بھی تو؟ حیرا دہرہ انکسار
 گہرہ آئینہ رنگ، تھرے مجھ میں حجاب

علامہ اقبال کے شعری انداز کا کچھ حیران کن کی ذمہ تھا اور اس کا بڑی مرکز ہے۔ جس کے گرد کل کائنات غور کے طور
 پر گھوم رہی ہے اور اس غور اس کائنات کو مرکز کرنا وہ انسان کے لیے ایک امتحان یا چیلنج سمجھتے ہیں۔ کہ حیات و ممات کے مرکز یعنی
 خدا اور غور یعنی کائنات کے درمیان فاصلہ ایک انسان ہی ہے جو دونوں کے بیچ رہا بھی ہے اور رابطہ بھی "جو سلسلہ بھی ہے اور ذخیرہ
 بھی" جو سبک بھی ہے اور نکتہ بھی۔

علامہ اقبال کی شاعری تمام زمانوں کے لیے ہے کہ یہ ایک ایسے نظریہ کی ترجمانی کرتی ہے جس کا ہر آنے والا زمانہ ترجمان
 ہو گا۔ یہ روح جسم کی جلی کوئی ہے جس سے کل کائنات گونج رہی ہے۔ یہ انہیات رہنے والی شاعری ہے۔ اقبال کے لب پر جب یہ
 دعا آتی ہے تو دل تڑپ اٹھتے ہیں اور آنکھیں کھل دیتے ہیں۔

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تھا دے
 جو قلب کو گما دے جو روح کو تھما دے

زمانے کے لحاظ سے غالب کا نام میر اور اقبال کے درمیان پڑا ہے۔ اسے اب اتفاقات زمانہ میں سے ایک اتفاق کہہ لیں یا
 حادثات دنیا میں سے ایک حادثہ جان لیجئے مگر میں قدرت کی دی ہوئی اس ترتیب کو تصحیح ترتیب کوں گا۔ اردو شاعری کی تین اداؤں
 کی تصحیح یعنی تصحیح زمانہ یا سب سے زمانہ۔

غالب گمان کا شاعر ہے اور بڑوں کا قول گو ہے اسی لیے تو کہتا ہے۔

تو اور میرا کس ظلم کا دل

میں اور اندیشہ پاسے دور دراز

دیکھتے فیض نے کس طرح غالب سے کسب فیض کیا ہے اور اپنی شاعری کے کاروبار کو چمکایا ہے۔

اور بھی ظلم ہیں زمانے میں محبت کے سرا

مجھ سے پہلے ہی محبت عمرے محبوب نہ مانگ!

غالب کے سلسلے میں یہاں دیکھتے اور جاننے کی بات یہ ہے کہ اندیشہ پاسے دور دراز کے باوجود اس کی نظر ظلم کا دل سے ہٹتی

نہیں؟ اقبال کا اسے ”چلو یہ نامہ“ میں ذرا ہیچ کہتا اور تیسرے انسان پر اس سے اسی کے اس شعر کے معنی پر پھٹتا: ”چلو اسی ٹیڑھے۔“

قہری کف خاموشی و لہلہ قفس رنگ

اسے بار، کھان بکر سونٹ کیا ہے!

اور بھرے شعریۃ

اصل مشورہ و شاہد و مشورہ ایک ہے

میران ہوں بھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

غالب کے اندیشہ اور گمان کی کھلی دلیل ہے جس نے غالب کو غرور و نفرت کے آگے کی شاعری کی صورت نہ دکھائی۔ وہ

شعری دنیا اس کی نظروں سے اوچل ہی رہی۔ اس کا دل ذہنی قہروں اور جذبات سے ضرور دھڑکتا رہا، مگر آفاقی جذبے اور فکر تک

اس کی رسائی حاصل نہ ہوئے دی۔ کہ عقل اور فکر، ظلم اور آگاہی نور راہ تو ہیں، نور منزل نہیں۔ اس کے لیے جس یقین کی

ضرورت تھی وہ غالب میں مفقود تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غالب میں یقین کی کمی تھی۔ خدا نے غالب کو یقین کی جس

دولت سے نوازا تھا وہ کسی طرح سے کم نہ تھی۔ میرے مضمون کا عنوان میرے اس مفروضے کا کھلا ثبوت ہے۔ بلکہ وہ یقین غالب کو

اپنی ذات پر تھا وہ انسان ہونے کی مزاحج ہے اور اس مزاحج نے غالب کے بعد آنے والے بہت سے شاعروں کو عروج بخشا۔ بلکہ

ایک زمانہ اب تک غالب کے اس شعری، مضمون اور فکری یقین سے بالیقین فیض یاب ہو رہا ہے۔ مگر غالب کا یہ یقین ایمان نہیں

ظاہر ہے۔ غالب کا یقین اپنی ذات ہے جس کے ہونے سے وہ خدا کی ذات کے نہ ہونے کی جتنی کو فکری اور شعری سارے دنیا

رہتا ہے۔ وہ کبھی اپنی سوانح کی خاطر خدا کی ذات کو مان لیتا ہے اور کبھی اس کی ذات سے اپنی شاعرانہ طاقت، فصاحت اور سلاست

سے فخر کرتا ہے اور بھرپور غالب جیسا قادر الکلام، ”ناتھ روزگار بے مثال اور بے بدل شاعر ایسی شعری اور شعری سوانحوں

شعروں میں ڈھالے تو کون ایسا سو من ہو گا اور کافر نہ ہو جائے، کون ایسا کافر ہو گا جو سو من نہ بن جائے گا!! غالب کا اپنے یہ یقین یا

انسان کی عقل پر یقین اسے حالت جنگ میں رکھے رہا۔ جبکہ خدا کی ذات پر عمل یقین بھی در حقیقت اپنی ہی ذات پر یقین ہے (اور)

گھٹنے کی بات ہے) اور غالب جیسا منکر شاعر نہ کبھی سلا اور اگر کہتا تھا تو بھر جان بوجہ کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سوچتے اور گھٹنے کی

بات ہے۔ کیونکہ عمل یقین یا یقین کامل تو ایمان ہے اور ایمان ہی سے انسان حالت امن میں رہتا ہے حتیٰ اسے امن نصیب ہو

ہے۔ کیا غالب کو مرتے دم تک امن نصیب ہوا یا وہ اپنے خمیر اور فکر کے ساتھ حالت جنگ میں مرا!

غالب ابھی تک زندہ ہے۔ لیکن دو سال گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ کیا وہ عہد ہے! اگر میں تو وہ کب تک اور زندہ رہے گا؟ میری دانستہ میں اقبال کو پھر ذکر 'قلم اردو شاعری' پر صبح میرے سواے غالب کے اور کوئی شاعر جلدی نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کبھی آنے والے وقتوں میں ایسا ہونے کی امید ہے۔ میری گزارشات دانستہ میں غالب مرے گا ضرور مگر بڑی مشکل اور بڑی دیر سے اور یہ کہ اس کی شعری زندگی کو کب موت آئے گی! اس سوال کا جواب اقبال کی زبانی سنئے وہ غالب کی طبعی موت پر کہتے ہیں:

زندگی مضر ہے میری شرفی تحریر میں
تنب گودائی سے جنہیں ہے لب تصویر میں

یہاں ایک ایسی فردی بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے غالب کی فکر نے بالواسطہ یا بالواسطہ اثر قبول کیا کہ اس سے غالب کو سمجھتا قدرے سل ہو جاتا ہے۔ غالب کا ایک بھائی طبعی عقیدہ انوار تھا جو بچپن ہی میں آنکھ میں دھات پانیا اور میر کا ایک بھائی بھی جنون کی حالت میں بھائی میں مرگ نصیب ہوا۔ میر بھی وہ آگے کے دور سے جانتے رہے۔ خدا جانے غالب کیسے اس کیفیت سے محفوظ رہا۔ مگر اس کے قتلے اور فکر کے لحاظ سے عقل میں بھاری عقل جنون کی ایک قسم ہے اور غالب کا یہ شعری قتلے اور فکر کی بات سمجھتے ہیں۔

بلبل کے کاروبار پہ میں بخود ہائے مکی
کہتے ہیں جس کو عقل ظل ہے مدح کا

مغز ابھی نہ اپہ بچیں دیکھا تھا مگر یہ عقین اس کے قتلے اور فکر کا مہونہ صحت تھا کہ اس میں اسے سوت قہمی جو غالب کو بھی قہمی۔ دیکھتے بات مغز سے ہوتی ہوئی میر اور ہر غالب تک کیسے پہنچی ہے! یہاں عقل سے مراد بھاری عقل ہے نہ کہ عقلی عقل۔۔۔ اقبال کا مسئلہ اور مشکل اور قہم تو عقل بھاری میں ایک پلی ایک ٹھوکرا کر سمجھنے اور ہر ساری عقل عقلی میں سرشار رہے اور یہ قہمی عقل ہو آ ہے جب کوئی اس کے کرم سے عقل 'فکر اور نظری' مدیا فیصل سے آگے نکل جائے اور غالب کے لیے ایسا کردار عقل قہمی ہے وہ اپنی قلم تر فکر کے بلکہ خود آسمان نہ بنا سکا۔ یہ بات مغز کی سمجھ میں بھی نہیں آتی قہمی۔ حالانکہ اس نے ٹی (Truth) کو نہ کہہ کر زہر کا پیالہ طوطی طوطی سے نکال لیا تھا۔

غالب کی شاعری میں ایک لفظ یا حرف "ہوس" ایسا ہے جو عجیبہ معنی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ ہی کیا اس کے دانی کے الفاظ بھی معانی کے لڑائی میں۔ مگر یہ حرف چونکہ غالب کی زندگی کی کارکردگی کو اس کی قلم تر ہوس دانیوں کے ساتھ واضح کرنا ہے اس لیے غالب کو سمجھنے کے لیے اس لفظ پر کچھ زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ "ہوس" عربی کا لفظ ہے اور یہ بے شمار معنی میں استعمال ہو آ ہے۔ اردو زبان کی طرف سے اس کے معنی صرف "لعل" "حرم" اور "ہوا" کے معنی تک محدود ہو کر رہ جائے۔ یہ لفظ اپنے اندر جسے خود کمرے معنی رکھتا ہے۔ "شا" ایک قسم کا جھون "نہا" آواز "ارہا" خواہش "اشتہائی" شہوت "ہوا" خواہش "نہائی" بھرا "عقل" "عقل" "انگ" "چکا اور ہر چیز کو کوئی چاہتا دھیرو دھیرو۔ اب ذرا غالب کی زندگی کے روزناموں پر غور کیجئے جو مختلف قہموں "اس کے دوان (اردو) اور (فارسی) اور غلط کے ذریعے ہم تک باتوں بات پہنچے ہیں۔ آپ کو خبر ہو گی کہ غالب نے زندگی کو ہوس کے ہر معنی میں برستے "کھینچے" "بھینچے" "پکے" "پائے" "کھائے" پیتے اور سمجھتے دھیرو دھیرو کے لیے استعمال کیا اور خوب استعمال

کیا۔ اور اس کا رنگ غامض کر اس کی اردو شاعری پر یوں چڑھا کر اس کی طبع پر غلبہ کھیل گئی۔ کمال فن کا یہی فرق ایک ذہنی شعور شاعر کو ایک بے شعور شاعر سے جدا کرتا ہے۔ ایک کی ہوس حرفوں کے لالچ حوس اور طبع تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور ایک کی ہوس زندگی کی تمام تر تکلیفوں کی حدیں عبور کر جاتی ہے اور وہ کہتا ہے۔

ہوس کو ہے کھلا کار کیا کیا

نہ ہو مرنا تو جینے کا حرا کیا

شاید اتنا کہ دیکھا کہی ہو کہ دم جب گمان غالب ہو جاتا ہے تو وہ قریب قریب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح کوئی طلب دشت پا سے ہوتی ہوئی ہوس کے شکارِ حاصل تک پہنچ جاتے تو اسے فنا کا قلم ضرور دکھائی دے جاتا ہے لیکن یہ دنیا سے الگ ہے، یہاں کسی کے نصیب میں صرف دم کرنا ہوتا ہے۔ کسی کی قسمت میں ہوس ناک نہیں ہوتی ہے اور کسی کی نظیر کے لب پر زندہ فنا کا نثر رقمیں ہوتا ہے۔

میر تقی میر اپنی علمی، فنی اور فکری بصیرت اور بصارت کے بل بوتے پر "میرے استدلال کے مطابق" دشت انہاں میں اپنی فنا کے حصول کی خاطر فنا کو محاذِ قدم چل پایا۔ جبکہ غالب نے اپنی فکر اور افکار کے زور پر دشت انہاں کو فنا ایک عقل "پا" پایا۔ یہ غالب ہی کا کمال تھا کہ اس نے دشت انہاں کی حقیقت اور حقیثیت جان لی۔ کوئی اور اس سے پہلے یہ اصلیت نہ جان سکا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ فنا کے دوسرے قدم کا سراغ پائے "پہلے اور دیکھنے کے لیے غالب کو "یارب" کہنا پڑا "خدا سے مدد مانگی پڑی۔ گزرا نا پڑا۔ اپنی تمام تر فکر و عمل کے باوجود اپنی ایک قدم کے عقل کو پالنے کے بعد اس کی فکر و فکر اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ میر نے کہا۔

میر فنا لے جا رہے تھے

تو بھی ہم دل کو جا رہے تھے

فنا دل کے لیے جان دی

میلے ہمارا تو مشور ہے

اور

مگر غالب چو گھر میر سے تو محاذِ قدم آگے تھا اس لیے وہ حقیقت سے زیادہ قریب تھا اسے اپنی فکر کی کم مانگی کا یقین ہو گیا تھا اس لیے وہ اپنی ماری فکری فنا اور چوری ضروری خودی کے باوجود پھر اٹھا۔

ہے کہیں فنا کا دوسرا قدم وارب

ہم نے دشت انہاں کو ایک عقل "پا" پایا

یہاں گزرا نے کے باوجود "غالب کا لفظ "ہم" استعمال کرنا قابلِ غور ہی نہیں قابلِ رحم بھی ہے!"

میر نے بلا تخریب میں لائے گئے میر اور غالب کے اشعار میں گتہ کی ہار کی یہ ہے کہ میر اور غالب دونوں کی فنا مراد فنا ہے۔ دنیاوی ہے۔ ہوس انسانی ہے۔ دشت انہاں تک محدود "ہو چھری" آنگہ سے نکل کر زندہ آتی ہے مگر وہی "دل" سے دیکھا جاتے تو مراد ہے۔ میر تقی میر نے اپنے دلائل میں جہاں کہیں بھی فنا کا ذکر کیا ہے وہ میرے لہجہ سے مراد ہے اور دشت انہاں کے نصف سے آگے نہیں بڑھ پائی۔ یہ غالب ہی تھا جس نے فنا سے فنا کے دوسرے قدم سے ہارے میں استغناء کیا اپنی غالب میر سے تو محاذِ قدم آگے ہے۔ اس نے ایک پورا قدم اٹھایا ہے اس لیے میں اسی کے حوالے سے بات آگے بڑھاؤں گا۔ تو بات ہو رہی تھی کہ پہلا

قدم یا اس کا نقل فخر کی آخری منزل ہے جبکہ دوسرے قدم کو پانے کے لیے جذبہ صافی اور خلق حقیقی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلا قدم فکر کا حاصل ہے جبکہ دوسرا قدم ذکر کا حصول ہے کہ دشت اسکاں کے بعد دشت لامکاں کی فہم روائی ہے۔ اگر ایک قدم دشت اسکاں ہے تو دوسرا قدم دشت لامکاں ہے۔ دشت اسکاں کی بات محکمات کی حد سے آگے نہیں نکل سکتی جبکہ دشت لامکاں میں قدم رکھنا یعنی دوسرا قدم 'ناہن کو ٹھکن پانا ہوتا ہے! پہلا قدم مردہ ہونا کے خمیل کی آرزو اور جستجو ہے جو فکر و نظری حاکمیت اور ہمت پر کوئی یا چوری حاصل ہو سکتی ہے مگر ذرا وقت چنگ دوسرے قدم پر بنے اس لیے اسے طے کرنے کے لیے فکر و نظر کے ساتھ ساتھ جذبہ ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اقبالؒ نے چوری کی اور یوں دوسرے قدم کو پایا۔ دشت اسکاں اور دشت لامکاں حقیقت میں دو قدم ہی ہیں۔ جہاں فکر کی حد ختم ہوتی ہے وہاں ایک قدم طے ہوتا ہے۔ اس سے آگے دوسرا قدم دشت لامکاں کی بنیادی میں رکھنا چاہیے۔ کائنات تین مکاں اور دسکان 'یا اسکاں اور لامکاں کو طے یا عبور کرنے کے لیے ضروری ہی سے زبردستی نظروں میں ہونی چاہیے جس کے لیے قلب کی گری اور روح کی ڈپ بلی اور آخری شرط ہے اور جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں تاکہ آپ اس پر فکر کر سکیں۔ مگر ایک قدم طے کرتی ہے تو ذکر دوسرا اس لیے فکر اور ذکر ناگزیر ہیں 'لازم و طوم ہیں اور اس نکتے کو صرف اور صرف دانائے راز ہی پاسکا۔ کہ منظر' اور وہ بھی میر اور غالب جیسے 'دشت اسکاں میں تو حوا یا ایک قدم طے کر سکتے ہیں۔ مگر دوسرا قدم طے کرنے کے لیے جتنی کل کائنات کی تفسیر کے لیے طالع اقبالؒ کی طرح قافی اٹھ اور ماضی و مستقبل ہوا پہلی اور آخری شرط ہے۔

اب دو حرف ان یادیں تختہ دل کے لیے جو شعراء کی روح بندوں کے حلقے میں گھل گئی ہیں اور جو اپنی مخصوص طرز ادب سے کسی شاعر کو یاد جانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ میرے درک کے مطابق میر تقی میر طوطی معنوں میں ایک بڑا شاعر ہے۔ غالب بہت بڑا شاعر ہے اور علامہ اقبالؒ بہت ہی بڑے شاعر ہیں۔ یہ میرا گمان نہیں جہاں ہے۔ اپنی بات کو ذرا اور واضح الفاظ میں بیان کروں تو میر خوب، غالب خوب تو اور اقبالؒ خوب تر ہیں۔ جب معیار کا یہ بیان ہو تو آج کل کے خود ساختہ اور دوسروں کے پروردہ اور پرواغت بڑے شاعروں کی حیثیت اور قدر قامت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں کہ وہم دگماں کے اندازوں کی کوئی حد نہیں کوئی پیمانہ نہیں کوئی پاپ کوئی قول اور کوئی جہاں نہیں لگا۔

الغرض کہ یہ غالب ہی کا گمان تھا جس نے حد و درجہ حق فکر و نظری پاک ڈال کر کارزار ہستی یعنی دشت اسکاں میں منظر کیا اور یوں گمان کی آخری حد تک جا پہنچا جہاں سے جہاں کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ یہاں سے آگے جانے کے لیے اسے اپنے رب کو پکارنا پڑا۔ غالب کو خبر تھی کہ گمان پر غالب آجانے کے بعد جہاں کی سرحد میں داخل ہونے کے لیے اس کی فکر و سما اور دعا و دعا ہم نہیں آسکتے اور اس بات کا شعور بھی غالب جیسے اٹھ کے شیری کو ہو سکا تھا۔ مگر غالب کا جہو یا حلق یا پانی فکر اس کے آڈے آئی۔ گمان غالب کی حد کے بالکل ساتھ جزئی جہاں حکم کی سرحد میں تھا کہ دوسرا قدم رکھنے یا اس قدم کا نقل دیکھنے کے لیے ذکر خدا اور رسول اور فکر قرآن کی جو ضروریات دل پر تھیں چاہیے تھیں وہ غالب کے دل نادان پر نہ لگ سکیں یوں غالب کا دل تھاں رہا! اسے غالب کی بدھستی اور اردو زبان (خاسک) کی بدھستی سمجھنے کے ان ضروریات سے اس کا دل منظر محروم رہا اور یہی عہدیت، نفس اور استغناء غالب کی شاعری میں جا بجا ٹھکرا پڑا ہے۔ غالب کے فکر کی شیرازہ بندی ہمیں اس کی روحی و دینی تہذیب کی ہر سطر میں ملتی ہے۔ وہ محرم نظر تو ہے مگر محرم دل نہیں۔ اسی لیے تو اسے عقلم میں نکھیں اپنی اس عہدی اور ناگاہی کا اعتراف اور اعتراف

توں کرنا چاہ۔

یہ مساکلی تصوف، یہ ترا جان غالب
تجھے ہم دلی سمجھتے ہر دہ بادہ طوار ہوتا

آخر میں میں اپنے مضمون کا لب لباب (Summing) اپنی دو انگلیوں کے ذریعے سے کرنا چاہوں گا مگر جس مضمون تک رسائی میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ ان انگلیوں کو میرے مضمون کا حاصل سمجھنے کے میں نے اسی حصول کے لیے یہ مضمون قلم بند کیا ہے۔ اصل بات یہ کہ اصول کی ہے اس لیے دل نے اسے قبول اور وصول کرنے میں کمری فکر 'شدیدہ' بند ہے اور دور دس نظریے کام لیا ہے آگے:

فکر ہر کسی بقدر ہمت اور است

نظر ثبات انگلیوں کے ذریعے ہوں تو مضمون کو یوں کسی کے پاس دیتے ہیں۔

انگلیوں

میر	کو	ہے	دہم	میں
اور	غالب	کو	مکان	
کر	پیش	انہما	کا	

میر	کو	ارا	طلب	نے
اور	غالب	کو	ہوس	نے
جان	انہما	انگ	قوت	

بات یہ کہ غالب کے مکان سے شروع ہوئی تھی اس لیے غالب معلوم ہوتا ہے کہ اسے قطع بھی غالب ہی کے مکان پر کیا جائے کہ اس طرح تاریکیوں کو میری بات کا جھین آجائے گا اور دیے جھین آنے یا کرنے کی بات نہیں ہوتی بلکہ جھین لانے یا نہ لانے کی بات ہوتی ہے اور دیکھتے غالب کسی جھین سے مکان کی بات کرتا ہے:

جلو بادہ نوشی رہاں ہے شش ہمت
داخل مکان 'کرے' ہے بلکہ تہہ تہیں غراب ہے

”پچھلے پر شر سے باہر خلیفہ میں گئے جہاں کو حاکم نے لایا تھا۔ ہمارے لئے
 ممتاز صالوں کی صف میں جب مخصوص حق یعنی شہنشاہ کے ہاتھ قریب۔ ہمدردی و
 سے باہر ان کو بھی اسی صف میں بلکہ ہمارے پہلو میں جگہ ملی۔ یہ دوسرے سوا پہنچا پہنچے ہر نس
 نہیں کی کاروش نہیں کے سامنے آکر دی۔ شہزادے کا کار سے نکل کر حاضرین کی طرف
 دیکھتا تھا کہ جملہ خواجی کے حد سے لفظی ہماری عود بھی آہوں کا کاروں لگتا۔ اس
 کاروں میں ہمدردی کی آواز لگ اور واضح حق کہ ہمارے پہلو سے اٹھتی تھی۔ معلوم ہوا کہ
 ہمدردی کے کو محض رعایا کی آواز سے دیکھتے نہیں آئی بلکہ اس کی وجہ بلکہ زیادہ بنیادی
 اور غیر سیاسی قسم کی ہے لیکن فقط ہمدردی انسانی کشش کی سمجھ نہ تھی۔ جملہ صوبوں اور
 مارگریں اس دھارے سے کھینچی جاتی تھیں۔ چنانچہ ہر نس نہیں کے ہوتے ہوئے کسی
 دوسرے صوبہ کی دال لگتا۔۔۔۔۔ یعنی اگر وہ دال گانے کے ادارے سے آیا تھا۔۔۔۔۔
 حال تھی۔ ہمدردی کے بعد دیگرے کوئی نہیں کرتا دکھانے نہیں لیکن جی بات ہے
 ہمارے لئے ان کرہوں کی نسبت ان صوبوں کی ہے انہیں زیادہ باعث کشش تھیں۔
 چنانچہ ہم ہمیں دیکھتے رہے ’میںیں‘ دیکھتی رہیں اور دیکھ کر دیکھتے رہے۔ یعنی
 اس وقت میں لگتا ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا اور وہ کی ہے تو بھی تو غیر لیکن ہمدردی سے
 میںیں دائم سا لگوہ ضرور تھا۔ یہ نہیں کہ ہمیں ہمدردی سے شہزادے کے عمل متاثر ہ
 اصرار قائم رہی نہیں۔۔۔۔۔ ہم تو ہمدردی سے صرف اتنا ہانتے تھے جتنا غالب نے بھی اپنی
 ہمدردی سے جلا لیا تھا۔

تم ہمارے کو غیر سے ہو رسم و رواج
 کچھ کو بھی پہنچتے رہو تو کیا گوارا ہو

(سیاست روی از محمد خان ’مرسلہ میٹر جدید‘ پنجاب ہائیڈرو پکچر ڈی اسکول آف سائنس)

(صوبائی انتظام الدین حق دہلوی (مروم) بیان کرتے ہیں:

”ہندو میں دلی کے لوگ ایک عرصہ تک بھڑے رہے لیکن کو تو وہاں نصیب نہ ہوئی۔ میرے والد ان غرض قوتوں میں
 سے تھے جو دلی والوں آئے اور مرزا غالب سے ملے بھی گئے۔ مرزا کی یادداشت بڑی زبردست تھی۔ دیکھتے ہی پہچان گئے ’گئے سال‘
 پر پہنچے ’اتیں کرے۔‘ حاضرین میں اس وقت نواب غیاث الدولہ (دلی کے ایک رئیس) بھی موجود تھے۔ اس سے بھی ملنے لگی ہوئی
 مگر انہوں نے پہچان نہیں۔ مرزا غالب کو بظاہر ایک انجمن سے آشنایا نہ تھا کہ دیکھ کر بولے۔ حضرت ہمیں بھی تو تانیے۔ یہ
 صاحب جن سے آپ یہ انجمن کہہ رہے ہیں کون ہیں؟ مرزا غالب نے کہا ’ہیں تم نہیں جانتے۔ یہ ملاں این فلاں۔ مرزا کے آقا پادشاہ
 سے نواب صاحب بھی پہچان گئے۔ بولے میں صاف کرتا میں نے تمیں پہچان نہیں بہت عرصے بعد دیکھا۔ دوسرے یہ قیامت صفا

(نمبر ۱۸۷۷ء) بیچ میں گزر گئی کہ صورتیں بدل گئیں۔ تمہارے اس وقت دہلی و جدوت نہیں تھی اس لیے کبھی نہیں پہچان سکا۔ کیسے ہو کہاں ہو؟ شادی ہو گئی؟

والد مرحوم نے ان سوالات کے جوابات رسید اور کاشادی تو اس قیامت صغرا سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ نواب صاحب نے کہا پھر اس کا نتیجہ؟ کہا: ہاں ایک لڑکا ہے۔ بچ چھایا کیا نام ہے۔ جواب دیا مصباح الدین۔ یہ نام سن کر نواب صاحب نے چونک کر کہا بھی یہ کیا؟ تمہارا بیٹا نام انوار الحق، تمہارے والد کا نام احسن الحق، تمہارے جد اعلیٰ کا نام شیخ عبدالحق، صحت دہلوی غرض سب کے نام حق پر ہیں لڑکے کا نام دین پر کیوں؟

اس اعتراض کو مرزا غالب نے بھی سن لیا۔ دقت "بگڑ کر بولے" یہاں تم کیسے مسلمان ہو؟ نواب صاحب نے کہا: حضرت میں نے خلاف اسلام کیا کیا ہے؟ فریاد: دین کو حق نہیں سمجھتے۔ نواب صاحب لاجواب سے رو گئے اور جملہ حاضرین ہنس پڑے۔ اس بھولنے سے فکر سے لے کر دین کو حق نہیں سمجھتے ایک شعر کا مزہ دیا۔ (۱۸ نوکاب ۱۸۶۹ء۔ مرحلہ: عمران شفقت، پنجاب ہائر ٹیکھنری اسکول آف سائنس صادق آباد)

مرزا غالب اور طوطا

موسم صاف خوب سردی پڑ رہی تھی۔ بھڑا سامنے دھرا تھا اور غالب دیکھ رہے تھے کہ طوطا بھڑے میں مارے مروا کے پردوں میں مدد چھپائے بیٹھا ہے۔ یہ دیکھ کر مرزا غالب بولے:

"یہاں طوطا قحب ہے تمہارے نہ تو بچے ہیں اور نہ بولی بھر تم کس فکر میں سر چھپائے بیٹھے ہو۔"

(مرحلہ: فدا الفکار، پنجاب ہائر ٹیکھنری اسکول آف سائنس)

"وہ سردی صبح ہمیں جدوت سے رخصت ہونا تھا۔ ہمارے قیام نامشوقی قحب میں چائے اور حسن سلوک سہا کر لائیں۔ اسے میں اداری کہہ دوں گی ہم نہیں بھی اور ادراغ کہنے آئی۔ ہمیں سوٹ تیس میں کپڑے بدل کر تے دیکھ کر ہمارے مسخض کے منصوبوں کے حلق سوال کرنے لگی۔ جب ہمارے منصوبوں کی تفصیل سن کر دلک سے چور ہو کر ہمیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں سیرجہاں کا شوق رو رو کر گھبراہٹ تھا کہ"

غالب اگر سڑ میں مجھے ساتھ لے چلیں

بیچ کا قحب فکر کروں گا حضور کی

لیکن اس کے لیے درمبادلہ کا انتظام بھی ہو سکتا تو جرات کا انتظام کیسے ہوتا؟

مرکز خوار و سوم و قیود تھا

اسے میں عبد الرحمن کا لے کر آگیا اور ہمیں بولی اڑے کو لے اڑا۔"

(سلسلہ روی از محمد طاہر۔ مرحلہ: بریل مشتاق، پنجاب ہائر ٹیکھنری اسکول آف سائنس)

"ہو ذی۔ تم اس شکل و صورت کے ساتھ گانچے ہونے پر کیوں قانع ہو؟"

ہو ذی نہیں اور بولی: "آپ پہلے آدمی نہیں جس نے یہ سوال پوچھا ہو۔"

”تم نے پہلے آدمی کو کیا جواب دیا تھا؟“

”میں یہی کہ مجھے کچھ ہوا پسند ہے۔ میں دیکھ دیکھ کے لوگوں سے ملتی ہوں (دراسترا کر) ”آپ مجھے لوگوں سے۔“
لوگوں سے ملنا تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

جوڑی نے ہلکا کر کہا (But people are fun) (لوگوں سے روٹی ہے۔)

جوڑی کی جملہ بات کا انداز کہ ایسا تھا جیسے کہ وہی ہو کہ ”میں اتنی بڑی فحش کا ذکر کر رہی ہوں“ تم سمجھتے کیوں نہیں؟“ اور
مجھے کی کو فحش کی تو اچانک ہم پر ایک بڑی سہائی کا انکشاف ہوا کہ ”جگ“ زندگی کی روٹی تو لوگوں سے ملنے ہی میں ہے۔ خود ہماری
اس لے کی روٹی جوڑی سے ملنے میں تھی۔ بلکہ ہمارے سارے سفر کا حاصل رہا رنگ لوگوں کی ملاقات ہی تھی اور یہ کتاب کیا ہے؟
یہ انہی ملاقاتوں کی روداد تو ہے۔ جوڑی کا انگریزی جملہ ہمارے ذہن میں گونجنے لگا:

(People are fun) دیکھ جوڑی نے کوئی نئی بات تو نہیں کہنی تھی۔ غالب یہی سچ ایک مدت ہوئی دس بچے تھے بلکہ
غالب کو تو لوگوں سے ملنے پر کسی قدر تازہ بھی تھا اور کم آمیز پیغمبروں کو بھی نہیں سمجھتے تھے:

وہ زندگی ہم ہیں کہ ہیں دو ٹھاس سچ اے شعر

نہ تم کہ چور چنے مر جاؤں کے لیے!!

لیکن مرزا اپنی بلاغت کے باوجود یہ سچ نہیں لگا ابھی طرح انہیں نہیں گرا سکے تھے جتنا جوڑی نے چھ لہجوں میں گرا دیا۔
آخر بحیثیت استاد جن آلات سخی و بصری سے جوڑی بیس تھی ”مرزا ان سے بکھر محروم تھے۔ مرزا کی تمام تر بلاغت ان کی زبان میں
تھی جو بیس زبانوں میں بدل تھی اور جوڑی کی بلاغت اس کے گریبان میں تھی جو نصف سے زیادہ چاک تھا۔

(سہاست دوی از نثر خاں۔ مرحلہ حاتم مسعود، پنجاب پبلیکیشنز ری اسکول آف سائنس)

مرزا غالب کی کتاب قاطع برہان جب شائع ہوئی تو بہت غصوں نے اس کے جواب کیے ہیں اور بہت زبانیں
بہاؤتوں کی تھیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت آپ نے انہیں غصوں کی کتاب کا جواب نہ لکھا فرمایا۔ پہلی اگر کوئی گودھا قصور سے
اتارے تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟

(مرسلہ طاہر علی، پنجاب پبلیکیشنز ری اسکول آف سائنس صادق آباد)

غالب --- نئے شعور اور نئے عہد کا ہم سفر

ارشاد مہتابی

صاحبو! آج میں آپ کو غالب سے طواغیت ہوں۔ اس کا مطلب یہ انفرادیت ہے ہرگز نہیں ہے کہ آپ غالب کو نہیں جانتے۔ اردو شعرد ادب کی دنیا کا کون ایسا شخص ہے جو مرزا غالب کی عظمت کا کاغذ نہ ہو؟ میرا تعارف ذرا مختلف انداز کا ہے۔ میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ مرزا غالب کس خانہ اورو سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی ولادت ۱۷۲۷ء بمبرہ ۱۲۴۵ء کو سورج نکلنے سے چار گھنٹے پہلے ہوئی تھی اور ان کا انتقال ۱۸۷۱ء کو بوقت عصر ہوا۔ ان کا بچپن کیسے گزرا اور بڑائی میں انہوں نے کیا کمال کیا کھلائے کس تار و پود کو ان پر مقدمہ ہوا اور کون سے دن وہ رہا ہوئے۔ انہوں نے طوائف غزل کا طاق شعور کس وقت اور عالم میں کیا۔ اس وقت شعری تخلیق میں انہوں نے کس صدی کے کس شاعر کے خیال سے استفادہ کیا۔ میں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ شاعر تھے یا سنی، صوفی تھے یا کچھ اور ان کی زندگی کب عیش و آرام کے مہلوں میں گزری اور کب وہ علم و ادب کے کائنات پر غور کیا۔

مجھے ان تمام سورج نگاروں کا علم نہیں ہے جو اس دہم میں اڑتے بھرتے ہیں کہ غالب کو غالب "دور الملک" علم العواد اور نظام جنگ کے القاب ملے تھے۔ ان دنوں رکھاؤ کا یہ عالم تھا کہ بھیرپائی اور ہواوار کے بازار بھی نہیں جانتے تھے۔ میں اس واقع کا اظہار کرتے ہوئے بھی غصہ محسوس کر رہا ہوں کہ انہوں نے اپنے آئے مینہ پر ایک ڈومنی کو آم کے چنگے لٹائے پر مقرر کیا اور پھر اس کے جہیز پر راجہ چڑے۔ یہ تمام باتیں میں اس لیے نہیں بتا سکتا کہ خوش قسمتی سے میں محقق نہیں ہوں۔ میرا ذہن ایک سیدھے سچے شاعر کا ذہن ہے۔ میں نے غالب اور اس کے عہد کی تاریخ اور شعور کے خزانے سے بچنا ہے۔ میرا ذہنہ الماع غالب کا فن ہے مگر ہے میں غالب کے خود ساختہ نقودوں سے اتنی ہی دور ہوا ہوں جتنا کہ غالب خود ہوا کرتے تھے۔ مجھے ان تمام استخوان فنی سے بھی چڑ ہے جنہوں نے بغول طور ہوں کی محنت کے پہاڑوں سے ایک ایک عود چڑھا کر آد کر رکھی ہے اور اس کو باقی حاکم و راہوا لاکہ وصول کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مجھے اردو کے ایک بہت بڑے۔ صحن پر بھی قہر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ غالب نہ ہوتے تو اقبال نہ ہوتے۔ میں سوچتا ہوں اگر اقبال کو غالب نے پیدا کیا ہے تو پھر غالب کی قبر پر تخلیق میں کس کا ہاتھ ہے۔

غالب کے ایک اور صہبان کی رائے بھی مجھے سخت حیران کر رہی ہے کہ غالب کے نظریے حسن و عشق کی قبر میں ان کی وراثت، شخصیت اور ان کی نسل و خاندان کو بڑا دخل ہے میں اس شخصے میں پڑ گیا ہوں کہ غالب کا نظریہ عشق نسلی و خاندانی دہاتوں کی بلندیوں کے بڑھوہ بعض اوقات پستیوں کی طرف لڑھکاتا ہوا کیوں محسوس ہوتا ہے یا تو غالب کے صہبان کی سوچ ناقص ہے یا پھر اس کی نسلی و خاندانی شخصیت میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ میرے کان غالب کے بارے میں ایک معروف دانشور کا یہ جملہ سننے سننے تک مجھے جی کہ بعد وصال کی اسلامی کتابیں دو ہیں "وہ مقدس اور دین ان غالب۔ میں اس حدت آفریں خیال کو ایک شخص کی رائے ماننے کو تیار ہوں مگر اس کو بار بار دہرائے جانے والی حقیقت تسلیم نہیں کرتا کہ یہ نگاہ اس سے میری انتہائی انانہ نہیں نکلتی ہے اور مجھے اپنے ضم و اور ادب کی صلاحیتوں کی توجہ محسوس ہوتی ہے۔ میں سوچتا ہوں اگر یہ حقیقت ہے تو پھر میں اقبال "عشق اور نسل کے کام کو

کس کھاتے میں ڈالوں۔

میرا ناقص فہم اس زبان پر بھی مطمئن نہیں ہے کہ مغل تہذیب نے ہندوستان کو کتنی عرصے دینے میں تاج محل، اردو زبان اور غالب۔ ہو سکا ہے یہ خیال آرائی درست ہو چکی ہے مغل تہذیب ملی ہے اردو زبان نہ تاج محل۔ بھر کیا میں باغی کی درختوں کا حقدار نہیں ہوں۔ میرے عرصے میں داری سندھ کی جو عظیم الشان تہذیب آئی ہے۔ جو شان کا پرانا قصہ اور درکن عالم کا جو مقبرہ آیا ہے انہوں نے مغل تہذیب سوار نے اور کھارے میں کوئی کردار انجام نہیں دیا خدا سمجھتے نہ بلوائے اس بات کا بہت رونا رونا گیا ہے کہ غالب ایک ایسی تہذیب و ثقافت کے نمائندہ تھے جو اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ ایسی قہر میں چڑھ کر میرے ذہن میں بار بار یہ سوال جاگ اٹھتے ہیں کہ اگر وہ تہذیب ختم ہو گئی ہے تو ہمارے کیرے سے کیا فائدہ۔ اب جو ایک نامہ فقیر ہو رہا ہے "مغلی تہذیب اور نیا شعور جاگ رہا ہے اس کی فکر اور چودری کیوں نہ کریں کیوں نہ افکار غالب کو اپنے مددگار کے شعور کے ناظر میں دیکھیں اور پرکھیں۔

بات صاف اور سیدھی ہے کہ برسوں پہلے کے ایک زوال پذیر معاشرے کی آخری میں چلنے والے فرسودہ نظریات ہر حال ترک کرنا چاہیے گئے۔ کیونکہ رنگ اکوڑ، تواریں انہی دور کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ زندگی کو جیٹھ ناکہ اور گرم غلوں ہی تو مانا رکھتا ہے۔ ادب و فن کے شعری اسی غلوں سے پھرتے ہیں۔ مجھے اگر غالب مزہ ہے تو اس نے نہیں کہ دہر الگ، "علم الدولہ اور حکام جنگ تھا۔ میں اس وجہ سے اسے یاد کرتا ہوں کہ اس کی لاؤ دل شامی اور اس کی فکر مجھے اپنی ترجمان محسوس ہوتی ہے" وہ میرے دماغ و راحت میں آج بھی برابر کا شریک ہے۔ اس کی شعری سمیت میرے مددگار اور میرے شعور کے ساتھ ساتھ ہل کر رہی ہے۔

"غالب اردو شاعری کی تمام آواز ہیں۔ اس اعتبار سے کوئی ان کا شریک غالب نہیں۔ ان کے فنی میں اردو تاریخ شعر کے سب دھارے بہت چہ بات نگاری، خیال آرائی اور صنعت گری نکجا ہو جاتے ہیں۔ ان سے ایک نئے دھارے کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ہے غزل کا فکری انداز جس میں ان کے شاعرانہ ذہن، جذبہ خیال اور فکر کا ایک حسین احراج ملا ہے۔ غالب نے اپنے کام کے بارے میں کتنے بڑے کی بات "کس سادگی اور بے سائنسگی سے کہ دی ہے "اس سادگی اور بے سائنسگی سے جیسے یہ شعر کسی شاعری کے پرکھنے کا قارموا نہیں کیا ہو لیکن۔

دیکھنا تحریر کی لذت کہ جو اس نے کیا

میں نے یہ چاہا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کوئی بھی ہو "کیا ہی ہو" غالب کو ہر حال میں اپنا ترجمان اور نگار ہانے لگے کتنے شاعر ایسے ہیں جو اتنے بے شمار خلف احوال انسانوں کی ترجمانی اور بھری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔" (رشید احمد صدیقی، نقوش غالب نمبر ۳، ص ۲۱۵)

مرسلہ اسد فراز، جناب ہائی ٹیچر دی سکول آف سائنس صلاقی آباد

سلیم احمد کی غالب شکنی

ڈاکٹر مختار احمد عزی

سلیم احمد کی غالب شکنی کوئی داخلہ جیسی بات نہیں۔ انہوں نے ”غالب کون؟“ کے پیش فکڑ میں لکھا ہے: ”سوسالی سے بچہ اور کی بات ہے۔ پتہ نہیں غالب کے محبوب نے ’یا کسی اور بھلے آدمی نے‘ یا خود درود مصر نے پڑھا تھا کہ غالب کون ہے؟ غالب جو کچھ بزم غزلین خود کو بڑا ماسور سمجھتا تھا“ اس لیے جواب دہتے کے بجائے مضمون پر اتر آئیے۔ کوئی غلطی کہ ہم غلط نہیں کیا؟.....

مٹلی کے بعد سے جواب کے لیے عبدالرحمن بجنوری اٹھے اور غالب کو علم باغیچہ بنادیا۔ ان کی بھی بہت داد ہوئی۔ تب سے ہوائوں کا آواز بدھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ذکر شاعری کے افسر سیاستدان اور تاجر بھی.... ابھی کچھ عرصہ پہلے غالب کی سوسالہ برسی منائی گئی۔ ملی کے بھاگوں بھینکا ٹوڑا۔ لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اچی جان جان پھائی کر شے داتوں کو سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کون کہا کہ رہا ہے۔ مگر حسن عسکری کی اردو کے پروفیسروں سے بحث چڑنے ہیں اور آج کل مطلب کے انہوں سے بھی تپے ہوئے ہیں ’انہوں نے ہر کسی و نامس یہاں تک کہ رسل صاحب کو بھی غالب پر بولتے ناؤ ایک بار پوچھ لیا‘ غالب کون؟----- عسکری کے سوال کو درود مصر اور درود مصر کے سوال کو سوسالہ سن ہو چکے ہیں ’اس لیے مزید تاخیر مناسب نہیں‘ ہمارا جواب حاضر ہے“ (۱)

اس اہم سوال کے مضمون جواب کے لیے سلیم احمد کو ایک کل کتاب بیڑا ’غالب کون؟‘ لکھنا پڑی۔ جس کی سطر سطر سے غالب شکنی نمایاں ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں غالب کی شخصیت اور شاعری کے کسی پہلو کا اعتراف بھی ہے لیکن زیادہ وقت انہوں نے غالب کے بہت کو توڑنے پر صرف کیا ہے۔ بہت شکنی کی یہ روایت ’غالب شکن داس بھٹتہ‘ انگیزی اور پروفیسر حسن عسکری سے ہوئی ہوئی سلیم احمد تک پہنچی ہے۔

سلیم احمد کے ہاں ’تہذیب غالب ایک مشکل شہد ہے۔ اس خطے کا آغاز ان کے مضمون ’غالب کی اہمیت‘ (۲) سے ہوتا ہے جو ۵۹ء میں لکھا گیا۔ دوسرا مضمون ’غالب اور دنیا آدمی‘ (۳) ہے جبکہ تیسرا مضمون ’غالب اور انسانی رشتے‘ (۴) ہے۔ دوسرا مضمون ۶۰ء کی تحریک ہے اور تیسرا ۶۵ء میں لکھا گیا۔ ایک خطے میں ایک عمل کتاب ’غالب کون؟‘ ۷۰ء میں شائع ہوئی۔ مختصر یہ کہ غالب کے حوالے سے سلیم احمد مسلسل لکھتے رہے؟

سوال یہ ہے کہ آخر وہ غالب شکنی کے لیے یوں مسلسل کیوں کرتے رہتے تھے؟ اس اہم سوال کا جواب بھی ضروری ہے کہ آگے آگے کا لیکن فی الحال یہ ستم غرضی دیکھنے کہ سلیم احمد نے غالب پر ہر کتاب لکھی ’اس کا انتساب میر تقی میر کے نام کیا ہے۔ یہ انتساب درج نکلوں میں ہے نہ قابل غور ہیں۔

”مٹلے اے غن میر تقی میر کے نام۔ جن کے بارے میں غالب طوطا“ و گہا“ ناز کا ہنسا اور کہ اعتراف کرتا چاہا۔

انارو۔ صرف غالب نے حاصل تو کیا ہے مگر کثرت میں نہیں اترا صرف ذہن ہی میں رہ گیا ہے۔ اس لیے غالب مرحوب تو کروٹا ہے "اندر نہیں اترے۔"^۱

طرد حجاز کے حوالے سے سلیم احمد نے غالب کو نہ صرف میرے بلکہ تمام اردو شعراء پر ترجیح دی ہے۔ ان کا خیال ہے۔
"غالب کی وٹ (WIT) کسی اردو شاعر کو نہیں ملی" (۱۰)

غالب کے اسلوب کا جائزہ لیتے ہوئے سلیم احمد نے غالب کے مشکل ترین "نیم مشکل" سہل اور سہل فصیح اسلوب پر اجماع خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"غالب کے حلقہ نہیں پیدا ہوئے یا کم پئے ہوئے ہوئے وہ مشکل طرزِ سخن کر رہ گئے۔۔۔ آسان

اسلوب کی پوری ہی امت کسی کو نہیں ہوتی کہ وہ مشکل ترین ہے ہماری چرچم کر سب چھوڑ دیتے ہیں" (۱۱)

سلیم احمد کا خیال ہے کہ غالب جہاں سہل فصیح کا اسلوب اپناتے ہیں وہاں میر کے قریب پہنچ جاتے ہیں مگر وہ اتارے معور ہیں۔ وہ ہم اور میں کا صیغہ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ یہاں سلیم احمد "میر کے پاس ایسے ہی مینوں کے استعمال کو ذہن میں نہیں لاتے۔ شاعر میر کے اس شعر میں اناس قدر سرچڑھ کر بول رہی ہے؟

سارے عالم ہوں میں چھلپا ہوا

مٹھ ہے میرا قربان ہوا

اب رہی یہ بات کہ سلیم احمد کی غالب شعنی کی اصل بنیاد کیا ہے؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ سلیم احمد زندگی بھر انکی اور وحدت کے رویا رہے۔ ان کی فکر میں میر بعد اسلامی تہذیب کا سچا لائبرو شاعر ہے جبکہ غالب ہماری فکرت و ریخت کا منظر ہے۔ ہر حال سلیم احمد اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک ہماری تہذیبی فوٹ پھوٹ جاری رہے گی "غالب زندہ رہے گا۔ سلیم احمد کا خیال ہے۔

"غالب وہ نقطہ ہے جس میں ہم بند ہیں۔ غالب ہماری ہمت اند ہے اور قسمت بھی۔ کچھ لوگوں کی شہادت ہے کہ بعدِ حجاز اور پاکستان ہی نہیں "لوہر چرایع رب بھی "کام" "کام" کر رہا ہے۔ (میں) فکری صائب کی ہمنوائی میں ذوق کی حمایت کروں یا نہ کروں غالب کی مخالفت ضرور کرنا چاہتا ہوں یعنی اپنے زمانے کی بلکہ خود

اپنی۔" (۱۲)

حواشی

- ۱۔ "غالب کون؟" از سلیم احمد۔ ص ۷۷۔ مطبوعات المشرق۔ کراچی ۱۹۷۹ء
- ۲۔ مشمولہ "ادھوری ہدیہ" "از سلیم احمد سینئر ایڈیٹر۔ ۱۹/۷۹ فیڈرل بی ایس۔ کراچی ۱۹۷۹ء۔
- ۳۔ مشمولہ "نئی نظم اور پارا آوی" از سلیم احمد۔ قصص ایڈیٹر کراچی ۱۹۸۰ء
- ۴۔ "ایضاً" "غالب" "از سلیم احمد
- ۵۔ "ایضاً" "ایضاً"

”غالب کا خط خالد اختر کے نام“

مشفق خواجہ کراچی

سعادت و اقبال لکھن، اختر لکھ سنن و بیان، محمد خالد انھیں یہ اختر کو غالب خشت کا سلام پہنچے۔ تمہاری کتاب ”مکاتیب شعر“ بہ کمال فائق آئی۔ تمہارا نام ہاں پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ اس لیے تعجب ہوا کہ مجھے غریب العدار کو تم نے کیوں شکیانہ لطف گردایا۔ یہاں بہت سوں سے تمہارے بارے میں پوچھا لیکن کوئی تفصیلی و آگاہی کا دعویٰ نہ ہوا۔ تقریباً سب سے کہا کہ تم بہت بڑے ادیب ہو، غرافت میں بہ طول رکھتے ہو، مثنیٰ عجیب و غریب ہو۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تقریباً نویس مئی مجھے کاظم کون ذات شریف ہے۔ میرے زمانے میں چھاپے کی کتاب پر تقریباً وہ لکھتا تھا جو ہر ایک عالم میں نامور ہوتا تھا۔ اب مدح اور بھلی کے منصب کے لیے بلاوجہ اور بھلت کا مشہور ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہر حال تقریباً کے مقابلے سے یہ معلوم ہوا کہ تم نے میرے انداز و روش میں بلند نگاہی کی کوشش کی ہے۔ اگر تقریباً میں باسعادت یہ امر ملحوظ نہ ہوتا تو میرے لیے یہ قیاس کرنا بعید از امکان تھا کہ تم میرے مقلد ہو۔ میں نے کتاب کی درجہ گردانی کی، ”موسم و مہتابی کو بھی دیکھائی“ مفتی صدر الدین آزاد سے بھی طور و رنگ کی لیکن یہ سب حقائق اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں کہ تم نے انہیں مشقت کھینی ہے اور جس طرح جگر خون کیا ہے، اس کا مجھے غریب کی بلند نگاہی سے کوئی نقل نہیں۔ اس بات کو چند مثالوں سے ذہن نشین کرو۔ غنی ابن اثنا کے نام کے مکتوب میں تم نے لکھا ہے: ”ہاں یعنی رہتے تو تم شعر آشوب کراچی میں ہو۔“ میں انشجار بھلا ایسا کیوں لکھتا کہ مجھے معلوم ہے شعر آشوب رہنے کی نہیں، ”چھٹنے لہو نہنے کی چیز ہے۔ مولانا ہر نقاد و نوری کے نام کے خط میں تم نے کئی جگہ ”تھہ“ کی جگہ ”تھاض“ لکھی ہے۔ لغت ہو مجھ پر اگر میں ”تھہ“ کی جگہ ”تھض“ لکھوں، ”تھاض“ لکھوں۔ ”تھاض“ اور دوئے نعت لفظ اور دوئے غریب و درست۔ اسی خط میں تم لکھتے ہو: ”اصل حال اب مجھ پر ہذا ہو۔“ بھائی، ”حال“ کوئی دردناک نہیں کہ ہذا ہو۔ ”ہذا“ کے معنی کھٹنے کے ضرور ہیں لیکن استعمال کا سوچ و عمل دیکھ لینا چاہیے۔ ”حسن پرست“ کی جگہ تم ”حسن پرستان“ لکھتے ہو۔ ”مکذہ نازاں“ کی جگہ ”مکذہ نازاں“ اور غلط فرماتے ہو۔ حیرت ہے کہ تمہیں کوئی کتاب بھی نہیں۔ احمد عظیم قاسمی اور مشفق الرحمن کے تم مجھ سے یاد ہو۔ دیکھو یہ دونوں کبھی صدمہ اورو لکھتے ہیں مگر بے فیض معلوم ہوتے ہیں کہ تم سے صحیح اورو لکھنے کا ہذا بچا کے رکھا۔

عزیزی نہیں احمد فیض کے نام کے خط میں تم لکھتے ہو: ”میر تمہارے گھروے دوس کو مراعت کی دیکھی۔“ میرے زمانے میں ”مراعت“ کے معنی ”لوٹنے“ کے تھے، تم نے ان معنی کو لوتا کر ”تشریف لے جانے“ کے معنی میں لکھا ہے۔ یہ غلطی تعریف تمہاری زبان دانی پر دال ہے۔ ”گھروے دوس“ کی جگہ تم نے ”گھروے دوس“ لکھا ہے۔ کمرۃ العزالت کی جگہ یاے بھول لانا، بھولانا، بھولنا، اسی خط میں تم نے ایک لفظ ”شکی“ لکھا ہے۔ یہ لفظ تم نے کس صفت میں دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی خود ساختہ صفت میں دیکھا ہو گا۔ ایسی ہے یہ کی تو صاحب برہان کا شیخ بھی نہ اڑاؤا تھا۔ کیا ”عظم“ سے فیض کا مضمون ادا نہیں ہو گا۔ یہ دیکھ ہی ہے کہ مجھے کوئی ”تھہ“ سے ”شکی“ ہا۔

بھائی! میری ان باتوں پر ”شک“ نہ کرو کہ تمہاری کتاب کا خط نامہ یاد کرنا مقصود نہیں۔ یہ چند باتیں محض اس لیے لکھ دی

ہیں کہ قصاری کتاب کے پڑھنے والے قصارے لغوی تصرفات کو میری تحقیر کا بیج نہ گروائیں۔

قصارے تقریباً ۱۸۰۰ نے اخراج دی ہے کہ جنہیں زبان اہل فرنگ سے پہلے وہ دہشت ہے اور یہی زبان قصارے اور اوزار پھرتا ہے۔ ایسی صورت میں زبان اردو سے قصاری بے اختلافی عہد لازم نہیں، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم اردو کی بجائے زبان اہل فرنگ میں کیوں نہیں لکھتے۔ اس زبان میں لکھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ قصاری اردو کی لفظیوں پر کسی کی نظر نہیں جائے گی۔ مگر خدا کے لیے وہ سوں کی زبان میں دیئے تصرفات نہ کرنا جیسے اردو میں کرتے ہو۔ سامانی فرنگ کے نزدیک یہ امر نامطلوب قرار پائے گا۔

میں نے قصاری کتاب از لوح نامت نہیں پڑھی کہ اب زیادہ مہلت کیجئے اور دیکھ لیاں کہ قتل نہیں رہا ہم کہیں کہیں سے اسے دیکھا ہے۔ ہاتھیں بکھالنے کا ہر تم خوب جانتے ہو۔ یہ امر مطبوعہ طاہر ہو کہ تم نے اہل مذہب کا مذاق خوب اڑایا ہے۔ ہر کام ہم شعرا کا کام سوزوں کی صورت میں انجام دیتے ہیں، وہی تم نے نثر کا سوزوں میں کر دکھایا ہے۔ کل طبع آباد کے ہوش بٹھے آئے تو سامنے قصاری کتاب رکھی تھی۔ انہوں نے اسے ادھر ادھر سے دیکھا، مولانا احتشام الحق قناری اور مولانا عبداللہ دروہادی کے ہاتھ کے خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، "یہ مثنوی مولوی کی کی طرح خوب لگتا ہے۔ لیکن جب اپنے ہاتھ کا خط پڑھا تو ارشاد فرمایا: "اس شخص کا کوئی اعتبار نہیں، کبھی کبچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ۔"

بندۂ رو سیاہ عرض کرتا ہے کہ کچا جھوٹ کا فیصلہ کرنا مشکل ہے لیکن بعض لوگوں کے ساتھ تم نے ہر جہاں سلوک روا رکھا ہے، وہ اخلاق کے مطابق ہے۔

بھگت خانے میں قصارے کو اپ نہیں۔ مثلاً "الطاف میں قریبی کو مشورہ دیتے ہو کہ وہ اپنے دھانے کا نام "دورنگی" کی بجائے "دورنگی" رکھ لے۔ یہ طوطی مٹی نہیں گراف ہے۔ شائستگی کا اظہار ہے کہ عرفات اور پٹناری میں اختیار کیا جائے۔

انتقاد جنہیں کے بارے میں بھی قصاری رائے کی اساتذت تھیں ہے۔ تم اسے مشورہ دیتے ہو کہ لاہور میں رہ کر کھٹو کو زاد نہ کرے۔ دہلوی کے کنارے کو حق کو قصور میں نہ لائے۔ تم کہیں ہوتے ہو یہ مشورہ دیتے والے۔ جنہیں کوئی قصارے وطن پہلو پور سے زبردستی خارج کر دے تو بھر پور قابلیت مسلم ہوگی۔ مسلمانوں کو انہوں سے لکھے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ وہ کج تک اس کے لیے دوتے ہیں۔ کیا قلب جہاد اور کالج محل اور دلی کی جامع مسجد اور کھٹو کے تعمیرات کے لیے جائیں جہاں برس بھی نہیں روئے جاسکتا؟ یہاں ہوش کے باطن کو اور ایسی باتیں نہ کہ جن کا کوئی سر نہ ہو۔

اور ہاں، یہ غبار مسود سے جنہیں کیا ہے غلط ہے۔ اس کا گھر رکھتے ہو کہ اس کو دیکھنا ہے بدل کی کتابیں منہ بچکے کاغذ پر کیوں چھپتی ہیں اور بھرکیوں ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں۔ تم اس بے چارے کو حکارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ کہتے ہو اس نے جہاد پاکستان کی ہر کتابی نہیں ہے وہ خود ملالی کی داستان ہے۔ جہاد پاکستان غبار مسود کی گرائی میں جا ہوا کیا اسے حق نہیں کہ وہ اپنے حوالے سے اس کی داستان جان کرے۔ تم مشورہ دیتے ہو کہ غبار مسود کو ان مزدوروں کا احوال لکھنا چاہیے جنہوں نے اس جہاد کو تھیر کیا۔ یہ تو دیکھی ہی بات ہوئی جیسے کوئی شاہ باہر گھسے پر فردوسی کی تحریف کرے اور تم کو فردوسی کا کیا کمال ہے! اصل کام ان اہل حرفہ کا ہے جنہوں نے کاغذ بنایا اور رویشائی بنائی اور غبار بنایا۔ اگر یہ سچ ہے نہ تو فردوسی شاہ باہر نہیں لکھ سکتا تھا۔ تم مقرر ہو کہ قصاری کتاب "کھوڑا ہوا اہل" معتمد مطبع کے گودام میں پڑی پڑی کرم طورہ ہو گی۔ اگر ایسا حادثہ غبار مسود کی کتاب کو

غالب اور تصوف

پروفیسر غلام حسین

شیخ شام الدین سرور دی اپنی کتاب "عارف لطائف" میں لکھتے ہیں کہ "تصوف ایک جامع و مانع فن ہے" اور فقرا اور زہد سب پر حاوی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ زہد اور فقر کے علاوہ کچھ اور اوصاف اور اخلاقیات ہیں "جب تک وہ نہ پاسے جائیں" صوفی صحیح معنوں میں صوفی کہلاتے کا حق دار نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ زاہد اور فقیر کیوں نہ ہو۔"

سرور فرماتے ہیں کہ "تصوف کے معنی ہیں 'حقیقی کاظم حاصل کرنا' حقیقی کے ہاتھ میں از قبیل نعم و اقتدار جو کچھ ہے" اس سے بیکرد گرداں ہو جاتا۔"

"ابو محمد حریری" فرماتے ہیں "تصوف کے معنی ہیں کہ جملہ اخلاقی عہدہ اور اوصاف طیبہ کے اچان میں داخل ہو جانا اور ہر قسم کے اخلاق و ذلیل سے پاک صاف ہو جانا۔"

جیو بغدادی "فرماتے ہیں۔ "تصوف یہ ہے کہ حق حقے حیرت سے وجود سے الگ کر کے پاک کر دے اور پھر جو زندگی وہ حقے دے" اور صرف اسی کے لیے ہو۔ میرا تصوف قرآن و سنت میں عقیدہ ہے۔ اور بات قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو" وہ سرور ہے۔"

علامہ جعفر ابن قثم "معارف صائغین" میں لکھتے ہیں۔ تصوف سلوک حقیقی کا ایک گوشہ ہے اور اس کا کام نفس کی تہذیب اور اس کا تزکیہ ہے تاکہ اس کو رطوبتِ انی کی صیبت کی میر کے لیے تیار کر دے۔ اس علم کا قلب سے بہت گرا خلق ہے۔ اس کی تمام سرگرمیاں قلب ہی سے متعلق رہتی ہیں۔ اس لیے اس کو علم باطن کہتے ہیں۔ ابو نصر سراج "کتاب الاخ" میں کہتے ہیں۔ "صوفیاد

لہاں ہیں اپنے سے کوئی شخص صوفی نہیں ہو سکتا۔ تصوف تو اصلاح باطن کا نام ہے نہ کہ بیادگی ہوئی کو ذی کا۔"

"ابو سعید ابو الخیر کے مطابق تصوف نام ہے نفس کو غیر اللہ میں مشغول ہونے سے باز رکھنے کا۔"

میں اپنے مضمون میں غالب کو صوفی ثابت نہیں کرنا چاہتا اور ان کی ذاتی زندگی کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کرنے سے ابھی ان کا صوفی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا وہ خود کہتے ہیں۔

یہ مسائل تصوف" یہ ترا بیان غالب

حقے ہم دلی بکھنے" جو نہ ہواہ غرار ہوتا

لیکن تصوف پر ان کے اشعار چاند کر اس ذاتِ عظیم کا احساس ضرور پیدا ہوتا ہے "جو کائنات کو جنت انگیز طریقے سے چلا رہا ہے۔ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی محبت ہی کے ذریعے ہم بلا ہو سکتی ہیں اور نفس کی پیاریوں سے آزاد ہو سکتے ہیں۔"

نہروہ صدی میں بہت مسلمان زوال کا شکار ہو چکے تھے تو اس وقت دلی ایک ایسا شہر تھا جس میں غالب جیسے چند فطرتاً موجود تھے۔ انھوں "مربوں" دیوانوں اور ہائوں نے نوت مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ جب دلی "قل و قدرت" موت مار نور قلم سال کا مرکز بن گئی تو ان حالات نے شاعری کو بھی متاثر کیا اور شعراء فقہ پر حق اور تصوف کے مضامین نظم کرنے لگے۔

ان میں ملک نہیں کہ غالب انسانی احساسات اور انسانی جذبات کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ اس کی بذلہ سخی "دعہ مشرقی"

مثنوی بازی اور شاعری اسے ہر دور کا قبول اور تحسین کا شوق تھا وہی ہے جس نے میرے خیال میں جہاں غالب واقعی غالب نظر آتا ہے 'اس میں اس کی تصوف اور شاعری کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ شاعری بذات خود ایک ایسا عمل ہے کہ اگر اس سے تصویر کشی کا کام نہ لیا جائے تو یہ مصلحت بازی کی رودادیں کر رہ جائے گی۔ غالب کو ہر دور جیسا صوفی شاعر نہیں کہ جاسکتا لیکن ان کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے تصوف اور خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حقائق و معارف کی کتب اور رسالوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔

اعمال صوفیہ مثنوی کہتے ہیں کہ ان کے تصوف اور خیالات نے مرزا کو نہ صرف اپنے ہم عصر بلکہ بارہویں اور تیرہویں صدی کے تمام شعراء میں ممتاز بنادیا۔
یہ شعر ملاحظہ کیجئے۔

ہے فیہ فیہ' جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں بخود ہو جاگے ہیں خواب میں

جس کو ہم شہود کہتے ہوئے ہیں 'وہ حقیقت میں فیہ فیہ' ہے۔ اس کو شہود سمجھنے میں ہماری مثال ایسی ہے 'جیسے کوئی خواب میں خود کو جاگتا ہوا دیکھے۔ غالب چونکہ شکاری اور ہنرمند کا دامن ہرگز نہیں چھوڑتے 'اس لیے انہوں نے اس شعر میں اپنی ذہنی اعلیٰ کی بلندی کا مکمل ثبوت دیا ہے۔

دیا آباد عالم' اہل ہمت کے نہ ہونے سے

بہرے ہیں جس قدر جام و سحر سے خالی ہیں

دیا ایک ایسی چیز ہے کہ اسے چھوڑنے کے لیے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ غالب نے بڑے خوبصورت انداز میں دنیا کی خوبصورتی اور اس کے آباد ہونے کی تعریف بھی کی ہے اور اہل ہمت کے فقدان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

محرم نہیں ہے تو ہی تو لہائے راز کا

یا دودھ ہو چاہے ہے 'پردہ ہے ساز کا

خواہد ہر دور نے بھی تو کہا ہے۔

اسے دودھ اس جہاں میں آکر' صدائے فیہ

بے پردہ جس سے ہونے 'وہ پردہ ہے ساز کا

یعنی دنیا میں ہو چاہے ہیں 'وہ پردہ ساز کی طرح اسرار الہی ظاہر کر رہے ہیں۔

غالب کا یہ مشہور شعر دیکھئے۔

مشرقت فکر ہے' دودھ میں فنا ہو جانا

دودھ کا حد سے گھونرنا' ہے دوا ہو جانا

صرف اور شاعری کا ہر ایک الگ الگ لیا جاسکتا ہے۔

ہر چند کہ دست ہونے' ہمت فانی میں

ہم ہیں تو ابھی رات میں ہیں تنگ گراں اور
 بہت سے لوگ اس شعر کو غالب کی حدت پسندی اور اوپلی روایت فنی کے حوالے سے تخریج کرتے ہیں جتنا کہ سلف ظاہر
 ہے کہ معرفت الہی کی راہ میں تنگ گراں انسان کی اپنی ہستی ہی ہے۔

ہے ہے سرحد لودراک سے اپنا سمجھو
 قبیلے کو اہل نظر قبلہ لٹا کھتے ہیں
 اچا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بھر ہے
 جتنا کہ دہم نیر سے ہوں بچ و تاب میں

نیر سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی میں جس قدر خدا کے بارے میں دن رات بچ و تاب میں رہتا ہوں، اتنا ہی مجھے اپنی
 حقیقت یعنی وجود و ادب سے بھر ہے۔

ہم سوچہ ہیں، تارا نکیش ہے ترک رسوم
 تھیں باب مٹ گئیں، ازلے ایلان ہو گئیں

ہم بھولیں اور مذہبوں کا ترک کرنا ہی سوچہ کے نزدیک اصل ادب ہے۔

بہت وہ جمال دل فرود، صورت سر نیم روز
 آپ ہی ہو نگارہ سوز، پردے میں منہ پھپھائے کیوں؟

اب اراد غالب کے قاری کام سے چند مثالیں دیکھئے۔

دولاب سوچہ ہستی ست زوسار مو
 حراج نیکو، مستی مست، ہو شمار دیا

نیکو سے کی پانچویں مستی ہے۔ ذرا مستی حاصل کرنے کے لیے ذرا ہوشیار ہو کر آنا چاہیے۔

سوز قرا دواں بہرہ در حوشن گرفت
 از دواں، تھنے ہو بگر بہت ام ما

تھنے سوز اور تری آگ کہ جان نے اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔ اب ہم اپنے بگر کو دواں وار کتے ہیں، اصل میں اس پر صحت دیکھتے
 ہیں۔

عالم آئینہ راست، چہ بیوا، چہ خفاں
 تاب اندیشہ ندادی، چہ نگارہ درباب

اگر تو سوچتے سے جاری ہے تو آنکھوں ہی سے عالم کا نگارہ کر، یہ جانیں نگارہ کا یعنی اللہ تعالیٰ کے عینوں کا طہر ہے۔

در گرم دواں سلیہ و سریشہ بلویم
 با اخص از طوبی و کوثر نواں گشت

ہم ہمیں آگے جانے کی جلدی ہے۔ ہم سلیہ و سریشہ یعنی طوبی و کوثر پر آرام نہیں کر سکتے۔

قص و دام را کجا ہے نیست

رحمن دور شد با دل و دست

قص و دام دونوں جانوں کے لیے ایستہ راستے قائم ہیں۔ قص اور دام سے مراد دیتا ہے یعنی پاں دے گرنے کے لیے اور جانور مرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔

یک گریہ بلی از خطہ دو صد گریہ دشاہ

ناگنی کل زہر تو اتم بہ نگور

بہ دو سو مرتبہ رونے کو خطہ کروں تو ایک ایک مرتبہ تو رونے کی اجازت دے تاکہ اس خطہ کے زہر کی کڑواہٹ تو حق سے دور کر سکوں۔

آہر شوق دریاں رہ نہایت نہ دور

کہ وہ انجمن سرایہ بھارت نہ دور

شوق الی کا آہر اس راستے پر نہیں چن کر جو راست چلنے سے ختم ہو کر رہ جائے اور سرایہ بھارت نہ جائے۔

جنس کہ غل بلہ است و سنگ بنیاد

دستہ آگاہ کہ خود دشمنانہ چہ نہ

جب غل اس قدر بلند ہے اور بھل بھالنے کے لیے ہر گامی نہیں ہے تو جب تک بھل خود درست سے نہ کرے یعنی جب

تک جادہ نہایت ہم کو خود اپنی جاد نہ سمجھے یعنی شاد حقیقی اپنی بھلی نہ دکھائے ہم کو کیا فائدہ؟

بھرتہ خیال میں غالب قہر کے کھینچنے سے آشنا تھا اور اس نے انسانی قلب کی واردات و کیفیات کی جس اچھوتے اور انوکھے انداز سے صورتی کی ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ آج کا انسان مادہ پرست ہے اور خدا سے دور ہے "اس لیے اسے سکون قلب" استناد و قرب الہی کے لیے غالب کے صوفیانہ کام کا مطالعہ کرنا ہو گا۔

عس اعزاء مولانا محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں غالب کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

"غالب اگرچہ سب سے پیچھے تھے ہر کسی سے پیچھے نہ تھے۔ بڑی دھوم دھام سے آئے اور ایک نگارہ اس دور

سے بھاڑ کہ سب کے کان گنگ کر رہے۔ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ مگر سب داؤ داؤ اور بھگان اٹھ کھینے رہ گئے۔

مرسلہ جمیم خانہ پنجاب ہائریکٹڈ ری سکول آف سائنس صادق آباد

چودہ طبع روشن ہو جاتے

"تیس دن مرزا کے شاگرد رشید نے آکر کہا کہ حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا۔ عزار پر کوئی کاورست

تھی۔ اس کی تحریر میں نے خوب کھائی۔ کھڑوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھتے تو میں کہتا

طبع ہو گیا۔ مرزا نے کہا اسے مہاں تین کوں کیوں گئے؟ بھرتے بھگواڑے کی بی بی بی بی کیوں نہ کھائیں۔ چودہ طبع روشن

ہو گئے۔"

(مرسلہ آصف حضور پنجاب ہائریکٹڈ ری سکول آف سائنس صادق آباد)

غالب دو سو سال سے غالب

بارون الرشید جمہ سرگودھا

وقت بدل رہا ہے ہر زندگی کو اپنے بہار کے نور سے خلق و عاشق کی طرح بہانے دار ہے۔ وقت کے ایک لمحے کو بھی سکھ راہم اپنے قاصد بھی نہ روک سکے۔ وقت گزر جاتا ہے۔ کتاب وقت اپنے دامن میں یکہ خور کر لیتی ہے۔ ہر سال تک اس کے دامن میں خند رہتی ہیں۔

شاعری وقت کے ساتھ اور عالی منزل طے کرتی ہے۔ ادب زندگی کے چر داہے پر کھڑا ہر وقت کو مختلف اطراف سے دیکھتا ہے۔ مختلف تجربہ کرنا ہے۔ اور مختلف اوقات میں اس کی باتوں "بھرتے تجربات" اور اصول اپنی فریبوں کو پابند شعور آگئی کر لیتا ہے۔ یہی آگئی نور آگئی اور آگئی مستحکم کے ادب کو اپنی آئیے میا کرتی ہے۔

مرزا اسد اللہ خان غالب (۱۸۶۹-۱۹۷۱ء) نے شعور خلق کے ایسے آئیے کثرت کھن لوہ کے لیے دراصلت کے طور پر بھروسے ہیں۔ جس میں ہر دور اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ غالب کے قلم و لہجے پر آج تک کوئی غالب نہ آسکا۔ اور نہ ہی اس کے لہجے کو شکست ہوئی۔ با مہالہ غالب کی شاعری سبھ لہجے کی نمونہ ہے۔
غالب نے کہا تھا۔

مجھ پر معنی کا ظلم اس کو کھینچا

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے!

غالب کیا تھا۔ غالباً غالب کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا۔ وہ نہایت پختہ پیرا لہجی شاعر تھا۔ اس نے روشنی پر چلنے کی بجائے اپنے لیے اپنی راہوں کا قاصد کیا۔ وہ لفظوں "جذلوں" اور فن کا شہسہ تھا۔ لفظ اس کے سامنے ہے جس نور غلام کی حیثیت سے رہتے تھے۔ وہ جس طرح چاہتا لفظوں کو اپنے آئیے میں داخل کر شاعری کو آئینہ دکھاتا۔

تجربیات "استعارات" "تسمیات" اور تراکیب کا سارا لے کر غالب نے اردو شاعری میں وہ میدان کاری کی کہ آج بھی بڑے بڑے شعر اکرام انھیں پڑھیں ہیں۔ غالب نے لفظ کی حرمت کو مزہ چاہا سمجھا اور اسے وقت کی قربان چھوڑ کر قربان ہونے سے بچایا۔ غالب نے روایت سے انحراف کرنے کے باوجود روایت کی روح کو مرنے نہ دیا۔

غالب کو عرف عام میں مرزا نوٹہ کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ اپنے تاج گل کی وجہ سے مشہور ہے کیونکہ شاہ جہان نے اپنی محبت کو امر کرنے کے لیے یہاں ایک تاج گل بنوایا یہ تاج گل ممتاز گل کی یاد کو اپنے دامن میں سینے ہوئے ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر وہ اپنی طوطی خلق پر اس لیے بھی باز کرنا چاہے کہ یہاں حسن ادب "شہسہ نواز" "خدا اے" "خون مرزا اسد اللہ خان غالب نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنم لیا۔ "اے مرگ ناگہی تجھے کیا انتظار ہے" کہتے ہوئے ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء کو ۳۷ برس کی عمر میں وفات پاگئے۔ غالب مقلد نہیں بہتہ تھے۔ انہوں نے تقلید کی بجائے نئی راہیں تراشنے کا فریضہ اہمام دیا۔ انہوں نے شاعری کو روح آگئی ہی نہیں بلکہ مذہب سلیبی کی اور فردا کی قرار دیا۔ ان کے پاس تنقیدی شعور زندگی میں آسودگی المیہاں و سکون کا

پیام، حیرت، صداقت، تمس، ایک لطیف، ادبی، نثر، ہے جتنی 'انفرادیت' اور 'تمس' میں قویطیت نظر آتی ہے۔ مس و خلق کے بارے میں بھی وہ ہوس پہنچی اور سودستی کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ تخلیق فن و دراصل خلق صادق کی تڑپ، اور شعلہ سوزی سے پہلے چمکتا ہے۔ جس طرح شمع یا قلم لکھنے کی قسمت، تحریر کرتے ہیں۔ اسی طرح شاعری کا لکھنا لوب میں اہمیت کا حامل ہے۔ اور غالب کی شاعری کا لکھنا طوفان بکری کی قسم ہے۔ جس نے داعیت اور سلی غاریت دونوں کے ہر چھوٹے سے نکل کر عالم گیر ہڈیوں کی لٹاؤ کی ہے۔ اسی لیے غالب کی نثرل حدت دل سے بڑھ کر حدت زندگی کا روپ دھار چکی ہے۔ اس نے انھوں کے بے کراں سند سے آفاقیت کا دروازہ کھول کر طود کو، کربے کراں کر دیا ہے۔

ابن کی شاعری کے اشارے اور علامتیں ان کے فن میں بے رنگ اور بے آہنگ کا سہج ہیں۔ غالب کو ماضی، سچ، فلسفہ، مقرر، ماہر نفسیات، ماہر اخلاقیات، حکیم، وقت، پائیدار وقت تسلیم نہیں کیا گیا لیکن ان کی تخلیق پرواز اور فلسفہ حیات پر سننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں بڑی بڑی کھینچا، فلسفیانہ باتیں کی ہیں۔ خیالات کی عورت اور جدت غرازی مصل شاعرانہ نہیں بلکہ کھینچا بھی ہے۔ زندگی کی آرزو، تجلیات زندگی، ہوش طبع و عرفان اور فطرت میں مصروف ہو کر غالب نے تجلیات و حقائق کا ایک طوفان دریافت کیا ہے۔ لکھا وہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

آئے ہیں فہم سے یہ مہمان خیال میں

غالب جو غار فرائے سروش ہے

غالب کی سمیت ہی پر نہیں ہیں ہر بات ایک نازک و روپ لے ہوئے ہے۔ ہر شعر جہاں معنی ہے۔ مکی اشعار کی تخریج ایک ایک کتاب کا پھنسا کر لی ہے۔ اس کے خیالات کی وسعت ایک محشر خیال ہے۔ وہ ظن و جلوت میں وسعت خیالات کا ایک ایسا طوفان دکھاتا ہے کہ لفظ خیالات کی آوری سے اور خیالات لفظوں کی آوری سے بڑھے قرعاس پر ٹکرنے لگتے ہیں۔

کس کو بارغ میں جانے سے روکو

باقی خون ہونے کا ہو گا

ظاہر ہے کہ یہ شعر کتنا سادہ ہے۔ لیکن وسعت معانی کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ شاعر کی بھی کا بارغ میں جاننا پھولوں پر چھٹنا، پھولوں کا دس چھٹنا، پھر کسی درخت پر اس دس کو پچھنے کی شکل دے دینا۔ شاعر کی تخیل کا پتہ جہاں پر آجانبہ شاعر کا خیال اور موسم کا لکھنا، موسم سے موسم حق بننا، موسم حق کا چھٹنا پروانوں کا اس کے گرد گھومتا اور پھر حق پر جان دے دینا سمیت بڑے عوامل ہیں۔ اس لیے غالب کہتے ہیں۔

کس کو بارغ میں جانے سے روکو

باقی خون ہونے کا ہو گا

غالب کے کلام میں گہرائی، سلی صبح، وسعت خیال اور عورت، جان و جان غالب کے اس شعر سے بخوبی عیاں ہوتی ہے۔

فصل فریادی ہے کس کی شری قریب کا

کافری ہے جہاں ہر کچھ قصور کا

روحان غالب کا یہ پہلا شعر جو بھی ہے اور مگر بھی اپنی رنگ کا اعتبار بھی ہے، قصہ و داستان کا شہکار بھی ہے۔ ایران کی

رسم سے لے کر انسان کی بے ثباتی "دنیا میں فریاد کرنے کا انداز اور فطرت سے اس بات کا شعور کہ انسان کی اپنی آواز بھی اختیار نہیں کر سکتا اور وہ ایک جیلے کی حیثیت رکھتا ہے۔

دست اگر قبول کرے کیا بھی ہے
شرم کی سے حد نہ کرنا سکھو آ

غالب کیا ہر انسان کی فطرت کی اور جذبات کا اعتبار ہے۔ جیسا کہ لوہے کا کیا ہے کہ غالب نے سوانحی کی پتلو داری میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کا کلام مجموعی طور پر انسانی جذبات کا لکھنا ہے۔ انسان کے انسانی پتلوؤں پر غالب کے یہ دو اشعار انسانی چارٹر کے اہم ترین ازا ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں۔

دوستوں کو برا کہے کوئی
دوستوں کو برا کہے کوئی
دوستوں کو برا کہے کوئی
دوستوں کو برا کہے کوئی

دیکھتے ہیں یہ دونوں اشعار سادگی کا سرچشمہ ہیں لیکن تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کا ہر پہلو ان اشعار میں شہید ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ غالب کے کلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ شہید حقیقی ہے خود سے معذور اور ہر چیز میں اس کا شعور ہے۔ برا ہوا سہوہ دار گناہ گار کی گردش، مجبور واداس کے ہنگامے۔ دریاؤں اور سمندر دہلی کی حاکم خیر سوہیں کا طوفان اور وسیع فضا اور دھار دھار کے پہاڑ کی بھاری برسات کی رینگنیاں "اجلی کریمیں" غلوں کا "ہم" پہلوں کی چھبھٹ "بچوں کی سربراہت" فطرت کی نالی "مولا بہت دیر کے مظاہر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مظاہر ہیں۔

دور ۷ جہاں بیکانی مستحق نہیں
ہم کہیں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودیں

غالب ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ

بچہ تھو بن نہیں کوئی مودود
مگر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سہوہ دار گل کہیں سے آئے ہیں
اور کیا جج ہے ہوا کیا ہے

شک سے شک مضامین کو ان کے حوالے میں جان کرنے کے علاوہ ان اشعار میں غم و اہم کے باوجود خوشی کی کرن نکلتے نظر

آتی ہے۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی روائی
خود غم ہی کج "نہ شادی نہ سی

یاد رکھتے ہیں۔

رنگ سے فکر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنگ
ظہیں اچھی پڑیں مجھ پہ کہ آسمان ہو گئیں

غالب کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے۔

دردِ دل و غمِ دلِ ہائے طلبِ نصرت
اور غمِ دلِ گوہرِ ثایاب کو جلتی

غالب کا یہ شعر کی روحِ الوں پر حاوی ہے جس میں زندگی کا ہر واقعہ اور حالاتِ حق کی دعوت دی گئی ہے۔

قصیدہ گوئی میں بھی غالب اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ قصیدے پر نازل کا رنگ غالب ہے لیکن اپنے موضوع کو پیش کرنے میں غالب نے اپنا طلبِ قائم دکھا ہے۔ غمزدہ فنی کی جولانیاں ان کے خطوط میں بھی موجود ہیں۔ اردو نے سلی "ان کی فکر اور ان کی خطوط لکھی کا بیجا چاکنا ثبوت ہیں۔ غالب کے خطوط غم و دردوں اور غمِ جاہلان کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ کی داستان ہیں۔ ایک ایسی داستان جس میں ہر صلیبِ پاک و بد کے سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، ادبی اور ثقافتی حالات اپنی اپنی جگہ آئینے کی مانند ہیں۔

غالب کی پین اٹل کے دو سو سال کا جشن اعلیٰ علم و عقل سے ایک سوال کرتا ہے۔ کہ غالب کے بعد اس جیسا ہر جنتِ شامروا لوب لب تک کیوں نمودار نہیں ہوا۔ سچی بات ہے کہ غالب پر غالب آنا ناممکن ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والا کل بھی غالب کے غمزدہ فنی کو دونوں ہاتھوں سے سلام کرے گا۔

"غالب ہم سے اس دنیا میں"

"پہلی زندگی میں دو صدیوں کی شہرت کے کھیل دیکھے تھے مرنے کے بعد اپنی شہرت کے کھیل دیکھ رہا ہوں۔ وہ
زندگی کی ستم خیزی تھی یہ موت کی پیچھے ہے۔

پہنچتے ہیں وہ غالب کو
کوئی سزا کم ہم سزا نہیں

(مرحلہ کاشفِ جناب بازیکٹر دی سکول آف سائنس صادق آباد)

"غالب کو محسوس رہا تو میں یہ کہ ان کی پوری قدر اپنے دور میں نہ ہو سکی اور حسرتِ رہی تو یہ کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق رنگِ گلِ قہیر نہ کر سکے جس میں وہ ہر سکونِ زندگی گزار سکتے اور یہی حسرتِ قہیر دل میں لے لے اس دنیا سے رخصت ہو سکے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دورِ غالب نے اپنے شعروادوب میں اختیار کی حتیٰ اب بھی اس پر کسی کا دردانِ غم و غمزدہ فنی نہیں اور اسے غالب کی روحِ خمیری اور وسیع الطہری کا ایضاً نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے۔" (سلطان صدیقی، نقوشِ غالب نمبر ۳ ص ۱۸۰)

(مرحلہ حافظ محمد شاہد جناب بازیکٹر دی سکول آف سائنس صادق آباد)

نالہ حزن انگیز بروقات غالب

مولانا الطاف حسین حالی

غالب نے جب کہ روضہ رضواں کی راہ لی
 ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
 اس دن کچھ اصل شر کی افسردگی نہ پہنچے
 عاشق کا دل بھی یاد سے اس غم میں سرد تھا
 حالی کہ جس کو دعویٰ حکیمین و ضبط ہے
 دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
 تھا مگرچہ اک حضور ہندوستان نژاد
 عرفی و الوری کا مگر ہم مجبور تھا
 اس قافلے میں آ کے ملا گو وہ سب کے بعد
 انگوں کے ساتھ ساتھ مگر وہ نور تھا
 میں اور صبح و شام یہ اندوہ بانگزا
 دل تھا کہ فکر سال میں ہے صرف گرد تھا
 نگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا
 سچ ہے کہ خواجہ راجہائی میں فرد تھا
 تاریخ ہم نکال چکے پڑے بغیر فکر
 حق مغفرت کرے جب آزاد مرد تھا

وفات غالب بروز شنبہ بعد از دوپہر تاریخ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء مطابق ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ

غالب

علامہ محمد اقبال

نظر انسان پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے
 ہر مرغِ تخیل کی رسائی پہنچا
 تھا سراپا روح تو ہر دمِ خنجر ترا
 زہبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی مخلوق ہے

ہی کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

نظر کو سو ہزار ہیں تجھے لبِ افکار پر
 کو حیرت ہے شراِ رفعت پر دانہ پر
 شہدِ مضمونِ تصدیق ہے ترے انداز پر
 قصہِ زان ہے نچھو دلی گلِ شیراز پر
 آہا تو اڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے

گلشنِ ویر میں تیرا بہنوا خواہیدہ ہے

لفظِ گویائی میں تیری ہنسی نہیں
 ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نہیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرزمین
 آہا اے نگارہِ آسوزِ نگاہِ کتبہ میں

گیمونے اردو ابھی منتِ پتھرِ شمشادہ ہے

شعِ یہ سودائی دلِ سودائی پر دانہ ہے

اے جہاں آہو اے گوارہِ ظلم و ہنر
 ہیں سراپاِ نالہِ خاموشِ حیرتِ بامِ دور
 درے درے میں ترے خواہیدہ ہیں خس و خمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گمر

دلی تھ میں کوئی فکرِ روزگار ایسا بھی ہے

تھ میں پنہاں کوئی موتیِ آہوار ایسا بھی ہے

خراج عقیدت

بکر مراد آبادی

لازمیہ کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات
 اے وہ کہ تری ذات گمراہی پہ ہم رنگ
 اے وہ کہ تری فکر پہ ہر طرف و پہ ہر صنف
 اے وہ کہ ہر اک لفظ ترا لفظ فطرت
 اے وہ کہ ترے مجھڑ جنم لب سے
 ہر پھول ترے پانچ کا فردوس پہ دامن
 اہلیم غنی ہے ترے اعجاز غس سے
 اک گوشہ دامن میں ترے دہرہ بچوں
 تھے ملک غنی میں ترے ہم عصر بزرگوں
 تو قلم میں بھی عز میں بھی مجتہد العصر
 تو نے اے مجاہد کونین سلا کی
 مرقی و نظیری و غوری و خانی
 لازمیہ کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات

افسانہ ہم رنگ و حقیقت ہم رنگ
 قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ
 ہم شطہ و ہم خیمہ و ہم شیشہ و ہم سنگ
 اے وہ کہ ہر اک فعل ترا روکش اردنگ
 اک جنت شاداب ہر ایک لفظ ہے دل نگ
 ہر خار ترے دشت کا نگشت شفق رنگ
 ہم لفظ ہم شیشہ ہم گھٹ ہم رنگ
 اک موج غس بھی تری رقصاں ہم رنگ
 تھا تھی تری ذات مگر صاحب اورنگ
 لیکن وہ ہے حدود کہ جس کی ہے نظر نگ
 ہر چہ بہت قفا بھی دہان نزل نگ
 تیرا کوئی ہم سرا نہ تیرا کوئی ہم آہنگ
 افسانہ ہم رنگ و حقیقت ہم رنگ

الحق کہ تری دست قلمی کے آگے

مرا کف جاکٹر و گلشن قلم رنگ

غزل

احسان دانش

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا۔۔۔ غالب

صبح نے لوبا لوبا طبع کی عویر کا
 دانقہ کتنا ہے تلخ اس خواب کی تعبیر کا

سکراتی ہانپتی تھی بارش رنگ جنوں ہانک کا ہانک تھا ہر طوق میری زنجیر کا
 جب پریشانی کی رت آئی تو آنکھیں کھل گئیں تھا ستاروں سے بھی رشتہ ہاتھ کی تحریر کا
 برق کے تپنے نے کانٹے ہیں گنڈاؤں کے پہاڑ کس سے رکتا راستہ سورج کی جوئے شیر کا
 صرف آنکھوں کی کھٹک کانٹوں میں دس بھری رہی جب کھلے معنی اجالا بھگ گیا تحریر کا
 پشت کی دیوار پر بھیلی ہے زنجیروں کی تہل کرکڑ کا خون خاکہ بن گیا تقدیر کا
 جب کہ میں اپنے مصور کا ہوں شکار قلم میرے آئینے میں دمب آئے کیوں تصویر کا
 وہ گئی صرف اس یقین سے مٹنے کی آمد خود ہی مل جائے گا جو ہوگا مری تقدیر کا

دانش آئینے میں بچپن ہے نہ وہ دور شباب

توہ توہ یہ بھی اک رخ تھا مری تصویر کا

”مکاتیب غالب جدید نثر نگاری کا بہترین نمونہ“

انعام اللہ انعام بھادونگر

جدید اردو نثر نگاری کا سنگ میل اور اصل غالب ہی نے رکھا۔ ابھی ہوئی اور پر چھ کی بجائے غالب نے سیدھے ساوے انداز میں اردو نثر ”خطوط غالب“ کا آغاز کیا۔ وہ اپنی شخصیت اور طبیعت کے اعتبار سے دوسرے بھی تھا۔ غالب پر آنے والوں میں چنے کا عادی نہ تھا۔ ان کی تخلیق حس یا قوت بڑی طاقتور تھی۔ وہ ایک مشکل بات کو سنے انداز میں اور آسان طریقے سے کہہ دیتا تھا۔ اردو نثر اس سے پہلے نثر کی بجائے شاعری معلوم ہوتی تھی۔ جیسے ملا دہی کی ”سب دس“ کو بھی اردو نثر نگاری کا ترقی یافتہ اور ممتاز نمونہ قرار دیا گیا ہے اس سے قبل اردو نثر میں لہجے کا دیہاتی پن موجود تھا۔ لیکن بعد میں آہستہ آہستہ اردو نثر ترقی کرتی گئی۔ غالب نے تو اسے ساوے اور آسان زبان بنا دیا۔ اپنے دوستوں اور احباب کو خطوط کی شکل میں نثر کے نمونے دیئے۔ ان کے مکاتیب میں سلوکی و سلاست ہے ساتھ ہی اور ساوے اور طاقتور ہے۔ اردو نثر کے تمام کائنات موجود ہیں۔ ایک خط میں اس انداز تحریر کے حلقے لکھتے ہیں۔ ”میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے بڑا دوس سے زبان قلم باتیں کرو۔ بھر میں وصال کے سوزے لیا کرو۔“

میر صمدی بخروج کے نام ایک خط کو کہہ اس طرح سے شروع کرتے ہیں:

”مار والا میری جواب طلی نے“ غالب کا یہی انداز تحریر ہے جس نے اردو نثر نگاری کو جدید نثر نگاری میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے اس انداز تحریر میں جدیدیت پیدا کی جس سے ان کی تحریر میں ایک کشش پیدا ہو گئی جو چھٹنے والے کو لطف دے جاتی ہے۔

یوسف مرزا کے نام ایک خط میں یوں رقمطراز ہیں:

”کونسی ہے۔ ذرا یوسف مرزا کو بلائیے۔ لو صاحب وہ آئے۔“

یہ ذرا بھائی کیفیت اور یہ جدید نثر اردو نثر میں ایک انقلاب ہے۔ غالب کے اس جدید انداز تحریر نے جدید اردو نثر نگاری کو ایک شکل عطا کیا۔ اس سے اردو نثر کو ہلکا پھلکا اور رواں انداز ملا۔

یہ بات بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ غالب کے انداز تحریر پر فارسی کے اثرات ہیں لیکن اس سے ان کی نثر مشکل کی بجائے رنگین نظر آتی ہے انہوں نے قدوری اور فطری طریقوں کو اعلیٰ کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب کی نثر جدید نثر نگاری کے تمام تر خاکے پر مبنی کرتی ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ خط نگاری ایک کٹر دہریہ سی چیز تھی ہے لیکن بعض لوگوں نے اسے آہستہ آہستہ مرزا غالب وہ پہلے قلمیں ہیں جن کی زندگی کے چرے حالات خطوط کے درجے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ میرزا کے جدید انداز نگاری کی یہ خوبی ہے کہ وہ بے تکلف لکھتے تھے وہ الفاظ و محو لے کی بجائے عام ادبی بول چال کا سارا لہجہ تھے مرزا سے پہلے کسی نے بھی خط و کتابت کا یہ انداز اختیار نہیں کیا تھا۔ میری صمدی کے نام ایک خط میں اس طرح لکھتے ہیں:

”آپا آپا۔۔۔۔۔ میرا بچا راجہ صمدی کیا“ آؤ بھائی“ مزاج تو اچھا ہے۔“ جملہ۔“

خدا انہیں عطا کی گئیں ہیں۔

”میری جان عطا ہی ہے وہاں“ ”جان غالب مگر جسم سے نفی ہوئی جان۔“

اس انداز نے واقعی مراصلے کو محال بنا دیا ہے غالب نے اپنی عرفیت طبع سے کام لیا ہے اور اپنے خطوط میں بذلہ نسخی اور کھٹکی کے پہلو دکھاتے ہیں۔ ماہ رمضان میں ایک خط کا انداز تحریر اس طرح ہے۔

”پانی“ جتنے اور روٹی کے ٹکڑے سے روزے کو بھلا تا ہوں۔“

انہوں نے اپنے خطوط میں برائیت نگاری اور سحر شکنی بھی کی ہے جو کہ آج کے کسی بھی انسانے یا طالب کی خصوصیت ہوئی ہے۔ ایک خط کا انداز کہ اس طرح سے ہے۔

”قرع قمر ۱۲ ہجری یہاں مقام ہے۔“ ”تو جگہ گئے ہیں۔“ بیضا حقہ پی رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔“

میر صدی بخروج کی گئیں ہیں:

”میں یہ مجرا اجتماع اس خبر کے خاک میں بیٹھ کر گیا۔ ان کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر خاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں۔ مگر چٹنے کو کیا شکل کو آیا“ ”آج بدھ دوام فردی ہے۔ مجھ کو آنے ہوئے تو ان دن ہے۔“

نذر کے بعد ایک خط نعت کے نام اس طرح لکھتے ہیں۔

”تم پر اس کی مثال اس وقت کھلی اگر تم یہاں ہوتے اور یکایک قدم کو بھرتے چلتے دیکھتے۔ صورت ماہ وہ بند کی سی۔ اور کہتے۔ چلے۔ پچھلے لیر لیر ہوئی فونی ہوئی۔“ ”غالب کے خطوط سے اس وقت کے حال اور ان کی ذات سے حقیق بھی چہ چتا ہے۔ مرزا نعت ہی کو ایک خط میں اپنے شب و روز کے حقیق لکھتے ہیں:

”میں جس شرمیں ہوں۔ اس کا نام بھی وہی اور اس کلمے کا نام لی بادوں کا نغہ ہے جسکی ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ دلف و صوفی نے اس صلاحت اس شرمیں نہیں ملتا کیا اسیر کیا غریب کیا اہل حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں خود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔“

ان مثالوں سے ہم اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اردو نثر غالب کے ادبی لحاظ سے حاشا ہوئی ہے اور ان کے خطوط ہدیہ اردو نثر کا سر بولہ ثبوت ہیں۔ انہوں نے اپنے خطوط میں اپنی دلی کیفیت کو سیدھے سادے اور بے تکلف انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے اس انداز تحریر میں جو سادگی، تاثیر، طعناں اور حسن ہے وہ شاید ہی اس زمانے اور اس زمانے سے قبل اردو نثر میں ملتا ہو۔ اس لحاظ سے ہم غالب کو جدید خطوط نگاری کا نام بھی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے نثر نگاری کے اعتبار سے اردو نثر میں بغاوتیں بھرا ہے اور اسے جدید سادہ اور سلاست سے لہجہ کیا ہے انہوں نے پرائی روٹی کو بھوڑ کر دیا، تڑکا تڑکا کر بھڑایا ہے۔

غالب نے القاب و ادب اور مزاج پر ہی کا قدم طریقہ ترک کر کے نئے طریقے ایجاد کیے ”ہاں صاحب تم کیا چاہتے ہو۔“ ”ماں“ ”برطو دور“ ”بندہ پرودہ“ ”یہ مرضہ“ ”بھائی صاحب“ ”ان کے خطوط ان الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔ مجرا غالب کی نثر میں مقالہ نگاری، مقالہ نگاری، ”دارا“ ”راجہ راجو“ آپ بیتی، تنقید کہانی بھی خصوصیات ہیں۔ کسا جاتا ہے کہ اگر غالب کچھ بھی نہ ہوتے صرف اپنے خطوط بطور یادگار بھوڑ جاتے تو بھی انہیں دوام حاصل ہو جاتا۔

اردو نے حق کے انداز تحریر کے حقیق میر صدی لکھتے ہیں

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

ملکِ غلامِ صابر

مرزا غالب کا شمار ان عظیم ادبی ہستیوں میں ہوتا ہے جو جدید عالم پر بحث سے انتہا نفوذ پھوڑ جاتی ہیں۔ مرزا غالب کو اس جہانِ فانی سے ہم کو سدھارنے دو سال کا طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر آج بھی ادبی محافل میں ان کے اشعار زورِ بحث آتے رہتے ہیں۔

انہوں اس بات کا ہے کہ پاکستان میں اردو ادب کا غالب علمِ غالب کے صرف چند ادبی معاشی اور معاشرتی رویوں سے آگاہ ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر کتنا بڑا انسان ڈھنسا ہوا تھا اور نہ ہی کوئی اس کے اور ملک کی سہی کرتا ہے۔ ادبی دنیا سے حلقہ ہر شخص اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ مرزا غالب کی شاعری اور ان کی ذات پر جو تحقیقی کام بھارت میں ہوا ہے، اس کا محض ٹھہر بھی پاکستان میں نہیں ہوا۔ گزشتہ چند سالوں میں بھارت میں غالب اکیڈمی کے قیام و تبلیغ کیلئے پر تاریخی دستاویزات اور ادبی شخصیات کے حوالے سے گرانقدر تحقیقی کام ہوا جسے انہوں نے نہ صرف مطبوعات میں بلکہ محفوظ کیا بلکہ مختلف کورسوں سے غالب کی معاشی و معاشرتی زندگی کو بھی اجاگر کیا۔ یہی دیکھ کر کہیں میں جن کا دودھیہ تقریباً "چھ گھنٹے بنتا ہے کے ذریعے مرزا غالب کی ادبی اور گہرا زندگی جیسے دلچسپ اور موثر انداز میں پیش کی ہے جس کے بعد اب اب کے شوگر غلام، مساجد اور بحث سے دوسرے افراد بھی غالب کو بڑا انداز میں جانتے اور پہچانتے لگے ہیں۔ پاکستان ٹیلی ویژن نے بھی ایک دو پروگراموں میں تجھے ہوئے ٹی۔ وی کی ریکارڈنگز اور قومی خلیں کے ذریعے مرزا غالب کو عام لوگوں سے حصارف کو لانے کی کوشش کی مگر غالب کا صحیح حق ادا نہیں کر سکے (بہرہ وہاں نے بھی اپنی مسلم دشمنی کی وجہ سے کہیں کہیں ذاتی ضرورہ داری ہے) اگر مرزا غالب کی معاشرتی زندگی کے حوالے سے کسی طالب علم سے پوچھا جائے تو اس کے ذہن میں غالب کا جو نقشہ فوری طور پر ابھرتا ہے اس میں مرزا غالب ایک متوکل اللہ شاعر کے روپ میں نظر آتے ہیں جو شراب کے دہانے میں "قرن لیکر داہیں نہیں کرتے" فضول قربانی ان کی نفرت میں شامل ہے۔ آم کھانے کے شوقین ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ادبی تحقیق کے حوالے سے بھی آج مرزا غالب کی چند مشہور زمانہ نظموں کے سوا اپنی شاعری سے بحث کم لوگ واقف ہیں اور وہ کی اپنی ڈگری حاصل کرنے والا طالب علم بھی غالب کے چند اشعار (جو ضرب المثل کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور زبانِ دوام ہیں) کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ غالب جیسے عظیم شاعر پر مروت انسان اور منظرِ عظیم نگار سے سراسر زیادتی ہے۔ بغیر جانچ اور تعصب سے ہمراہ خود یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر مرزا غالب نہ ہوتے تو شاہِ اقبال بھی اقبال نہ ہوتے۔ اگر ہم تاریخی شواہد اور مرزا غالب کی زندگی کے حقیقی مطالعے کے بعد دوبارہ رائے تقریباً کریں تو یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ

ہیں اور بھی دلا میں حضور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

مرزا غالب پر تاریخی تحریک تھے ان کے دواغہ شاعرِ عالم میں ہندوستان وارد ہوئے۔ ۱۸۷۴ء میں آگرہ میں عبداللہ بیگ سے گواہی دینے کے لئے گئے تھے۔ ان کا مرزا غالب کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی۔ جاگیر پر قبضہ ہونے کے بعد فیروز پور تھوڑا

کی ریاست سے سات سو روپے سالانہ بخش پر گزارا ہونے لگا۔ غالب کی مغربی میں باپ اور بچائی کی وفات کے بعد اہم کمریلہ ذمہ داریاں مرزا صاحب کے کندھوں پر آچکی تھیں۔ تألیفات جیڑی خوشنوی سے بچاتے رہے۔ ۱۳ سال کی عمر میں لہارو کے مرزا امین بخش مسروق کی بیٹی امیرزا بیگم سے شادی کے بعد کمریلہ ذمہ داریاں فوراً بند کرلیں مگر آمدنی میں اضافہ نہ ہوا۔ دہلی کی طرف ہجرت کے بعد سلسلہ امیال بھی بند گیا۔ ہوائی بھی ہوئی پر قحطی، خدمت گاہوں اور عزیزوں کا بلی ہو رہی تھی۔ ان حالات میں معمولی بخش پر گزارا اور پھر وضع داری کو قائم رکھا۔ غالب ہی کا غالب کمال ہے۔ انتہائی باسائیم حالات میں بھی دوستوں، عزیزوں سے منہ نہ موڑنا غالب کی عظمت کی دلیل ہے۔ ۱۷۵۵ء کی جنگ آزادی کے بعد تین سال کے لیے بائیں کاہنہ نہ جانا، تین بیٹوں کا مغربی میں ہی فوت ہو جانا، اولیٰ داخل اور شعری ہائس کا ختم ہو جانا، خود میں قریبی دوستوں اور عزیزوں کی پاکست، قرض خواہوں کا قہقہا، سب ایسے حال، حقائق ہیں جنہوں نے غالب کی زندگی میں اظہار سے بھر دیئے مگر غالب کے جوہلے کا کمال دیکھیے کہ سب کچھ کمال جذب سے برداشت کر گئے اور اپنی فوری خوشی اور عرافت کا دامن نہ چھوڑا۔ اپنی سزا اور ظلم میں ایک ایسا متغیر اسلوب چھوڑ گئے جو آج بھی اردو ادب کے محققین اور خوش بینوں کے لیے مشکل رہا ہے۔ ”دعائیں، تاریخ اردو“ کی طبع دوم میں یہ الفاظ آج بھی درج ہیں کہ اردو ادب پر مرزا غالب کا احسان عظیم ہے انہوں نے خطوط نگاری میں ایک نئی طرح ازال انہوں نے القاب و آداب، مزاج پر ہی و تہذیب نگاری کا قدیم دستور جس سے اعراض کرنا، روانہ نہ کرنا جانا تھا، نیکر ترک کر دیا۔ ”میرے دل کے گھن“ ”بندہ پرور“ ”بیر و مرشد“ ”پارہ مار و افلا“ ”میری جواب طلی“ نے ”و فیروہ کے الفاظ سے خط کا آغاز کرنا غالب ہی کے لیے مخصوص تھا اور ان کے لیے جو کار، آج تک بھی زبان استعمال کر رہے ہیں جس سے قلم میں حسن پیدا ہوتا ہے مرزا غالب کی اردو شاعری اور سزا نگاری پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے مگر ان کی فارسی شاعری پر بہت کم اہل علم و دانش نے غم افگیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا غالب کی فارسی شاعری کا ذکر کیے بغیر اور اس کا مطالعہ کیے بغیر مرزا صاحب کی شاعری پر غم افگنا بہت بڑا ظلم ہے تین چار دہائی پہلے تک غالب کے فارسی اشعار نقل کرنے اور دور ان محکمہ استعمال کرنے کا چلی عام خاتر مگر وہ صورت حال نہیں ہے اس کا اہم سبب فارسی سے انکار، برباد افغانی ہے حالانکہ فارسی زبان ”اردو کی جڑ ہے اور بڑوں کے بغیر کوئی درخت کھڑا نہیں ہو سکتا“ بنیادوں کے بغیر کوئی عمارت نہیں اٹھ سکتی۔ ایران میں شیعہ عرب دشمنی کے باوجود فارسی میں اگر ہی حاصل کرنے کے لیے عربی پڑھنا اور جانا ضروری ہے انگریزی ”مطالعوی اور فرائضی ادب“ پر عبور حاصل کرنے کے لیے یہ جتنی اور لاطینی زبانیں پڑھنا ناگزیر ہے تو فارسی کے بغیر اردو کس طرح پڑھی اور پڑھائی جا سکتی ہے، کس طرح سمجھی جا سکتی ہے۔ نام نہاد محققوں، دانشوروں اور پروفیسروں نے فارسی سے اپنی جہالت اس طرح چھپائی کہ غالب کے اردو کام ہی کو پورا غالب قرار دے دیا حالانکہ اپنی ساری تکت، آفرینوں اور محظوظ لائقوں کے باوجود غالب کا اردو کام اصل ایک نرط ہے جبکہ اصل غم نہ اس کا فارسی کام ہے اس کے فارسی اشعار کی تعداد گیارہ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے جبکہ نے غالب کو غلام دی اور عربی کا ہم پایہ قرار دیا ہے کچھ اہل علم تو یہ رائے دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں فارسی شاعری کا عہد دریں ایک ترک (امیر خسرو) سے شروع ہو کر دوسرے ترک (غالب) پر ختم ہو گیا۔ غالب ہی کو یہ دعویٰ فریب دیتا ہے کہ

نزدل من بہ ہماں بعد یک ہزار دوست

محمود، مسعود و مسعودی بہ مشکل صد و پنجاہ

غالب کا یہ شعر فارسی ادب میں ان کو بیٹہ زندہ رکھے لگا

غالب شائستہ خواہی بہ چہاں گزاشی

میں ذات پاک مرتبہ دامنِ حق است
ایک اور جگہ غالب متوازن معاشرے کا خواب دیکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گزار را اگر نه شرف گل بهم نه
دودیش را اگر نه عمر شام بن دم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے آج کے سکول تعلیم غالب میں کوئی کروار ادا کر سکیں گے؟ کیا لوہے پلٹے کے بچے جو انٹکس میڈیم سکول میں محنت کتب جتنے پر سحرانی کے کر سیکتے ہیں غالب کو سمجھ سکیں گے؟ تو اہم لوہہ زبردستی کا شکار ہمارا معاشرہ مرزا غالب کے کام کا قحط کرے گا؟

اگر سوچو وہ صورتحال برقرار رہی تو فارسی شاعری کی طرح غالب کا اردو کلام بھی قصہ پارینہ بن جائے گا اور مرزا غالب کی روح پاکستان کے گلی کوچوں میں شاید یہ شکوہ کرتی بھرے کہ
عاست ہے تہم ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

مرزا غالب کی "قلمی زبان" نے لوگوں کو ایسا برا فرقہ خیز کر دیا تھا کہ وہ اب تو غیر درکنار "انکس زبان و ادبیات" پر اتر آئے تھے براہیلا کہتے "گایاں دیتے اور قلمی خا لکھتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ مرزا صاحب کے پاس سوانا عالی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خدا اسی قسم کا آکا مرزا صاحب نے اتفاقاً سوانا عالی کو دیا کہ اس کو سکول کر پڑھو۔ سوانا نے پڑھنا شروع کیا اور ایک جگہ پر خط میں میں کی کھلی بھی کسی تھی سوانا کو پڑھنے میں شگفہ ہوا تو مرزا صاحب نے ان کے ہاتھ سے خط انھیں لے اور خود پڑھ کر کہنے لگے۔

"کم بختوں کو گایاں بھی دیتی نہیں آتیں۔ بڑے بڑے اوجیز کو اس کی گالی نہیں دیتی جا ہیے بلکہ بیٹی کی۔"

ایک مرتبہ رمضان شریف کا مہینہ ختم ہونے کے بعد مرزا صاحب قلعہ لگے تو بیلور شاہ ظفر نے پوچھا:

"کسے مرزا صاحب! آپ نے کتنے روزے رکھے؟"

مرزا انوش نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا۔

"بچہ و مرشد ایک نہیں رکھا۔"

بیت الحکمت صادق آباد کا گوشہ غالب

گوہر ملیسانی

حصولِ علم میں قلم اور قلموں کی اہمیت عمر میں اٹھس ہے۔ فکر انسانی انہیں کے قلم سے نمودار ہوئی۔ اللہ راجہ تہیات کی حراج بے پایاں صدیوں سے انہیں کے دریغ غفل ہوئی جلی آ رہی ہے۔ حکمت سے معمور انہیں اپنی تعلیمات کو انہیں دسواں کے دریغ پر اٹھ جاتے اور ملایان علم و آگہی کے شعور کو ذریعہ کرنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔ یوں کتاب نے جنم لیا اور بحرِ تعلیم و صحرایِ ضرورت کو چررا کرنے کے لیے کتب خانے معرض وجود میں آئے۔ علم کی دنیا میں تحقیق کا کردار انکار کو ایک تسلسلِ حقا کرنے اور تخلیق کی دنیا کو شواہب خانے میں ہے۔ اہم ہے۔ شعور کی پتلی نے کتاب کی اہمیت کو نور اہاگر کیا۔ اس طرح علم دوست صاحبانِ اقتدار، حکومت کے سرور آوردہ، لکھندگان اور خود طلبے کرام نے کتب خانوں کی سرہستی کر کے برود میں علم و ادب اور فکر و فلسفہ کے طلباء کی پاس بچانے کی کوشش کی ہے۔

میر صاحب میں علم کی حریت انگیز ترقی نے کتاب کی ضرورت کو واضح کر دیا ہے۔ ماضی کے علمی غرضے آج بھی علم کے ارتقاء میں اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔ حکومتوں نے کتب خانوں کی اہمیت کو منہا لایا اور تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر بھی کتب خانے قائم کیے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صاحبانِ ثروت اور علم و ادب سے محبت رکھنے والے افراد بھی اس میدان میں اترے۔ اس طرح ذاتی کوششوں سے بھی کئی کتب خانے نمودار ہوئے۔

پاکستان بھر میں ایسے کئی کتب خانے موجود ہیں جو شعور سے لے کر قہبات بلکہ دیانت تک پہلے ہوئے ہیں۔ صادق آباد میں بھی ایک ایسا ہی کتب خانہ موجود ہے۔ جو اس علاقے کی ایک اہم شخصیت جناب میر سید زاہد حسین کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے اپنے اس کتب خانے کا نام چھابیر دور کے بیت الحکمت کے حوالے سے منتخب کیا ہے اور ان کی سعی جہم و اقل اسے بیت الحکمت کا نام دینے میں حق بجانب ہے۔

بیت الحکمت سے میرا تعلق بھی دس پندرہ سال سے چلا آ رہا ہے۔ اس کتب خانے میں تقریباً "چھابیریں ہزار کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں بیگزوں غائب کتب موجود ہیں۔ کس صادق کے غالب فہر کے لیے جناب میر سید زاہد حسین سے اجازت لے کر ان کے شعبہ غالب کا جائزہ لیا تو یہ شعبہ بھی دیگر شعبوں کی طرح بے حد ذریعہ لگا۔

میر صاحب فردوسی یا تاریخ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد میرٹھ سے یہاں تشریف لائے۔ ان کے خاندان میں علم سے محبت اور اس کے فروغ کی جد و جد کرنے والی شخصیات موجود رہی ہیں۔ فقیر این کثیر کی اشاعت کی سعادت بھی ان کے اجداد کو حاصل ہے۔ ان کے ادراہن میر محمد حسین کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ میرٹھ ہی میں وزیر ضروری کرل ہاشمی کی ایک وسیع لائبریری تھی۔ انہوں نے ایک ایوان اپنی لائبریری کے لیے فقیر کیا تھا اس میں یہ کتب خانہ تھا مگر پاکستان کی تخلیق کے بعد وہ کتب خانہ بھارت میں رہ گیا۔

میر صاحب سے کتب کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو آپ نے بتایا کہ بچپن ہی سے انہیں کتابوں سے محبت تھی۔ آغاز میں سید

اعتقاد علی گنج کا بھول جان کے معاملہ میں رہا۔ میر صاحب نے باغی کو آزاد دیتے ہوئے کہا کہ ملحق آباد ایک پھر وہاں شہر تھا آبادی دس ہزار ہوگی ان کے گرد میدان انہار آتا تھا۔ جسے گھرمیں چھا جاتا تھا۔ ان کے والد صاحب کو کتابوں سے بے حد محبت تھی۔ علامہ اقبال اور غفر علی خاں سے بہت پیار تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ان کے اہل خانہ تھے۔ ہمارے ساتھ بھی ان کے پاس آئی۔ اس طرح کتابوں کا ذخیرہ شروع ہوا اور انھیں علامہ کا شوق پیدا ہوا۔

میر صاحب انیس۔ اسی کالج ہائیڈر کے طالب علم رہے ہیں۔ ڈاکٹر ساجد ان کے محبوب استاد تھے۔ بی۔ اے میں داخلہ لیا مگر کانگریس کے اعلان پر کہ طلباء میدان میں نکل آئیں اور تحریک پاکستان میں شامل ہو جائیں تعلیم چھوڑ کر سیاست میں آگئے۔ کانگریس کے بے پناہ شدید اثر اور محترمہ قابل توجہ کے بیٹے کسانے کو قابل عزت سمجھتے ہیں۔

میر صاحب ۱۴ سال کی عمر سے کتابیں خرید کر پڑھتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر، خواجہ ابرار علی، مولانا محمد علی کی کتب بھی ان کے مطالعہ میں آئیں۔ خواجہ حسن نظامی کے طرز فکر سے بھی متاثر ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں میر صاحب نے اور پونہ کی کتب خانہ سے جوڑش کی کتب خرید کر لائے۔ جوڑش کی شہہ شدہ کتاب "کبھی کے فرزندوں کے نام" گھرمیں چھپ کر پڑھتے تھے۔ یہ شعر آج میر صاحب کی زبان پر ہے۔

کس زبان سے کہہ رہے ہو آج تم سوداگرو

دور میں انسانیت کے نام کو بلا کر

اولیٰ مشاہیر بھی میر صاحب کے پاس تحریف لاتے رہے۔ سید مبارک شاہ کے ساتھ ایم۔ اسلم اور دیکھیں احمد بخاری آئے۔ رحمن کیلانی، عبدالقدوس باغی، احمد شاہ نورانی، سردار عبدالقیوم خاں، ڈاکٹر ایوب قادری، نظریہ، بیاس کے قریب پاکستانی شخصیات تحریف لاتی رہی ہیں۔

میر صاحب کے سیای ذوق کو سید نظامی نے پروان چڑھایا۔ اساتذہ میں ممتاز صاحب، اقبال احمد صوفی، پروفیسر ملحق علی، پروفیسر حبیب احمد اور ڈاکٹر محمد ساجد ان کی محبوب شخصیات ہیں۔ ملحق لوبی ذوق ان اساتذہ کی قرینیت کا نتیجہ ہے۔ ملحق ذوق دیکھنے والے اساتذہ میں محمد سعید لدھیانوی، ڈاکٹر عبداللطیف نکل، محترمہ اور محترمہ لعل ملحق ہیں۔ میر صاحب نے لکھا کہ سید نظامی نے مولانا صلاح الدین احمد سے متعارف کروایا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ سے بھی ملاقات ہوئی۔

کتب خانے کے بارے میں دریافت کیا تو میر صاحب نے بتایا کہ ان کے کتب خانے میں سیاست، اسلامیات، ادبیات، شاعری، تاریخ فریڈک ہر پیلو پر کتب موجود ہیں۔ ابو الکلام آزاد، محمد علی جوہر، مولانا عبداللہ، دریا بادی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، شبلی نعمانی، ذہنی ظہیر احمد، مولانا قاضی، طالب باغی، یوں سمجھئے ہر گوشہ کتابوں سے لبریز ہے۔ اس وقت جی، صدق، صدق، صدق، ابدال، ابلاغ، کامرہ وغیرہ کے عمل فائیل موجود ہیں۔ علامہ اقبال کا گوشہ بے حد درخیز ہے۔ محرمات بھی اور انگریزی کتب بھی ہیں۔ مولانا جوہر پر بہت سی کتابیں تھیں۔ میر صاحب نے اللہ کیا ایک صاحب جو ہر کے حوالے سے بیاس کے قریب کتب اپنے پاس لایا۔ اسی کے مطالعے کے لیے لے گئیں مگر واپس نہ کیں۔ وہ شاکی ہیں کہ انکس کے افسران اور دیگر شخصیات کتابیں لے جاتی ہیں لیکن مطالعہ کے بعد واپس نہیں کرتیں۔ بلکہ اب تو بہت سی کتابیں چوری بھی ہو چکی ہیں۔ اب میر صاحب کی زبردستی مکمل طور پر بند رہتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو زلم خوردہ سمجھتے ہیں کہ ان کی کتابیں مختلف ذرائع سے چوری کی جا رہی ہیں۔ اس لیے اب وہ کسی

پر اصرار نہیں کرتے۔ ایک سوال پر میر صاحب نے جواب دیا کہ مستقبل میں یہ کتابیں کس کے حوالے کروں سب تو میرے ہیں مگر
ی لاہوری محفوظ ہے۔ میری دانتے پر کہ اپنی لاہوری کسی بوندو شی کے حوالے کر دیں اس طرح علم و ادب کے طلباء مستفید
ہوتے رہیں گے اور آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہو گا۔ میر صاحب خاموش رہے اور کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا۔

گوشہ غالب کا چارہ میرا موضوع تھا چنانچہ میر صاحب نے بے حد شفقت فرمائی اور مجھے گوشہ غالب کی کتابیات کو تحریر میں
لانے کی اجازت دی۔ میر صاحب نے اپنا مالوہ کتابیں ہیں جن میں اپنا ہا رکھا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اپنی شہداء کو غمی میں
لاہوری کو چار کرے دسہ رکھے ہیں۔ کچھ گوشے ترتیب سے رکھے گئے ہیں مگر انکی لاہوری کو ترتیب سے ترتیب دینے کی ضرورت
ہے۔ چنانچہ اس بزار کے قریب کتب اور پھر رسالہ جانت کا بے پناہ ذخیرہ۔ ایک کمرہ بھرا چڑا ہے۔ کاش میر صاحب اس لاہوری کو
طالبان علم و تحقیق کے لیے عطیہ دیتے۔

گوشہ غالب کی تفصیل درج ذیل ہے۔ میر صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ کتب ابھی اور حواہر تحریر ہوئی ہیں یا ان کی پرانی قیام گا،
میں ہیں۔ ہر ایک جن کتب تک میری رسائی ہو چکی ان کا یہاں اندراج کر رہا ہوں تاکہ کسی وقت غالب پر کام کرنے والے محققین
کی رضامندی ہو سکے۔

تفصیل کتب بیت الحکمت گوشہ غالب

قدیم کتب

- ۱۔ کلیات غالب فارسی۔ در مطلع خاص قول مشہور ۷۹ ص ۱۸۶۳ء۔
یہ کتاب پرانی طرز میں لکھی ہوئی ہے ہر صفحہ پر آٹھ سائے مصرعے ہیں درمیان میں لوہے سے بچے گھر ہے۔ خط قدوس
درج ہے۔
- ۲۔ اردو دواغ ان غالب کی شرح جس کا تاجی نام "دوڑق مراحت" از مولوی محمد عبدالعلی المتخلص بہ والد۔ مطلع غازی فرخ
نکائی حیدر آباد دکن۔ کتاب میں غالب کے اشعار کی مختصر شرح ہے آخر میں تاریخی مقدمہ درج ہے۔ جس سے تاریخ
۱۳۱۳ھ ملتی ہے گویا سن بیوی ۱۸۹۶ء ق ۵۵ ہے۔
- ۳۔ شرح دواغ ان اردو غالب موسوم بہ "دوچاند تحقیق" حصہ اول
فاکسار محمد عبدالواحد المتخلص بہ۔ واپس فارسی مدرس شی پٹی اسکول غلات سرکار نظام فرزند حضرت والد مرحوم معصوم دوڑق
مراحت در مطلع فیض طبع فرخ غازی چاہ طبع آد حیدر آباد دکن ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۲ء۔ کتاب کے پہلے ۳۱ صفحات پر معصوم نے
اپنے والد مولانا والد کے علم و فضل اور ان کی کتاب دوڑق مراحت کے حقائق لکھا ہے اور اس کا ضمیر لکھتے اور صحت ہند
کا تذکرہ درج ہے۔ کچھ فارسی میں قصائد ہیں۔ ہر صفحہ ایک سے شروع کر کے کتاب کا سرشار دیا ہے۔

مشاء اللہ لا یتوقلا باللہ

حصہ اول۔۔۔۔۔ باب الاف

دوڑق مراحت موسوم بہ دوچاند تحقیق

اس خیمہ کو خاکسار محمد عبدالواحد، داہد شخص قزوین سولہ سالہ بی بی محمد اعلیٰ والد مرحوم بی بی گور محبت شیانی اسکول حیدر آباد دکن نے تصنیف کیا۔

مطبع بی گرامی فخرنگاہی واقع حیدر آباد دکن میں طبع ہوا۔

صفحہ ۲ سے شروع شروع ہو جاتی ہے اور درجہ الف سے آغاز ہے جو صفحہ ۱۳ پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ بحر معطف کی قاری قول ہے۔ کل صفحات ۱۳۲ ہیں۔

۳۔ یادگار جانب مرتبہ اطفال ضمیمہ جلدی۔ بی بی پریس کانپور میں لکھن (محمد اللہ رضا) حسب ضابطہ رجسٹری کرائی گئی۔

۱۸۸۷ء

صفحہ ۱۔ باب مرزا بی بی اسد اللہ خاں شخص بہ غالب دہلوی کی زندگی کے حالات اور ان کی اقسام نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب اور ہر قسم پر جدا جدا دیکھارکس مرتبہ خاکسار اطفال ضمیمہ جلدی ہیں۔

صفحہ ۲۔ خالی ہے، صفحہ ۳ پر فرست۔

صفحہ ۵۔ غالب نام اکوڑم و نظام پریس + ہم اسد نظم و ہم اسد الیم

شیخ مبارک الیم الدولہ دہلی الملک جانب مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ شخص بہ غالب مرحوم بحر صفحہ ۸۲۱۔ دیباچہ

صفحہ ۹۔ آغاز کتاب، حاشیہ کے باہر تراجم و درج ہیں۔

صفحہ ۱۰۶ سے ۱۱۶ سراسر شروع ہو آئے۔

مرزا کے کلام پر ریلوے اور اس کا انتخاب

دیباچہ اور آغاز کتاب کے اوپر ہم اسد اللہ الرحمن الرحیم تحریر ہے۔ کل صفحات ۳۱۱ ہیں۔

صفحہ ۱۶۸۔ قصائد، صفحہ ۱۷۱۔ رباعیات، صفحہ ۱۷۲۔ نثر اردو۔ ۱۷۶۔ نظم و نثر فارسی

۲۰۵۔ انتخاب غزلیات فارسی۔ ۲۷۱ صفحہ سے نظیری اور غالب کے اشعار کا انتخابی جائزہ ۲۸۰ سے غمزدی اور غالب۔ ۳۸۶ سے

رباعیات فارسی۔ ۲۹۶ سے قصائد۔ ۳۲۲ سے نثر فارسی نظم کا مقابلہ نظیری بیچم ری شامزور و انگریزی۔

۳۲۹ سے نثر فارسی کا انتخاب از مشہور۔ ۳۶۵ سے انتخاب از وحید۔ ۳۸۱ سے از دیباچہ خانی و درفش کوہانی۔ ۳۸۴ سے تقریبات و

دیباچہ ہائے دین فارسی، دیباچہ دین ان نقشہ ۳۷۸ سے تقریر تذکرہ گلشن بہ خار۔ ۳۷۹ سے انتخاب از مکاتبات

۳۸۱ سے غمزدی اور غالب کی نثر اور مشرقی کا مقابلہ۔ ۴۱۲۔ بیچ علی حسین اور مرزا کے طرز بیان کا مقابلہ۔ ۴۱۶ سے مرزا غالب اور

ابوالفضل کے طرز بیان کا مقابلہ۔

صفحات ۴۲۰ تا ۴۳۸ اور کتاب کا حصہ ہیں لیکن اس نسخہ میں نہیں ہیں۔

۵۔ مرثیہ روز ۱۳۳۳ء، مطبع بی بی قوکتور کھنڈ

۶۔ دین حسن غالب اردو مع سوانح عمری نگاہی و بی بی۔ نگاہی پریس بدایوں ۱۹۱۵ء۔ دین حسن غالب اردو بہ طرز جدید و بیچ

مزد مع دیباچہ و سوانح عمری حضرت معصومہ از خاکسار نگاہی و بی بی۔

نگاہی پریس بدایوں میں طبع ہوا ۱۹۱۵ء صفحات ۲۶۲۔ آخر میں صحت نامہ ہے جو ردیف وار مرتب کیا گیا ہے۔ دیباچہ میں

لکھتے ہیں۔

عالم سے پہلے چند در چند ایٹیشن دواع ان عالم کے چھپ چکے ہیں۔ جن میں سے ۳ نئے ایسے ہیں جو مرزا سے مرعوم کی زندگی میں شائع ہوئے ہیں اور ایک آدمہ کی بھی بھی مرزا سے منسوب کی گئی ہے۔ ان کے سوا چار باقی نئے حقوق منہجوں سے نکلے ہیں۔ خود دو حق شراح نے بذیل شرح دواع ان کا بڑا حصہ چھاپ دیا ہے۔ مگر ان سب مطبوعہ نسخوں میں کوئی نسخہ ایسا نہیں دیکھا گیا جو کم از کم دس پانچ قائل للطیوں کا حامل نہ ہو۔ ایسی صورت میں کہ خود مرزا کی زندگی میں دواع ان شائع ہوا اور وہ حقین فنی شرح کے ساتھ ان کا کلام چھپا میں پھر بھی ایک ضمیمہ کتابیوں للطیوں کا ردہ جانا تعجب کی بات ہے۔

عالم "فارسی ہنگاری و زارات فرنگ و ہر شہرہ و ہم اسفند ۱۳۳۳ھ" ۱۳۹۸ء

دواع ان عالم (نسخی) مرتبہ شیخ مہد القادر گزار محمدی شمیم پریس لاہور میں چھپوایا۔ جنوری ۱۹۱۹ء

اردوئے معلیٰ حصہ اول سے دوم از عالم۔ الزوار المطبع کھنڈر نمبر ۳" ۱۳۸۵ھ" ۱۹۲۲ء

(اس میں بھری سن ظہور درج کیا گیا ہے۔ ۱۹۲۲ء کے مطابق ۱۳۳۱ھ بتا ہے)

دواع ان عالم (نسخی) شیخ اعلیٰ بخش دلدہ محمد جلال الدین تاجران کتب سخیمری بازار لاہور۔ ۱۳۳۲ھ" ۱۹۲۳ء

بادشاہ عالم "مرتبہ عالی۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور۔ ۱۹۲۳ء

کلیات عالم فارسی۔ در مطبع خاص مفتی نو کھنڈر کھنڈر روٹی افغانی طبع شد ۱۹۲۵ء

مرعوم روز بہ شیخ و حق سید اولاد حسین شاہان بکراہی پروفیسر اور نیش کالج لاہور "شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور"

۱۹۲۵ء

حاشیہ کے باہر فارسی میں فارسی الفاظ کی صحیح اور وضاحت ہے۔ ہر حاشیہ میں مصاد کے مطابق فارسی مترادف مصاد میں درج کیے گئے ہیں اور معنی بھی ہیں۔ صفحہ ۳۵" ۱۳۶" فرنگ ہے اور ۱۲" ۱۳۲" اردو میں عالم کے حالات ہیں۔ آخری

صفحہ ۶ کم جنوری ۱۹۲۵ء درج ہے۔ قیمت صرف ۸ (آٹھ آنے) ہے۔ سرودنی کی پشت سے کتاب کا آغاز ہے اور صرف

بسم اللہ درج ہے۔ ہر صفحہ کے اوپر ایک کونے پر درج ہوا اور دوسرے پر کلیات متر عالم تحریر ہے۔

عالم امرتسر "مارچ" اپریل "مئی" جون ۱۹۲۷ء۔ مدیر میرزا شہناج مودی

یہ تین دہائیے ہیں۔ ہر دہائی کی پیشانی پر "اردو کی علمی و ادبی ولادینوں کا ماہوار مجموعہ" درج ہے۔

(الف) عالم امرتسر "مارچ ۱۹۲۷ء جلد اول نمبر ۳۔ دفتر عالم شہناج حریف امرتسر (نوروز نمبر)

اس کے مطابق =

۱۔ عالم کا وہب از میرزا شہناج مودی ص ۳

۲۔ شعرائے ہم عصر۔ عالم کا اثر از مولانا کوہر صاحب رامپوری ص ۹

۳۔ بیاد (تلم) مرزا عالم ص ۱۹

۴۔ عالم کی فارسی غزلیات "از میرزا شہناج مودی ص ۱۷

۵۔ شرح عالم از حکیم فیروز الدین احمد غفرانی مدیر دیکل ص ۳۲

- ۲۲۔ نقل چٹائی۔ دران غالب مسودہ "بھانگیریک ڈی کتب لاہور چائیکو اراں ۱۹۳۵ء
- ذرا۔ غالب کے لٹو حیدر کوہ نظر دیکھتے ہوئے میں اپنی اس کوشش کو انٹار الملک مہاشس "اواب حیدر اللہ خاں بیلور فرارڈائے بھہال ظہ اللہ ٹکڑ کی علم دوستی و اواب نوازی کو نصرت طلوس کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ محمد عبدالرحمن چٹائی۔
- ۲۳۔ غالب نامہ۔ فتح محمد اکرام۔۔۔۔۔ قری کتب خانہ ریلے سے روز لاہور ۱۹۳۶ء
- ۲۴۔ مکتبہ غالب "مروجہ انقاز علی عرش"۔ حیدر حمید بھٹی (ترجمت راجندر) ۱۹۳۷ء
- ۲۵۔ درج غالب۔ مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور "ادارہ وقت منی ٹریٹ آپلو حیدر آباد دکن ۱۹۳۹ء
- ۲۶۔ مرزا غالب کا روزنامہ "خواجہ حسن خاں" حسین نظامی ایڈ خرائیڈ خرمٹوی دہلی۔ ۱۹۳۰ء
- ۲۷۔ سوانح غالب۔ نظام رسول مرزا فتح مبارک علی ایڈ خرمٹوی لاہور ۱۹۳۱ء
- ۲۸۔ خطوط غالب۔ محمود بھٹی پر شام۔ خرمٹوی حیدر امداد صدیقی۔ پہلی جلد "ہندوستان انڈی می صوبہ متحدہ" لاہور ۱۹۳۱ء
- ۲۹۔ انتخاب غالب۔ امتیاز علی عرش "مطبع قیہ بھٹی ۱۹۳۲ء
- ۳۰۔ انتخاب غالب۔ عبدالرزاق "اقبل آئینہ" خرمٹوی تاج پور لاہور ۱۹۳۳ء
- ۳۱۔ لفظ کلام غالب۔ شوکت سہزادی "قرنی کتب خانہ بریلی ۱۹۳۶ء
- ۳۲۔ مکتبہ غالب۔ محمد قاسم ۱۹۳۶ء
- ۳۳۔ غالب "نظام رسول مرزا" فتح مبارک علی لاہور ۱۹۳۶ء
- ۱۹۳۷ء
- ۳۴۔ حشرات غالب "سید مسعود حسن رفوسی" ہندوستان پریس لاہور
- ۳۵۔ قریب غالب۔ امتیاز علی خاں عرش "کتب خانہ لاہور
- ۳۶۔ مکتبہ غالب۔ ایڈ

تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان بھارت میں شائع ہونے والی کتب

۱۹۳۹ء

- ۱۔ بارات غالب "آفاق حسین آفاق" ادارہ بارات نیچر روڈ کراچی

۱۹۵۰ء

- ۲۔ ذکر غالب "بانگ رام" مکتبہ جامعہ لیتھ جاسر گر دہلی
- ۳۔ سرگزشت غالب۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور "ادارہ ادبیات اردو لاہور

۱۹۵۲ء

علامہ شمس قاسم، پروفیسر عبدالرزاق جیلانی، ملک غلام احمد، تاج بیگ، ڈی ایم اے اور ڈی اے اے اور

1492

مطالعہ غالب، اثر کھنڈی، دانش محل، امین الدولہ چارک کھنڈی۔
 روح ان غالب، سید امیر حسین نورانی، رام کنارہ پریس، یک، ڈیج کھنڈی۔
 علامہ غالب، بانگ، رام، مرکز تحقیف و تالیف، گوردہ۔

4100A

قالب پیر: شیخ محمد اکرام، تاج آفس محمد علی راولپنڈی ۳۰۔ چھٹا ایڈیشن۔
 دوسرا ان قالب سے شرح مرتبہ جوش علیانی، ۱۳۸۲ھ رام ایڈیشن دہلی

1429

تکات غالب: 'کھای بدامنی' کھای یک: 'پنجنی بدامنی'۔ جو۔ بی۔ اجڑا
 قادر تاجہ غالب: 'مرتب حسین سردری'، 'کچھ نیا دہلی کراچی'
 شرح دیوان غالب: یوسف سلیم چشتی، 'عشرت'، جیتنگ ہاؤس لاہور

417

کلام غالب، نسطر قدوائی، مجلیں قدوائی، ادارہ نگارش و مطبعیات کراچی۔
مقام غالب، سید مبارز الدین، رصحت، سب دس کتاب گھر خیمہ، آباد، حیدر آباد دکن۔
نثر غالب، پرتوی چندر، نند تاج آفس، اردو بازار، دہلی
اردو کے معنی غالب، فیض، طراغ احمد فاروقی، شمارہ اول۔

449

غالب فردوس، ڈاکٹر شہرت میزبانی، "انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی"
غالب کی نادر تحریریں، مرتبہ خلیق انجم، سنجہ شاہراہ، دہلی۔
بہارِ تحریک، دہلی، غالب فہرہ، انصاری مارکیٹ دریا بھج، دہلی۔



پروفیسر غالب "عوامی الحاق" میں "عسکری حلقہ" اور "آئینی حلقہ" کے بارے میں۔

1997

- ۲۱۔ غالب اور دوسرے صحابہ "نظیر حسین زیدی" مسعود اکبری نام ۳ آباد کراچی
 ۲۲۔ کلیات غالب اردو، خان امیر حسین خان نظیر لدھیانوی، مکتبہ کاروان پکری روڈ لاہور
 ۲۳۔ یادگار غالب، خراج الکاف، حسین حالی، مجلس ترقی اردو لاہور

۱۹۹۵ء

- ۲۴۔ دج ابن غالب، تصور، خیف رائے، نیا بازار لاہور
 ۲۵۔ شرح دج ابن غالب، مسرت مہتابی، المکتب کراچی۔
 ۲۶۔ مجوز طرب سے بلی جائے، اکبر علی خاں، مکتبہ کاروان پکری رامپور، ج۔ ۱۔
 ۲۷۔ مرزا غالب کی شریاں، مولانا محمد الہاری آسی، مکتبہ دج و ادب کپا اسٹوٹ۔

۱۹۹۶ء

- ۲۸۔ اصلاحات غالب، علی حیدر طہاٹانی، مرتبہ محمد عبدالرزاق، راشد، مکتبہ پتھر شی حیدر آباد دکن۔
 ۲۹۔ مرقع غالب، مرتبہ پتھر شی حیدر، مکتبہ جامعہ لیلہ دلی۔

۱۹۹۷ء

- ۳۰۔ احوال و نقد غالب، محمد حیات خان سیال، نذر خیر لاہور
 ۳۱۔ جلی ادب، شمارہ دوم مئی ۹۷، مرقعی حسین فاضل (دج ابن غالب کی ایک نادر علمی شرح) دکن جلی ادب ۱۹۹۷ء D-۲
 اندر دوسری لہاری دروازہ لاہور۔

- ۳۲۔ غور و جوی۔ مرتبہ سید مرقعی حسین فاضل، مجلس ترقی ادب لاہور
 ۳۳۔ کلیات غالب فارسی، "ایبنا"
 ۳۴۔ نکی دج ابن غالب، نظام رسولی، شیخ نظام علی اینڈ خیر لاہور
 ۳۵۔ مآثورات غالب، "نریش نگار شاہ"، ایجنس ترقی اردو جامعہ دلی۔
 ۳۶۔ درج الطاف فی شرح دج ابن غالب، شادابی نگار، مرحوم، شیخ مبارک علی لاہور
 ۳۷۔ سرگزشت غالب، مرزا محمد شیر پاؤ، پریس کرشن میرزا۔ ج۔ ۱۔ ای "سی" ایچ سوسائٹی کراچی

۱۹۹۸ء

- ۳۸۔ قدشائے اہل کرم، مرتبہ مرزا ظفرالحسین، ادارہ یادگار غالب کراچی۔
 ۳۹۔ غالب کون ہے؟، سید قدرت نقوی، دالٹ کدہ، حسین آگاہی ملتان۔
 ۴۰۔ غالب اور آجک، غالب، "واکٹر سید جعفر" حسین خان، غالب انیٹی وی دلی۔

مرشد غالب 'مرتبہ جہت افکاری دہلوی' دیباچہ 'خانہ اور روشنی' سید مرتضیٰ حسین لاہری 'شیخ مبارک علی لاہور۔
مقام غالب 'عبدالصمد ماسرہ' اوارہ، علیہ آثار علی لاہور۔

۱۸۶۹ء

نامہ ہائے فارسی 'غالب' سید اکبر علی تریڈی 'غالب' انگیزی دہلی نو۔

محاسن کلام غالب 'ذریعہ اسرار' تہذیب لاہور۔

معلوم غالب 'ساجزادہ احسن علی خاں' مکتبہ میری لاہوری لاہور۔

کلیات غالب فارسی (غزلیات) 'حقیق سید وزیر الحسن عابدی' مکتبہ میری لاہوری لاہور۔

غالب دیوان غزلوں 'دلشاد کالجی' مکتبہ میری لاہوری لاہور۔

قصائد و مشقیات فارسی مرزا غالب 'مطبوعات مجلس یادگار غالب' پنجاب لاہور۔

افادات غالب 'حقیق سید وزیر الحسن عابدی' ----- ایضاً -----

گور نامہ از غالب ----- ایضاً -----

مرثیہ روز از غالب ----- ایضاً -----

قصائد و رباعیات 'ترکیب بند و نظیرہ از غالب' ----- ایضاً -----

غزلیات فارسی مرزا غالب ----- ایضاً -----

سید یحییٰ 'سید وزیر الحسن عابدی' ----- ایضاً -----

وختیہ '۱۰' غالب ----- ایضاً -----

راجہ ان غالب 'حقیق عابد علی خاں' ----- ایضاً -----

شعوط غالب جلد دوم (۳) ----- ایضاً -----

اشاریہ غالب مرتبہ سید حسین الرحمن ----- ایضاً -----

شیخ آجگ مرزا اسد اللہ خاں غالب ----- ایضاً -----

درفش کاویانی 'غالب' ----- ایضاً -----

غالب ذاتی تاثرات کے آئینے میں 'مختلف ادباء' ----- ایضاً -----

بین الاقوامی غالب سیمینار مرتبہ ڈاکٹر جہت حسن خاں 'صد سالہ یادگار غالب کمیٹی نئی دہلی۔

راجہ ان غالب 'مرتبہ مالک رام' ----- ایضاً -----

وختیہ 'غالب' ----- ایضاً -----

بزم غالب 'عبد الرؤف عروج' ----- اوارہ یادگار غالب کراچی

دود چرخ مغل 'سید حسام الدین راشدی' ----- ایضاً -----

غالب سب اچھا کہیں جسے 'پروفیسر کرار حسین' ----- ایضاً -----

۱۔ غالب اور انتخاب ستون 'ڈاکٹر سید صہبن الرحمن' مکتبہ نعلی لاہور۔

۱۹۷۵ء

۱۔ غالب اور سرور 'انجم حبیب خاں' انجمن ترقی اردو دہلی۔

۲۔ سر باقی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی۔

۱۹۷۶ء

۱۔ دیوان غالب 'مرحبہ ڈاکٹر سید صہبن الرحمن' شیرا اکیڈمی لاہور۔

۲۔ سر باقی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی۔

۱۹۷۷ء

۱۔ فسانہ غالب 'مالک دہم' مکتبہ جامدہ نئی دہلی۔

۲۔ دماغ مہراج اور غالب 'مرحبہ کلیداس گپتا رخصا' دہلی ہلی کیٹر پبلیشر۔

۳۔ فیضان غالب 'عرش سلیمانی' غالب اکیڈمی نئی دہلی۔

۴۔ غالب اور لن سٹیج 'اخلاق حسین عارف' ایضاً۔

۵۔ سر باقی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی۔

۶۔ غالب مہراج و قمر کی روشنی میں حصہ اولی 'سید صہبن الدین عبد الرحمن' معارف پریس اعظم کراہہ ششماہی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی۔

۱۹۷۸ء

۱۔ دیوان غالب 'مرحبہ مالک دہم' دیوان غالب کا یہ نمونہ مطبع نقای کراہہ کے شے پے مئی ہے جو ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ غالب کا سب سے آخری مکتبہ کردہ مکتبہ ہے اور اس میں مکالم بھی سب سے زیادہ ہے۔

۱۹۷۹ء

۱۔ غالب مہراج و قمر کی روشنی میں حصہ دوم 'مہراج الدین عبد الرحمن' معارف پریس اعظم کراہہ۔

۲۔ غالب کے نئے خطوط 'اکو دسویہ' مکتبہ اردو زبان' ریلوے روڈ سرگودھا۔

۱۹۸۰ء

۱۔ غالب کے معنوی اساتذہ 'عقروپ' مکتبہ جامدہ لینڈ نئی دہلی۔

۲۔ غالب کون ہے؟ 'سید محمد مدنی' نئی کواڑ جامدہ نگر نئی دہلی۔

۱۔ غالب اور صغیر بکرائی، 'مطلق خواجہ'، مصری مطبعہ مات کراچی۔

۱۹۸۲ء

۱۔ غالب اور صغیر غالب، 'ڈاکٹر محمد ایوب قادری زور'، مطبعہ انڈی پاکستان کراچی۔

۱۹۸۳ء

۱۔ مثنویات غالب، اصل فارسی مع اردو ترجمہ، 'ظ'، انصاری، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

۲۔ غالب، 'فصل اور شاعر'، مجلی گورکھپوری، انجی کیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔

۱۹۸۳ء

۱۔ قلم اور غالب، 'ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری'، غالب انڈی نئی دہلی۔

۱۹۸۵ء

۱۔ مطالعہ خطوط غالب، 'عبدالحق دستوی'، قسیم بک ڈپ گھسٹو۔

۲۔ خاص کام غالب، 'عبدالرحمن بجنوری'، اتر پردیش اردو انڈی گھسٹو۔

۳۔ مختار غالب، 'مالک رام'، مکتبہ جامعہ لینڈ نئی دہلی۔

۴۔ مرآۃ الغلاب، 'شرح دیوان اردو'، سید وحید الدین، 'نور جالپین دلرا'، مثنوی بک ڈپ گھسٹو۔

۱۹۸۶ء

۱۔ احوال غالب، 'پروفیسر عطاء الدین احمد'، انجمن ترقی اردو نئی دہلی۔

۲۔ غالب ایک مطالعہ، 'ممتاز حسین نصرت'، پبلشرز امین آباد گھسٹو۔

۳۔ غالب اور اقبال کی متحرک بحالیاں، 'یوسف حسن خاں' (مرحوم)، نگارشات لاہور۔

۴۔ دیوان غالب، 'غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی'۔

۵۔ غالب کا بچان اور، 'الزہ صدیقہ'، 'کاؤنسل ان لوپ ملتان لاہور'۔

۱۹۸۷ء

۱۔ جناب غالب کا ایک باب حقیق کی روشنی میں، 'ڈاکٹر ملک حسن اختر'، مکتبہ عالیہ لاہور۔

۲۔ غالب کا فن، 'ڈاکٹر عبادت بریلوی'، 'اوارڈ اوپ و تحفہ لاہور'۔

۳۔ مرزا غالب اور ہندو مت، 'کلیل الرحمن'، 'معصوم'، 'جلی کیشور'، 'نور علی بریلوی'۔

- ۱۔ غالب اور اقبال 'ڈاکٹر اسے۔ بی۔ اشرف۔ مکن بکس سنگھت ملتان
- ۲۔ غالب کون ہے؟ شریف الحسن 'گلار شکت لاہور
- ۳۔ ششماہی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی

۱۹۸۹ء

- ۱۔ غالب رائل پارک میں 'اے مید' فیروز سنر لاہور۔
- ۲۔ غالبیات رسالہ نقوش میں ڈیڑھ: نائیلہ انجم 'انجمن لاہور۔
- ۳۔ انتخاب خطوط غالب مرحوم ظلیق انجم 'مونو پینکل پبشرز نئی دہلی۔
- ۴۔ غالب کاظمی سربراہی 'ڈاکٹر سید معین الرحمن نے پانچ سو مل بکس اردو بازار لاہور۔
- ۵۔ ششماہی غالب 'ادارہ یادگار غالب کراچی۔

۱۹۹۰ء

- ۱۔ قاضی و عسکری کتابیات غالبیات "سجاد احمد لار" ضمیمہ انڈی راجن پور۔
- ۲۔ غالب جنس اور پگڈ 'ڈاکٹر نجیب اختر' کاروان ادب اردو بازار لاہور۔
- ۳۔ غالب اور شوق 'سید محمد مصطفیٰ صابری' انجم کیپٹل 'پبشنگ ہاؤس دہلی۔
- ۴۔ غالب پر چند تحریریں 'ڈاکٹر سادات علی صدیقی' انجمن ترقی اردو ہند 'نئی دہلی
- ۵۔ فقہت غالب 'مہد المعنی' انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔
- ۶۔ غالب کی رائیڈز 'واحد سحری' انجم کیپٹل 'پبشنگ ہاؤس دہلی۔

۱۹۹۱ء

- ۱۔ محاصرہ غالب 'ڈاکٹر گوہر فرخشاہی' مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور۔
- ۲۔ غالب سے اقبال تک جلد دوم 'ایم حبیب خاں' مہد الحق اکادمی دہلی۔

۱۹۹۲ء

- ۱۔ ششماہی غالب 'اردو یادگار غالب کراچی۔
- ۲۔ غالب پریشان 'انجمن ہانگی' جمالیات ۲۲ گنگا رام سنس 'روڈ لاہور۔
- ۳۔ غالب اور اردو قریں 'عبید الرحمن مہاسی' چہا کوئی 'ضمیمہ یک ایپ گھنٹہ۔
- ۴۔ اوراق معانی فارسی خطوط 'حجریم ڈاکٹر تحریر احمد علوی' اردو اکادمی دہلی۔

س۔ ن

- ۱۔ کلیات غرقاب، مطبع قشقی نول کشور گھنٹو۔
- ۲۔ مومن و غالب، حکیم سید اہجاز احمد، نکل سوانی، لکھائی پریس اویس خیل فیض آباد
- ۳۔ عود ہندی۔ مرزا غالب، مجموعہ دھات غالب، مطبع الزوار احمد اللہ آباد
- ۴۔ مرزا غالب کے لطیف، ترتیب ہادی حسن، مدد یک لوح، فرید مارکیٹ کراچی
- ۵۔ تخریج دایہ ان غالب (مردود قشقی نہیں ہے)
- ۶۔ حافظ و غالب، پیچہ پوری بی احمد باہو، ۱۳۔ اسے گورنمنٹ کولہرز چہری لاہور
- ۷۔ کل کلیات اردو مرزا غالب، حافظ احمد حسن شرکت، مطبع شرکت الطابع میرٹھ
- ۸۔ دایہ ان غالب مع شرح، مولانا غلام رسول مرزوقی برادری بازار گل لاہور
- ۹۔ عود ہندی، مرزا غالب، شیخ الہی بخش کشمیری بازار لاہور
- ۱۰۔ نوائے مردوش کشمی، دایہ ان غالب مع شرح از غلام رسول مرزوقی غلام علی ایڈٹر سٹر لاہور
- ۱۱۔ غالب کے لطیف، انتظام اللہ شاہی، فریڈرز پبلشرز اردو بازار کراچی۔
- ۱۲۔ دایہ ان غالب جدید، نسخہ جدید۔۔۔۔۔ بھوپال
- ۱۳۔ اردو کے نکل ہرود حصہ، حکیم حافظ احمد، شیخ ظفر علی ایڈٹر سٹر کشمیری بازار لاہور
- ۱۴۔ عود ہندی، مطبع قشقی نول کشور گھنٹو
- ۱۵۔ خطوط غالب جلد اول، مرتبہ غلام رسول مرزوقی خیل لاہور
- ۱۶۔ خطوط غالب جلد دوم۔ ایڈٹ۔
- ۱۷۔ عود ہندی، جاسم آبادی، مرزا غالب، شیخ الہی بخش و محمد جلال الدین کشمیری بازار لاہور
- ۱۸۔ مکتوبات غالب، غلام فردوس نکال دلی راجپور، مرتبہ امتیاز علی عرفی، عالم کتاب راجپور
- ۱۹۔ عود ہندی و مطبع قشقی نول کشور گھنٹو۔
- ۲۰۔ اردو سنی و مطبع بیجاپوری واقع دلی۔
- ۲۱۔ دایہ ان غالب، تخریج کشمیری لاہور کراچی
- ۲۲۔ شان فرول، ہم طرح غالب مع دایہ ان غالب
- ۲۳۔ دایہ ان غالب نسخہ عرفی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
- ۲۴۔ دایہ ان غالب کی ہندی ترجمہ، ہندوستانی یک ٹرسٹ، ناز بڈنگ، بھتی ۴
- ۲۵۔ غالب نامہ، ۱۲۲، غالب حصہ ستر، شیخ محمد اکرام، تخریج آفس محمد علی روز بھتی
- ۲۶۔ غالب نامہ، ارمغان غالب حصہ نظم ایڈٹ۔

- ۲۷۔ غالب دارا است "ذکرت قفاوی" ادارہ فروغ اردو لاہور۔
- ۲۸۔ غالب کے خطوط "انوار یک" ڈیجیٹلنگ۔
- ۲۹۔ کاس انکم سیرج دوان غالب فارسی حضور اعجازی "حصہ صحت کتب خانہ مجلس وحدت اسلامی دہلی پٹی۔
- ۳۰۔ دوان غالب فارسی "پاکت سائن" مرکز کتب خانہ مشعل اسلام "دہلی دربارہ دروڈ لاہور۔
- ۳۱۔ دوان غالب (پہلی رسم الخط) غالب آئینہ فی کلام العربیہ لہ دہلی۔
- ۳۲۔ دوان غالب نقاد راہ پشاور لاہور۔
- ۳۳۔ جان غالب "انعام اللہ علی ناصر" آج تک لاہور۔
- ۳۴۔ طرز مزاج "حصہ نثر" حصہ غالب خطوط۔
- ۳۵۔ مرید غالب "ایک نظم از حالی" یو ایس آر ایک ڈیجیٹلنگ دروڈ دہلی۔
- ۳۶۔ عمل شریع غالب "عہد انہاری" اسی صدیقی یک ڈیجیٹلنگ۔

غالب نامہ

غالب نامہ "غالب انشائی ثبوت ایوان غالب بی دہلی
شمارہ جلد ۱ = ۱۹۷۶ء "۱۹۸۱ء۔۔۔۔۔ تا جنوری ۱۹۹۳ء مکمل۔

مجموعہ جات

- ۱۔ اردو غالب نمبر ۱ "انجمن ترقی اردو بہار" علی گڑھ شمارہ نمبر ۱۔
- ۲۔ چاند غالب نمبر "مدیر فیاض الحسن" چاند نگر بی دہلی۔
- ۳۔ ہامی دہلی "مدیر عبد الحمید صدیقی" جنگ پورہ بی دہلی۔
- ۴۔ علم و فن اردو ڈائجسٹ غالب نمبر "مدیر انیس الرحمان دہلی" نیا محل دہلی۔
- ۵۔ علی گڑھ ٹیکرین "غالب" مدیر بشیر دہلی گڑھ یونیورسٹی۔
- ۶۔ مجلہ سینہ غالب نمبر "گران عبد القوی و سنوی" مدیر شمیم سید "سینہ کلچر بھوپال" (پہلے شائع)۔
- ۷۔ تحریک غالب نمبر "عماد سعیدی" دریا کلا دہلی۔
- ۸۔ نیا دور غالب نمبر "ایڈیٹر طاہرہ شہید احمد" پیش پر شہزادہ دہلی۔
- ۹۔ شہسوار اردو ڈائجسٹ غالب نمبر "مرح دوان غالب مسعود" آصف علی دروڈ بی دہلی۔
- ۱۰۔ ہلال "پہلہ ۱۱ شمارہ" ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی۔
- ۱۱۔ ماہ نو غالب نمبر "ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی۔

- ۱۲۔ سلفی لاہور، غالب نمبر مارچ، مرتب سیف الدینی، ۲۲ نکلیں ردو لاہور۔
- ۱۳۔ سلفی لاہور، غالب نمبر اپریل۔ ایضاً۔
- ۱۴۔ ہمدرد انجسٹ غالب نمبر، ایڈیٹر حکیم سعید احمد، ہمدرد، ناظم آباد کراچی۔
- ۱۵۔ اردو سہ ماہی بخاری، نامہ مارچ، ادارہ تحریر۔ جمیل الدین عالی، حقیق خواجہ، انجمن ترقی اردو کراچی۔
- ۱۶۔ اردو سہ ماہی اپریل تا جون۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔
- ۱۷۔ قوی زبان یاد غالب، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔
- ۱۸۔ اعظم سہ ماہی، غالب نمبر، ایڈیٹر سید الطاف علی بریلوی، پاکستان انجمن کیشل کانفرنس کراچی۔
- ۱۹۔ نگار غالب نمبر، صدی/بہار، مرتبہ ڈاکٹر فرہان فتح پوری، نیاز حویل ناظم آباد کراچی۔
- ۲۰۔ اردو ہمدرد، اردو لغت، قسط ۷۷-۲، ترقی اردو بورڈ کراچی۔
- ۲۱۔ افکار غالب نمبر، مکتبہ افکار وادہ بین ردو کراچی۔
- ۲۲۔ خیابان غالب نمبر، ترتیب ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی پشاور۔
- ۲۳۔ سب رس، غالب نمبر جلد ۳۲، شمارہ ۹، ۱۰، ادارہ ادبیات، اردو حیدر آباد۔ سندھ۔
- ۲۴۔ نئی قدیم حیدر آباد، غالب صدی ایڈیٹر، اختر انصاری، اکبر آبادی، حیدر آباد۔
- ۲۵۔ ازہر سہ ماہی، مسعود حسن شہاب، اردو اینڈی بھاولپور۔
- ۲۶۔ ادب لطیف لاہور، غالب نمبر، ایڈیٹر ناصر زیدی، سرکار ردو لاہور۔
- ۲۷۔ نقوش غالب نمبر ۲، ۱۱۳، نور دوایات، یاش غالب، عطا غالب، محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور۔
- ۲۸۔ نقوش غالب نمبر ۱۱، ادارہ فروغ اردو لاہور۔
- ۲۹۔ نقوش غالب نمبر۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔
- ۳۰۔ اوراق غالب نمبر، ادارہ تہذیب آفتا، عارف عہد الصبح، چوک اردو بازار لاہور۔
- ۳۱۔ فنون غالب نمبر، سالانہ، احمد عظیم قاسمی، افکار کلی لاہور۔
- ۳۲۔ ماہنامہ کتاب، غالب نامہ کامل دہان، نگران ابن اختتام قوی کتاب مرکز پاکستان لاہور۔
- ۳۳۔ راوی، غالب نمبر نگران پرو فیئر محمد منور، گوردنٹ کالج لاہور۔
- ۳۴۔ صحیفہ غالب نمبر اول، بخاری، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، مجلس ترقی اردو لاہور۔
- ۳۵۔ صحیفہ غالب نمبر دوم، اپریل۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔
- ۳۶۔ صحیفہ غالب نمبر سوم، جولائی۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔
- ۳۷۔ صحیفہ غالب نمبر چہارم، ستمبر۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔
- ۳۸۔ سب رس، غالب نمبر، ادارہ ادبیات، اردو حیدر آباد سندھ۔

English Books

- The life and Odes of Ghalib by Abdullah Anwar Baig, Urdu Academy Lohari Gate Lahore 1940.
- Ghalib His Life and Persian poetry by Dr Arif Shah. Sayyad Gilani Principal Govt College Hyderabad W P, Azam Book Corporation Karachi 3 1956
- Ghalib studies, by Abid Riza Badr, Institute of Oriental Studies Rampur 1967
- Interpretation of Ghalib, Pandat J.L. Kaul, Messers Atma Ram & Sons Book Sellers Kashmeeri Gate Delhi 1967
- Mirza Ghalib, Malik Ram. Nation Book Trust India 1960
- Ghalib A Critical Introduction by Fayyaz Ahmad. University of Punjab Lahore. 1969
- Ghalib life and letters, by Ralph Russel and Khursheed ul Islam, Union Brothers Ltd. Old Oking Surrey England. 1969
- Ghalib, M Mujeeb, Sabitya Academy New Delhi. 1969
- Ghalib selected poems, by Ahmad Ali, M E O Roma. 1969
- Whispers of the Angel (Nawa-e-Sarosh), Ghalib Academy New Delhi. 1969
- Ghalib No 3, Feroze Sons Lahore 1969
- International Ghalib Seminar, Editor by Dr. Yusuf Hussain Khan All India Ghalib Centenary Committee Aiwan Ghalib New Delhi. 1969-70
- Ghalib Reveberations by Daud Kamal 1970
- Ghalib the poet and his age, by Ralph Russel, George Allen & Unwin Ltd London. 1972
- Hundred verses of Mirza Ghalib, by Sofia Sadullah A M Sadullah Karachi Pakistan. 1975
- Urdu Ghazals of Ghalib, Translated by Yusuf Hussain, Ghalib Institute New Delhi. 1977
- Yadgar-e-Ghalib translated by K H Qadir, Ghalib Institute New Delhi 1990
- Ghalib Urdu Ghazals, Dr Yagoob Mirza Ghalib Institute New Delhi 1992
- A Dance of Sparks by Annmarie Schimmel, Vikas Publishing House Pvt. Ltd. Kanpur.

مرثیہ

خواجہ الطاف حسین حالی

دل کی باتیں جب اس کی یاد آئیں کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
 کس کو جا کر سنائیں شعر و غزل کس کی داد بخوری پائیں
 مرئیے اس کا نکلتے ہیں احباب کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
 پست 'مضمون' ہے نوحہ استاد کس طرح آہاں پہ پہنچائیں
 لوگ کہہ پاچھتے کو آئے ہیں اہل میت جنازہ فصرائیں
 لائیں گے پھر کہیں سے غالب کو سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں
 اس کو انگوٹوں پہ کیوں آنہ دیں ترجیح اہل انصاف غور فرمائیں
 قدسی و صاحب و اسیر و کلیم لوگ جو چاہیں ان کو فصرائیں
 ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے بے ادب شرط منہ نہ کھولائیں

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت

خاک کو آہاں سے کیا نسبت

”مباحث“

کوہر مہیبانی

عقل فریادی ہے کسی کی شوقی قہر کا
 کاغذی ہے دہکن ہر جگہ تصویر کا
 (غالب)

اس مطلع دیوان غالب / مطلع نزل اول کے مباحث و مطالب میں اہل علم و ادب کے درمیان اشتباہات پتے رہے ہیں۔ آج سے تین سال قبل بھی ایسی ہی اشتباہاتی بحث چلی تھی۔ اب بھر یہی آگ بھڑک رہی ہے۔ چنانچہ گذشتہ شائع شدہ مباحث کو یکجا کرتے ہوئے ’کوہر مہیبانی‘ کے نام میں بھی ابھری ہیں۔ آخر میں انہیں بھی جان کرنے کی ہمارت کی ہے۔ ویسے ہر شاعر اپنے شعر کے مضامین اپنے ہی تصورات و خیالات کے حوالے سے مطو قریاں کرتا ہے لیکن جس طرح ایک پیرے کی علف کھیں ہوتی ہیں ہر شعر بھی علف مطالب رکھتا ہے اور ہر ذہن اپنی اپنی استعداد کے مطابق منہم کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

دیوان غالب کا پہلا شعر

محمد اقبال جلدیہ

عقل فریادی ہے کسی کی شوقی قہر کا
 کاغذی ہے دہکن ہر جگہ تصویر کا

یہ شعر غالب کے دیوان کا پہلا شعر ہے اور غالب کے اس دیوان میں بھی شامل ہے جسے ”نور جدید“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ شعر معنوی لحاظ سے بڑا صاف اور صاف ہے۔ دلائل بھی ہے اور قرائنہ درج بھی ”اس وقت نام و رواج تھا کہ دیوان کی ابتداء منقبت یا مرثیہ کی جاتی تھی۔ غالب کی پہلی نزل کا یہ مطلع ”نوکر مرثیہ“ تھا اور اس کا ”لے“ کے مترادف ہے۔ یہ ایک ایسا شہ پارہ ہے جس میں غالب کے عقل کی رقصت اور قہم کی عظمت پر درج اتم موجود ہے۔ سب سے پہلے غالب ہی کی زبان میں اس شعر کی تخریج دیکھئے۔

ابو ان میں دم ہے کہ دلوں کو کاغذ کے کپڑے بن کر حاکم سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلا دیا خون آلود کپڑا ہائیں پر دکھانے جاتا۔ اس شاعر خیال کرتا ہے کہ عقل کسی کی شوقی قہر کا فریادی ہے کہ وہ صورت تصویر ہے۔ اس کا دہکن کاغذی ہے۔ یعنی ہستی اگرچہ شکل اعتبار حاصل ہو، موجد رب تعالیٰ و آزار ہے۔“

(غالب)

کاغذی دہکن پہنے کا دروازہ نہ کہیں دیکھا نہ جانا جب تک اس شعر میں کوئی ایسا لفظ نہ ہو جس سے غائبی لفظ کا شوق اور ہستی اعتباری سے غور کا ہر ہو، اس وقت تک اسے ماضی نہیں کہہ سکتے معصوم کی یہ فرض تھی کہ عقل تصویر فریادی ہے۔ ہستی

ہے اعتباری اور ہے توفیر کا اور یہی سب ہے کاغذی جوہن ہونے کا شعر میں ہستی ہے اعتبار کی کھانچ ۲۔ ہو سکی اس سب سے کہ
چند مزامنہ اور مقصود تھا مطلع۔ اس لیے ہستی کے بدلے شرفی فقرہ کہ دیا شعر بے معنی ہے (مباحثاتی)

انسان کی بے بود ہستی اور کائنات حیات کا نقشہ الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ حاصل شعر کا یہ ہے کہ ہستی خواہ کسی چیز کی بھی ہو
بامثل تکلیف و رنج ہے۔ حتیٰ کہ قصور تک بھی جو کہ صرف ایک ہستی محض ہے بظاہر حال دریافت کر رہی ہے کہ مجھ کو ہست کر کے
کیوں رنج ہستی میں جھکا دیا جیسا کہ اس کاغذی جوہن سے ظاہر ہے۔ (سید)

سوالنا دم کے یہاں بھی ایسا ہی خیال ہے۔ جس کی تصویر دوسرے الفاظ کے رنگ و روغن کے ساتھ کھینچی گئی ہے کہ

بخرو از نے چوں شکایت سے کند

وز جدائی با شکایت ی کند

کز نیماں تا مرا جھوہ اند

از لغیرم مرد و زن ناہیہ اند

جیسے کہ نے کی گواہی اعتباری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں فطرتی یہ خاصہ سمجھو ہے کہ جب وہ نیماں سے جدا ہوگی اس میں
آواز پیدا ہو سکے گی۔ اسی صورت سے تصویر کو لے لے کر کہ جب وہ صخر کاغذ پر کھینچی جائے گی۔ اس کا لباس کاغذی بین فرما دیں گا اور
جائے تک اس دونوں خیالوں سے ایک بڑا زبردست نکتہ اور بہت باریک بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ مبداء عقل سے جدائی میں اضطرابی
حالت انسانی معمولی نہیں ہے بلکہ وہ اس میں مجبور محض ہے۔ جدائی سے ایسی حالت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اسی خیال کو 'ہادی الفخر
میں آتش مروج نے لوا لیا ہے' مگر وہ ادا نہیں ہو سکا فرماتے ہیں کہ

مہاب آما میں دم بھرنا ہوں جبری ۲ کھینچی کا

شکایت غم ہے اس فطرہ کو دریا کی جدائی کا

درد کو انہوں نے مہاب سے اور مہاب کو دریا سے جدا کیا ہے۔ مگر دراصل مہاب دریا سے جدا نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک

شاعر لکھا ہے۔

دردا سے مہاب کی ہے جدا تو اور نہیں میں اور نہیں

فل جہاں کاغذ میں بعد کا تو اور نہیں میں اور نہیں

مہاب دریا کا ایک فطرہ ہوتا ہے۔ ہوا ایک نیا فطرہ دکھا دیتی ہے اور ہادی الفخر میں اس کی یہ صورت ہو جاتی ہے۔

(مہد بہاری آہی)

گویا اصل سے جدا ہونے کے بعد اضطرابی کیفیت پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ اسی طرح جب تصویر کاغذ پر کھینچی جاتی ہے تو وہ
اپنے کاغذی لباس کی بدولت کائنات کی شرفی تشکیل کی زبان حال سے فرما کر نہ نکلتی ہے۔

جو کچھ تصویر سے مراد جملہ حیوانات جمادات اور نباتات سے ہے۔ یہ ساری چیزیں کا ہونے والی ہیں جب موجودات عالم کا
یہ حال تو عقل ہستی کا پتا ہے کہانی پر فرمادی ہونا شاعر کے تخیل ہند اور غیر معمولی ہمت کا ثبوت کامل ہے۔

(بے خود، دہلی)

معلوم ہو گا کہ ہر شے زبانِ حال سے فریاد کر رہی ہے کہ اسے عمارت بننے والے اسے تصور ہے بدل لاتے ہواری
تخلیق و تکمیل میں کیا کیا منتضیٰ نور نکلتی صرف کہیں۔ لیکن قیامت ہے کہ جو ہے دستِ بردِ قائم ہے۔ نہ قرار ہے نہ ثابت ہے۔
اگر مٹا لقا تو جانے میں ایسا اجسام 'انگِ کلف' کیوں کیا۔

(اثر کھنٹری)

اس نگارِ عالم کی ہر ہر چیز کا حال ازل یعنی قدرت کے حضور میں زبانِ حال سے اپنی داستانِ واری و قافِ پیری کی فریاد کر
رہی ہے۔

(نگارِ چرخِ چندی)

گو یا خالقِ کائنات کا ایک کمِ صوری ہے۔ اس نے پردہٴ دم پر وہود کے نقشِ بنائے ہیں۔ جن کی کوٹا کوٹائی اور بوٹھوٹی ازل
نظر کے لیے جبریتِ انگیز ہے۔ عام طور پر عقل یا تصور کے مطلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر عقل نے یا تو زندگی کے ماحول
پہلوؤں کا آئینہ پیش کیا ہے یا زندگی کی متحرک اور مضطرب کلیات کو رنگوں اور خطوں میں شامل کر دیا ہے۔ تصور نہ جلتی ہے اور نہ
بر لقی ہے جو کچھ کہنا چاہتی ہے خاموشی کی زبان یا زبانِ حال سے ادا کرتی ہے۔ لیکن کسی تصور کا کمال یہ نہیں کہ وہ زندگی کی حرکت کو
سکون سے بدل دے۔ 'مسور' حقیقی زندگی کا ترجمان ہے اور زندگی سراپا تصویر ہے۔ کوئی چیز عبادت، 'دائیات'، 'مجاہدات'، 'انسان تک' لہر
بھی اپنی حالت پر قائم نہیں رہتی۔ انسان اس لامتناہی انتخاب میں ثابت و محو ہوتا ہے۔ لیکن ثابت کہاں۔ بقول اقبال

سکونِ حال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثابت ایک تصویر کو ہے ڈالنے میں

انسان کی سرسری نگاہ نے خاک و سنگ کو جلد سمجھ لیا۔ ہر چہرہ جہاں چاہا ہے۔ وہیں چاہا ہے۔ جب تک غبار کی کوئی قوت
اسے چشم نہ دے وہ زمین لگتا۔ نہ ان کی طبیعت نے بھی بارے کے اندر جمود کے قانون کو اصلی اور اساسی سمجھا اور حرکت کو بارے
سے جدا حقیقت قرار دیا۔ لیکن طبیعت کی قوتی نے انسان کو اس اسیرت تک پہنچا دیا کہ جمود کیس نہیں۔ جلد و کھلی دینے والا بارہ
سراپہ حرکت ہے۔ اس لامتناہی حرکت نے فریبِ فکر کے لئے جمود کا ایک سیما پیدا کر دیا ہے۔ عارفوں کی نظر طبیعی ماحول سے
بہت پہلے حقیقت تک رسا ہو جاتی ہے۔ عارفانِ حقیقت کو حقیقت کی کسی پہلو میں بھی جمود نظر نہیں آیا۔ ساری حقیقت میں زندگی ہی
کے مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں اور زندگی تصویر و اضطراب کا دو سرا نام ہے۔ جہاں زندگی ہے وہاں کسی نہ کسی طرح کی ظاہر یا پوشیدہ
ہے جتنی بھی مسرود ہے۔ عارفِ ودی بھی حاکمِ ارباب کو زندہ حقیقت قرار دیتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

بامیں و تو مسرودِ باطن زندہ اند

غالب کے کلام میں چاندیہ نظریے حیات پایا جاتا ہے۔ سرورِ ان ہی معنوں کا مطلع نکلتا اس امر کی شہادت ہے کہ یہ شاعر کا
نظریے حیات ہے۔ وہ زندگی کی بے مروت سمجھتا ہے۔ یہ شعر صرف انسان کے مطلق نہیں بلکہ ساری موجودات یا تشریفِ کائنات کے
مطلق ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہر قرعہ میں خوشی پائی جاتی ہے اور شاعروں کے نزدیک مشفق کا بھی یہ ایک خاصہ ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ
ہر قرعہ میں بھی جہاں غالب تصور کی خوشی کا ذکر کرتا ہے۔ ہر تصور کی خوشی قرعہ کا انحصار کر رہی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خوشی کا

وہ کیا غلط ہے۔ جس سے فریاد پیدا ہو 'شوفی' کے اندر بے تکلیفی بھی ضرور ہوتی ہے اور زیادہ بے تکلیفی سے ہر زندگی کم و بیش گہرائی ہے۔ قوازن وہم آہنگی سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی صفت ہم آہنگی کے دائرے سے باہر نکلتی ہوئی محسوس ہو تو وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جسے شوفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان کی قوت برداشت کو ایک طرح پہنچ جاتا ہے۔ شوفی میں کشش اور گریز دونوں پلو پائے جاتے ہیں۔ اس کا ایک پلو انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور دوسرے پلو سے طبیعت قرار کی طرف آمادہ ہوتی ہے۔ جو بات ناقابل برداشت معلوم ہو 'اسی سے گریز کی قوت کا ہم فریاد ہے۔ لیکن دوسرا پلو یہ ہے کہ شوفی جالاب نظر دل بھی ہے ہر موجود چیز شوفی تحریر کی فریادی ہے۔ لیکن باوجود اس کے قافہ ہائیں چاہتی ہیں کہ اس شوفی میں ایک طرح کی دکاشی بھی ہے۔ فریادوں میں سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی جادو دھود سے تو فریاد کا پیرا ہونا محال ہے۔ اگر کائنات میں ہر فعل شوفی تحریر کا فریاد ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کائنات ہائے کے جادو ادرات سے نہیں بلکہ دلوں سے آباد ہے۔ اجرام فلكی ہوں یا ادرات ارضی سب کے سب دلوں ہی کی بیشکلیاں ہیں۔ خیال کو غالب نے بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

اندر آپ زندہ دل دل ہے آئندہ
طوطی کو عشق جنت کے حائل ہے آئندہ

میر درد کا بھی یہی نظریہ تھا۔

آہستہ سے جلی میان کسمار
"ہر رنگ دکان جیشہ کر ہے"

جرمی کے مشہور فنی شہین ہار کے سارے قسطے کی اساس بھی نظریہ ہے کہ جسم کائنات ایک بے آپ اورا حیات کی منظر ہے۔ جہاں زندگی ہے وہاں اضطراب ہے اضطراب سے نجات فقط اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ خود زندگی سے نجات حاصل ہو جائے اس خیال کو غالب نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

بقیہ حیات د بند فم اصل میں دونوں ایک ہیں
نہت سے پہلے آدمی فم سے نجات پائے گئے

یا دوسری جگہ کہتا ہے:-

فم ہستی کا آئندہ کسی سے ہر جہرک طالع
شع ہر رنگ میں جلتی ہے سر ہونے تک

اگرچہ یہ شوفی تحریر جو فریاد آفری ہے ہر فعل کے اندر موجود ہے۔ حقائق میں سے کوئی ہستی اس سے ہر ارضیں۔ لیکن ارتکائے حیات کے ساتھ ساتھ تحریر کی یہ شوفی اور اس کے ساتھ ساتھ فریاد بھی بدھتی جاتی ہے۔ اشرف الملوکات حضرت انسان تک پہنچ کر یہ حال ہو جاتا ہے جس کے حلق غالب نے کیا خوب کہا ہے۔

قیامت سے وہ انچہ خا کے کہ انسان شد

سب سے زیادہ اضطرابی کیفیت وہ ہے جسے قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے غالب کے نزدیک قیامت یا محض کھل گئی آئندہ ہونے والے واقعہ کا بار نہیں۔ قیامت اور انسان ہم زاوی ہیں۔ جس پر وہ خاک میں انسان خلا گیا۔ اسی سے قیامت بھی ابھاری گئی انسانیت اور

نیاست یک وقت ایک ہی حقیقت میں سرزد ہوتی ہیں۔ ابھی بری فتنوں کا طوفان اور اس کے تلخ ہر وقت نفس انسانی پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ صورت کائنات کی شوقی تحریر کا سب سے زیادہ نمونہ انسان ہے۔ اسی لیے وہ سب سے زیادہ فریادی بھی ہے۔ انسان کو اس کا شوق مضرب اور بے اختیار دکھتا ہے۔ اس غزل میں غالب نے جو طبع مستحسن شعیر سے پیدا کیا ہے۔ وہ حقیقت میں انسان ہی کے بارے میں ہے۔

بند ہے اختیار شوقی دیکھا کالجے
سند شعیر سے باز ہے دم شعیر کا

اس طرح انسان بھی ہر وقت فتنوں میں باپنا کاپتا رہتا ہے یہ شعر مطلع ہی کی طرح عکس ہے۔ اسی طرح اس غزل کا دوسرا شعر بھی انسانی اضطراب کی کیفیت ادا کرتا ہے۔ یہ سمجھنا تھا ہے کہ فریاد کو کوئی غیر معمولی مصیبت پیش آتی تھی کہ ایک جانور کام اسے کرتا پڑا اپنی پہاڑ کات کر اس میں سے ہونے شیر لائے۔ جہاں بھی فتنوں شدت پیدا ہو جائے یہ کیفیت عام ہو جاتی ہے۔

جہاں پے رات بھر کی کلا پہاڑ ہے

ہر ماضی کو ہر رات یہ کلا پہاڑ کات کر صبح کی ہونے شیر لائی پڑتی ہے۔ جب تک دل ہے اور دل میں فتنوں بھڑکی ہیں۔ اس وقت اسیر اور پاد زنجیر ہونا بھی اس کا علاج نہیں فتنوں کی بے نیکی ایک باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری آزادی و پابندی سے اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جس خیال کو مطلع میں انوکھی تفسیر سے لرا کیا ہے۔ اسے حلق میں بھی جلی جاتے سے جان کیا ہے۔

بسکہ ہوں غالب امیری میں بھی آفتل دریا
موتے آفتل دیدہ ہے خط مری زنجیر کا

معنی آفریں 'موت و تفسیر اور بلاغت کے لحاظ سے مطلع' مطلع کا ہم پلہ ہے۔ لکھ کر سکتے ہیں کہ مطلع کی شوقی تحریر کی پگھلائی مطلع میں آہیں گداز آگ بھی لگی ہے۔

(ڈاکٹر طیلد مہداحیم)

غالب کا یہ شعر جو سر مطلع دیا ان ہے ان کی شوقی فکر کا مالک و شہ آئینہ دار ہے۔ انہوں نے جو کے پردے میں خدا سے لگ کر کیا ہے کہ اسے خدا پرست بننے پر تھوڑی کا کا کے لیے پیدا کیا تو پھر ان میں اس قدر کمال کا اظہار کیوں کیا؟ واللہ و مگر جب ہست کر کے مٹا حضور قادر ہست کرنا ہی کیا ضرور تھا۔ یہ قرار بھی کس قدر حیرت انگیز ہے کہ غالب کے ہر صنف میں صر شوقین ہار نے بھی ہستی کے حلق میں غمیرے پیش کا ہے کہ ہستی سر ہا کھلن اذیت اور شر ہے ہستی کی تر میں ارادہ کار فرما ہے اور سارا فساد اسی کا پیداکر دہے۔

(پروفیسر سلیم چشتی)

نقل: صورت 'ہر چیز جو عالم وجود میں آئے' ہستی نگار غلام

فریادی: فریاد کرنے والا، پندارتھ والا، جھگڑنے والا

شوقی تحریر: عقل کی رہنمائی، تخلیق کی حتمی تحریر

کافہ کی پرچہ: فریادی کا لباس پر کہ کافہ جلد پہنت جاتا ہے لہذا کہتا ہے ہم ثابت سے

پیکرِ قصوید : قصوید کے عقل و فکر کوئی بھی چیز جو تصویر کی طرح دماغ یا غصورت ہو سکتی ہے حقائق کے وجود کا بری ہے۔
شاعرِ حیرت سے پوچھتا ہے کہ یہ سارا فکر خاندانِ عالم کس کی (مرا خدا سے ہے۔) تخلیق کی قسم غرضی ہے فریادی کا ہے۔
یہاں کی ہر چیز دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ جیسے تم کو یہ ثابت بھی کہیں نظر آتی ہے؟ خدا کو اسے جیسے تم اور کا آواز داتا
تھا تو اس سے زندگی کو اس قدر دماغ داتا ہی کہیں؟

غالب نے صرف لفظ عقل سے پورا فکر خاندانِ عالم مراد لیا ہے عقل کی رعایت سے قرعہ کما ہے جو تخلیق کے معنی ہوا کرتا
ہے۔ گویا یہ ساری کائنات خدا کی قرعہ ہے۔ صرف لفظ شوقی سے یہ معنی پورا کر دیتے ہیں کہ تخلیق کا کرم بھی بڑا ہے قسم ہے۔ کھڑی
پریوں سے نہ صرف جیسے تم ہوتا بلکہ ہے ثابت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک لفظ قصوید سے تخلیق کا معنی نور کمالِ ظاہر کر
دیا ہے۔ غصورت اور کارگیری کو نمایاں کرنے والی چیز کو قصوید سے تعبیر دی جاتی ہے۔ اگرچہ بڑی کا ایک عام معنور ہے۔ "قصوید کی
طرح غصورت" قصوید عام طور پر کھڑے پر جاتی جاتی ہے۔ لہذا کھڑی پریوں میں یہ رعایت بھی ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ فرض کہ اس
شعر کا ہر لفظ ایک نمونہ معنی ہے جو دوسرے لفظ کو زور پہنچا رہا ہے۔ لہذا کلمہ سے کم اور معنی نہ صرف زیادہ بلکہ لطیف سے لطیف تر
اسی کو قادر الکلامی کا ہار کھینچتے ہیں جو ادب کے فکر خاندان کی نقوشِ حیرت کر جاتا ہے۔ (دہامت علی سندیلہ)

(لفظ و ترکیب)

فاروق کے دس عظیم شاعر از محمد اقبال جلد ۱

ایڈیشن ۱۹۸۳ء، طبعی کتاب خانہ اردو بازار لاہور

مطلع دیوانِ غالب

مشکور احسن عباسی

دنیا سے علم و ادب میں بھلا کیا کون شخص ہے جو اس خیال کو بھیاں نہ سمجھے کہ پاک و ہند کے سب سے بڑے شاعر نے اپنے
شعری جو شرح خود جان کی ہے وہ لفظ ہے۔ مسئلہ اور بھی زیادہ حلیہ ہو جاتا ہے اور کہنے والا یہ بھی کہے کہ شعر کا وہ مطلب جو میں
کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔

اس کے باوجود راقم الحروف "جہاں" کہ دلدازِ غالب ہے "پورے انداز سے کہتا ہے کہ مطلع دیوانِ غالب کا وہ مطلب جو
میں کی طرف منسوب ہے "لطاعت لفظ ہے۔ شعر ہے؟

عقل فریادی ہے کس کی شوقی قرعہ کا

کھڑی ہے خدا کی ہر پیکرِ قصوید کا

اب وہ مطلب سنئے جو اس شاعر نے تبدیل لے اپنے اس شعر کا خود جان کیا ہے؟

"امیران میں دم ہے کہ دلوں خواہ کھڑے کے پہرے ہیں کہ ماحم کے سامنے جاتا جیسے مشعلِ دن کو جلاتا یا خونِ آنور
پہرہ بانس ہے لگا کر لے جاتا۔ میں شاعر خیال کرتا ہے کہ عقل کس کی شوقی قرعہ کا فریادی ہے کہ جو صورت

تصور ہے اس کا جوئی کافی ہے، یعنی جتنی اگرچہ محل تصاویر اقبال محض ہر موصیہ ربیع و طالع و آواز ہے۔"

(غور بنوی)

داخل ہو کہ کسی امر کا موصیہ ربیع و طالع و آواز ہو یا غور بات ہے اور کسی مظلوم کا داد طلب اور فریادی ہو یا کچھ اور ہے۔ کسی جسمانی کرب و اذیت یا ناگزیر القادری پیش آمد ہر ربیع و طالع میں جتا ہوئے والا محض کافی جوئی ہیں کہ حاکم کے سامنے کبھی پیش نہیں ہوتا اور کس خطہ ارض میں یہ رسم تھی؟ ہاں یہ درست ہے کہ ایک محض جس کو اس کے حق سے محروم رکھا گیا ہے وہ بلاشبہ حق رسی و داد طلبی کے لیے کافی لباس پہن کر حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ میں نے خود ایک محض کو دیکھا جس نے اپنی شکایات ایک بہت بڑے کاف کے تلخ پر لکھ کر بطور جوئی کے اپنے اور پہن لیا تھا۔ دن کو محض جانا یا غور آلود کپڑے کو ہاں پر لٹکانا بھی بلاشبہ مظلومیت کا اظہار اور داد طلبی کی ایک صورت ہے۔ گڑا پڑا جتا ہر کلمات ہے وہ بھی اسی قسم کی اظہار مظلومیت ہے، لیکن مقصد ان تمام صورتوں میں "داد طلبی" ہے ربیع و طالع اور آواز کا اظہار نہیں ہے۔ اس کا طریقہ کپڑے پھاڑنا، سر پھٹا کر یہ دیکھا سے کام لیتا ہے۔ کافی لباس پہننا ہرگز نہیں ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آخر "شرعی قرع" ایسی کون سی اذیت وہ صورت حال ہے کہ اس کے باعث محض آزاد فریاد یا جتاے ربیع و طالع و آواز ہو جائے۔ مع ذہا شرعی قرع کی تشکیل کردہ تصور کو اقبال محض قرار دینے کی کوئی توجیہ نہیں کی گئی۔ اس کو اقبال محض ہی قرار دینا قاتل شرعی قرع کی بجائے غیر واضح یا ہم تصور کہنا چاہیے تھا۔ فرض معنی شعر کی یہ چل کسی طرح ٹھیک نہیں تعلق۔

راقم الحروف کے نزدیک شعر واضح المعنی ہے جس کا مظلوم یہ ہے کہ اشعار غالب جو کافی لباس میں پیش ہیں وہ کو برا بردارے حق سے داد طلب ہیں اور داد طلبی کی نوعیت اس لیے آتی کہ شعر غالب کا حق پذیرائی لواتھیں ہوں۔

کمال اسماعیل اسماعیلی کا یہ شعر بالکل اسی خیال کا ترجمان ہے :

کافی ہنس چہ شید و درگاہ آمد
داد و خاطر من تہدہی داد مرا

ایسا مظلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنے اس شعر کے مطالب کو کمال اسماعیل اسماعیلی اپنی ۱۹۳۵ء سے لفظ فرمایا ہے۔ اگر ندرت معنی کے ساتھ بدلت اواز ہوتی تو ہم یہ تاہل کہنے کہ غالب کا مطلع کمال اسماعیلی کے شعر کا معنوی مراد ہے۔
شعر غالب میں "مصلح" استعارہ ہے۔ انشاء شعر سے "مصلح" کہنا ہے ذات شعر سے۔ شرعی قرع معنی غولبی قرع۔ بیکر تصور معنی شعر (جو جذبات کی تصویر کشی کرتا ہے) کافی جوئی ہو ناگیا ہے داد طلبی سے۔
شعر کا مطلب یہ ہوا کہ غالب نے غولبی قرع کے نقوش سے جو تصویر کشی کی ہے جتنی وہ اشعار جو انہوں نے تشکیل کیے ہیں وہ کافی جوئی اس لیے ہیں کہ ان کو خاطر خواہ داد نہیں ملی اور غالب داد ہیں۔

ہم اگرچہ اس کو اصل شاعرانہ کہہ سکتے ہیں لیکن جہاں تک شعر غالب کا تعلق ہے یہ سوا نہیں اقتدار حقیقت ہے کہ ان کے عہد سے لے کر اب تک شعر غالب کی دلو خاطر خواہ نہیں رہی چاہتی۔

(مجید غالب نمبر صدر مئی شمارہ ۶۳، اپریل ۱۹۷۳ء)

شخص ارجمند فاروقی

شخص فریادی ہے جس کی شوقی تحریر کا

کافری ہے جس میں ہر جگہ تصویر کا

زبانہ تحریر ۱۹۷۶ء

اس بات کی وضاحت اب بظاہر ضروری نہ ہو کہ اس شعر کے بارے میں مباحثاتی کا یہ فیصلہ دوست نہیں ہے کہ "صفت" کا یہ کتنا کہ ایران میں رسم ہے کہ دارِ خواہ کاف کے پکڑے ہیں کہ حاکم کے سامنے جاتا ہے جس نے یہ ذکر نہ نہیں دیکھا نہ سنا۔ "کافری" یہ کہ یہاں بہن کر دلو خواہی کے لیے ہمارا منظور قدیم ایرانی رسم ہے اور کمال اسٹیل کا یہ شعر اس کے دعوہ کی دلیل کے لیے کافی ہے۔

کافری ہیں بہن بہن پوشیدہ و بدو گاہ آہ

زارہ خاطر میں تمہارے دلی دلو مرا

اس رسم سے ملتی جلتی رسم کا سراغ قدیم روم میں بھی ملتا ہے۔ قدیم روم کی رواج کی رو سے دارِ خواہ یا امیدوار لوگ حاکم کے پاس سفید لباس پہن کر جایا کرتے تھے چنانچہ انگریزی کا لفظ Candidate بہ معنی "امیدوار" اسی رسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ انگریزی میں Candid کے معنی "صاف" کے ہیں اصل لاطینی میں Candid کے معنی تھے "سفید" اور Candidatus کے معنی "سفید لباس پہننے والا" یعنی امیدوار۔

غالب نے اس شعری تخریب میں لکھا ہے۔ "شخص کی شوقی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے اس کا یہ نہیں کافری ہے۔ یعنی جتنی اگرچہ شکل تصویر اعتبار حاصل ہو 'موجب رنج و آزار' ہے۔" شاعر مجید غالب نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ شعر انسان کے ضعیف ایجنس ہونے کے خلاف احتجاج ہے لیکن مباحثاتی اس سے تعلق نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ شعر میں کوئی نقطہ ایسا نہیں ہے جس سے جتنی اعتباری سے عزت کا یہر ہو حالانکہ محفل جتنی اعتباری سے عزت کا نہیں بلکہ صرف اس بات کا ہے کہ کاف کا لباس دلالت کرتا ہے فریاد اور دلو خواہی پر اور فریاد و دلو خواہی بظاہر اس بات کی ہے کہ مصور نے ازراہ شوقی تصویر کو بظاہر بظاہر بنایا ہے۔ ایک کتبہ یہ بھی یاد کیا گیا ہے کہ تصویر خالق سے یہ آہو کر صفحہ قرعاس میں محسوس ہو جانے کی شکایت کر رہی ہے۔

شعر کے الفاظ ایک اور بھی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور خود غالب کی شرح اس مسئلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ پہلے مصرعے کا کافری فقرہ "کس کی" ہے جس میں ابھی یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ وہ کون سی جتنی ہے جس کی "شوقی تحریر" کے خلاف شکل فریادی جس دوسرے الفاظ ہیں "یہ شعر جتنی کی ہے ثنائی ذاتی کے موجب رنج و آزار ہونے کے بارے میں تو ہے" لیکن اس کا بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قوت ہے جس کے جبر و اقتدار کے باطن ہر جہر مجبور ہے؟ مصرعہ اولیٰ کا "کس کی" استغابہ سے زیادہ استغما ہے۔ لیکن ہے کہ اگر "کس کی شوقی تحریر" کا صحیح جواب مل جائے تو "بیکر تصویر" کی دلو خواہی ہو سکے۔

”فعل“ دراصل انسان ہے ”بہ صورت تصویر ہے زبان ہے اور زبان ہے ذہنی ہے یہ فریاد کر رہا ہے کہ ہمیں کس نے جھٹائے آزار کیا؟ اس کچھ ہے بھی خود کچھ کہ فعل ہے زبان ہوتا ہے اور یہ ہے زبان ہی اس کے فریادی ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح کا قول غالب کو بہت عزیز تھا۔

مراجعت التعلیل (فعل، حرف، کافذی، پچین، بیکر، تصویر) کے علاوہ غالب نے اس شعر میں تجیس صوتی کا بھی خوب اہتمام کیا ہے فریادی ”کس کی“ شرفی ”کافذی“ ہے جہاں ہر کچھ مصرع دہائی میں ”بر“ پر خاص تکیہ ہے جو ”بیکر تصویر“ کے دو در اسے سلا سے نکل کر مصرع میں شدت اور اصرار کے عنصر کا اضافہ کرتی ہے۔

مصرع لولی کا اسلوب انکثاتی یعنی اختصائی ہے اختتام غالب کا خاص انداز ہے، لیکن یہ انہوں نے اختتام اور اس طرح کے دوسرے انکثاتی اسالیب کا لہجہ میر سے سیکھا ہو۔ لیکن دہائی کا پہلا شعر ”جس کا مضمون جو پر مٹی ہوا“ ہے قلمء عظیم دو جہلی کو معرض سوال میں لاتا ہے۔ یہ شرفی یا آزاد دہائی یا عالی دہائی ”غالب کی خصوص ادا ہے۔ میر بھی خالق کائنات کے قلم و لہجہ کو معرض سوال میں لاتے ہیں ”مٹا دیا توں اول ہی میں کچھتے ہیں۔“

کوئی ہو محرم شرفی ترا تو میں پہ یوں

کہ ہم پیش ہواں کیا سمجھ کے برہم کی

لفظ ”شرفی“ کو کچھ کر گلیں گزرتا ہے کہ میر کا شعر غالب کے ذہن میں رہا ہو گا۔ لیکن خالق کائنات کی شرفی کا مضمون اور اس پر طرہ یہ کہ اس شرفی کو موضوع سوال بنا اور ایسے شعر کو سراج ان رکھتا ”یہ شرفی غالب سے ہی لیکن تھی۔“

واضح رہے کہ بیان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (1) خبر (2) انکثاتی۔ خبر یہ بیان وہ ہے جس کے اوپر بھوت یا جگ کا حکم لگ سکے۔ انکثاتی بیان وہ ہے جس پر بھوت یا جگ کا حکم نہ لگ سکے۔ مثلاً یہ بیان خبر ہے ”میں انسان ہوں۔“ ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ بیان بھوت ہے یا جگ۔ حدود ذیل انکثاتی ہیں: ”کیا میں انسان ہوں؟“ ”انسان ہو۔“ ”کاش وہ انسان ہو۔“ ظاہر ہے کہ ان بیانات کے اوپر بھوت یا جگ کا حکم نہیں لگ سکتا چنانچہ انکثاتی بیان میں معنی کے امکانات کی کثرت ہوتی ہے اس لیے انکثاتی بیان کو خبری بیان پر ترجیح دیتے ہیں۔

(تخصیم غالب، ص ۲۲)

غالب کے اردو دیوان کا پہلا شعر

مفکور حسین یاد

پہلے شعر سے میری مراد غالب کے اردو دیوان کی پہلی فزلی کا یہ شعر مطلق ہے :

فعل فریادی ہے کس کی شرفی حرفے کا

کافذی ہے جہاں ہر بیکر تصویر کا

غالب کے ابتدائی معروف شاعر میں سے الفیغ نگر محمد علی قرنی شارح تخصیم لار حسن الرحمن قادری صاحب نے بھی اس شعر کا

لیکن اس کا بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قوت ہے جس کے جبرہ انکار کے ہاتھوں ہر چیز مجبور ہے؟ مصرعہ اولیٰ کا "کس کی" استعجاب سے زیادہ استغراب ہے۔ لیکن ہے اگر کسی کی شوقی قرعہ کا صحیح جواب مل جائے تو پھر قصور کی دلو طراعی ہو سکے۔ عقل و راصل انسان ہے صورت قصور ہے زبان ہے اور زبان سے ذہنی سے فریاد کر دیا ہے کہ ہمیں کس نے جھٹائے آزاد کیا؟ اس نکتے پر بھی غور کیجئے کہ عقل ہے زبان ہو رہا ہے اور یہ ہے ذہنی اس کے فریادی ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح کا قول حال غالب کو مست موعظ تھا۔"

اولیٰ تو غالب نے وہ اپنے اس شعری تخریج کی ہے اس کی طرف شاد حسین غالب نے فاروقی صاحب سمیت چوری طرح توجہ میں دی ورنہ غالب کی تخریج میں پہلی فاروقی صرف "ایک اور بھی سنی" کی طرف ہی راہنمائی نہیں ملتی، سمت سے لغوی کے انکشافات جھگڑاتے نکل آتے ہیں۔ دوسرے فاروقی صاحب نے پہلے مصرع کے فقرے "کس کی" کو کلیدی کر کہ تمام شعر کے سنی کو ایک طرح سے بست کر دیا ہے۔ اس تمام شعر کا کلیدی لفظ تو ایک ہی ہے اور وہ ہے شوقی جس کی طرف شاد حسین نے سمت کم توجہ دی ہے۔ شوقی کی طرف فاروقی صاحب کی چوری توجہ ہوئی تو وہ "کس کی" فقرہ کو استعجاب کے بجائے استغراب کہنے پر بھی زور نہ دیتے۔ انہی کے قول کے مطابق استغراب غالب کا خاص انداز سنی لیکن فاروقی صاحب اس نفسیاتی حقیقت کو کیسے فراموش کر گئے کہ استغراب جس طرح استعجاب میں مضبوطی کے ساتھ گامزن رہتا ہے اس طرح واقف انداز میں سامنے آنے سے اس میں یعنی استغراب میں نہ وہ مضبوطی قائم رہتی ہے اور نہ ہی سب دلی غراؤ و صحت اور پائیداری اس کو نصیب ہوتا ہے۔ مصرعہ اولیٰ کا اسلوب بیخیا انکشاف ہے لیکن روانہ انداز کا یہی غلط پیکار استغراب برکز برکز میں ہے۔ پلے بھر بھی اگر فاروقی نے اسلوب کو انکشاف کہہ دیا ہے تو غلط پیکار استغراب تو وہ نہیں رہا لیکن استعجاب کے بغیر استغراب پر زور دینا کوئی زور و داریات نہیں۔ ہاں تو میں عرض کر رہا تھا اس شعر کا کلیدی لفظ شوقی ہے اسی لیے ذرا غور و فکر کے بعد فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ شعر کا اصل مسئلہ کسی کی شوقی قرعہ میں ہے بلکہ قرعہ کی شوقی ہے۔ غالب نے "کس کی" شوقی قرعہ کہہ کر سوال نہیں اٹھایا بلکہ تبدیل حلقہ سے کام لیتے ہوئے شوقی قرعہ کی طرف خاص توجہ دلائی ہے ورنہ شوقی قرعہ کے حلقے کو کون نہیں جانتا۔ لفظ شوقی کے سنی پر چوری طرح توجہ نہ دینے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ دوسرے شاد حسین غالب کو تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں جدید زمانہ کے ذہن تقسیم نگاری ہمارے حسن الرضیٰ فاروقی بھی یہ فرما رہے ہیں کہ "یہ شعر ہستی کی ہے بنائی یا آدمی کے صوبہ دیکھ و آزاد ہونے کے بارے میں تو ہے لیکن اس کا بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قوت ہے جس کے جبرہ انکار کے ہاتھوں ہر چیز مجبور ہے۔" گویا ہر چیز کا مجبور ہونا کوئی نئی چیز ہے۔ دیکھنے کی ہمت بھی ہے کہ اس شعر میں جبر اس طرح کا کوئی برا تاثر نہیں دے رہا ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ تصور نے قصور کو چلتا پھرتا کر بٹایا ہے لیکن اور اس شوقی چلتا پھرتا نہیں بٹایا بلکہ خود قصور میں شوقی بھر دی ہے جس کی وجہ سے اس میں یعنی قصور میں دیگر صلاحیتوں کے علاوہ یہ صلاحیت بھی پیدا ہو گئی کہ وہ فریاد کرنے اور دلو خواہی سوال اٹھانے کے قابل ہوئی۔ شوقی کے لفظ نے تمام شعر میں ایسی میٹھی و طراوی اور زہد دلی و طوخی حالی کی نشا پیرا کر دی ہے کہ خود قصور کو اپنی چلتا پھرتا سنی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اسی لیے تو وہ فریاد کر رہی ہے اور انصاف طلب کر رہی ہے کہ ایک طرف تو بٹانے والے نے اسے اس قدر خاموش اور رجحانی سے بھرپور بٹایا ہے اور دوسری طرف اس کے مفرد میں قاج بھی لکھ دی ہے۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا ہے اور ہر قصور کی شوقی ہمیں یہ سوچنے پر بھی مجبور کر رہی ہے (واضح ہو کہ یہ مجبور ہی کا لفظ ہے) کہ بقول غالب ہستی ہزار مثل قصور اختیار چھل ہو لیکن ہے سمت اہم اور یہ "خیر" اسی لیے "

موسم ریگ و آوار ہے " اس طرح دیکھا جائے تو سنی کی ٹاپنائی اری میں ایک جہاں معلیٰ پوشیدہ نظر آتا ہے اور یہ سب شرفی قرے کے باعث ہے۔ عقل سنی کی دار خوافی کا مطلب بھی وہی بات کہ اس کی بظاہر ٹاپنائی اری کے سنی سمجھنے سے ہے گویا شرفی قرے ہمارے ذہن کو بیدار کر رہی ہے کہ ہم سنی کو بے ثباتی کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر یہ مطلب ہماری سمجھ میں آجاتا ہے تو دیگر قصور کی دار خوافی ہو جاتی ہے۔ لہذا اس شعر کا بنیادی سوال جیسا کہ قادیانی صاحب نے کہا ہے یہ نہیں بتا کہ وہ کون سی قوت ہے جس کے جبر و اقتدار کے باوجود ہر چیز مجبور ہے۔ اصل مسئلہ تو قصور سنی کی شرفی قرے کو سمجھنا ہے جس کے باعث یہ عظیم قوت اپنے جبر و اقتدار کو بھی ہر شے کے لیے پارکت اور ہلال افروز ثابت کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرے کی شرفی نے عقل سنی کی فزاد کو بھی باطنی جادو ہے اور اس عقل کی ٹاپنائی اری کے باعث جو ریگ و آوار بنی رہا ہے اس کو بھی لطف سنی سے بھر دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے یہ ساری خرابی اس لیے پیدا ہوئی کہ شاعر جس نے لفظ شرفی کے سنی پر پوری طرح توجہ نہیں دی اور اگر توجہ دی بھی مگر تو اس لفظ کے عقلی سنی کو پیش نظر رکھا گیا اور نہ آپ جانتے ہیں شرفی کے سنی تو بہت حیات پرور اور تحریک دینے والے ہیں اور پھر قرے میں شرفی پیدا ہوئی ہے تو عقلی اندازہ کرنا سناں آدہ ہے ہیں۔ یعنی غالب کے اس شعر میں عقل لفظ شرفی کے باعث جب سنی غیر تحریک اور حامل کی تصانیف پیدا ہوئی ہے جس پر توجہ کے بغیر ہم اس شعر کی صحیح سنی میں دار نہیں دے سکتے۔ شرفی کے سنی کے ضمن میں دایر کا ایک شعر یہاں بے محل نہ ہو گا ملاحظہ فرمائیے۔ شرفی کی ضابطت قابل غور ہے :

شرفی و شرم ادائیں قری دو ہمراہ ہیں
ایک چلنے کے لیے ایک د چلنے کے لیے

شرفی کے سنی کی مزید وضاحت کے لیے خود غالب کے دو شعر پیش کر رہا ہوں۔ پہلے شعر میں شرفی کے خیال ہونے کا مزہ جوت ہے :

ہے اصل ہر عالم صمیم و منہ می
مستوفی شرح و مافوق دیوانہ چاہیے

دوسرے شعر میں دھمے لہجے کے باوجود شرفی کا زور بے ثباتی دیکھنے کی چیز ہے۔ اس کے ساتھ یعنی شرفی کے ساتھ باجی اور نومیادی ایک طرف ہو کر رہ گئے۔

نہ لائی شرفی اندیشہ تاب ریگ نومیادی
کف افروس ثنا محمد تجدد قننا ہے

تجسس

قادیانی صاحب نے اس شعر میں مراعات السطیر اور تجسس صوفی کا بھی ذکر کیا ہے۔ تجسس صوفی کے بارے میں تو بہت وضاحت کی بھی ہے لیکن مراعات السطیر کے ضمن میں تو صرف یہ الفاظ لکھ کر رہ گئے "عقل" قرے "کاغذی" جڑ میں "تکے قصور۔" میرے خیال میں انھیں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ یہ صنعت بھی اس شعر میں بدست زور دار انداز میں آئی ہے اور قادیانی کا ذہن صنعت کے بجائے معلیٰ کی طرف جاتا ہے اور بڑی سرعت کے ساتھ جاتا ہے اور اسی کو صنعت کے استعمال میں اٹھارہ کمال اور چابکدستی سمجھا جاتا

خصوصیات حرکت اور سکون ہیں۔ عقل اس کائنات کے سکون کو ظاہر کر رہا ہے اور اس کا فریادی ہو تا اس کے فعل ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن ہماری کائنات کو عقل کہہ کر اس پر ایک ایسا سکون مسلط کر دیا ہے جس کو ہم حمایت آسمانی کے ساتھ حریت سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن عالم حریت بذات خود ایسے سکون کا مظہر ہوتا ہے جس میں بے شمار فعل کیفیات مضمر ہوتی ہیں۔ غالب نے ان فعل کیفیات کو فریادی کہہ کر ان کی حرکت کو مزید بخوبی بخشن دی ہے۔ شرقی قریر کی ترکیب اس مقصود کو نہ صرف مزید واضح کر رہی ہے بلکہ اس کے معانی میں بھی اضافہ کا باعث ہوئی ہے۔ قریر کی شرقی خالق کائنات کا تصور ۲

تخلیق پر مبنی رد و فتنی و التی ہے یعنی ہزار خالق ہونے کے باوجود یہ کائنات اپنے اندر ایک ایسا عظیم مقصد رکھتی ہے جس کے باعث اس کا ہر ذرہ فریادی ہوتا ہے اور چار چار کر اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ خالق کائنات کو نہیں اس کے اس ارضی غلیظ کو جو فاعل ہونے پر آمادہ ہے تو بڑی سے بڑی حقیقت کو ایک بجلی میں اڑا کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کائنات کی بنیاد پرستی اور بے بنیادی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ بس اس کا یعنی آدمی کا عرصہ حیات اتنا سا یا بہت قہر ڈالنا ہے یہ کائنات بنائیے اور ہونے کے باوصف ہے شمار معانی سے لہجہ ہے اور میں سے اس شعر میں جو کا پہلا لفظ ہے "اور اس لیے یہ شعر بھی جو یہ شعر ہی ہے۔ لیکن غالب کے الفاظ خاص کا وہ یہ شعر۔

(مجید، شمار، ۱۳۹، اکتوبر، دسمبر ۱۹۹۹ء)

مولانا حافظ احمد حسن شوکت نذیر اخبار

عقلمند و طوطی بہند و پروان

عقل فریادی ہے کہ کی شرقی قریر کا لفظی ہے جو میں ہر جگہ تصویر ۲

وقت عقل بالغ صدر۔ لکھت۔ پڑھنے سے کائنات نکلتا۔ نیر نے سے قانون تراشا۔ مہرے سے ہل آکھڑا۔ لفظ عرب کا خط جمیل اٹلا۔ بازی کا دواؤ حسب مراد آکا شہ "ہم دارہ۔ ایک خراسانی ہاجر کا نام جو نقوش فریاد مرکب و مختلف فریاد۔ یاد کے آگے آہ۔ ہوشیار یا جاگم کو اپنی مصیبت یاد دلانا۔ شرح باضر ہوا صرف کپڑے اور بدن کی نیکل یا ٹیکٹ اور یوں بھول دیکر۔ جلد۔ ہلاک۔ بیاک۔ قریر لکھت۔ لوطی یا غلام کا آزاد کرنا چونکہ لکھتے سے دل کی بات آدلو ہو جاتی ہے اس لیے وضع خانی میں لکھتے قریر کا اطلاق ہوا) جو کلام لکھت شہروز دانہ سے کلام کو پاک کرنا۔ تمس انداز۔ گاتے وقت گتے سے جھڑکی نکالنا۔ مہرے غم سے ہارک غلا کھینچنا۔ حکیم عقیدس کی مشہور کتاب کو بھی قریر کہتے ہیں۔ جو میں حکن ہے کہ جداگانہ لفظ ملوڑ معنی لباس وضع کیا گیا ہو اور حکن ہے کہ پائے دھن یا پائے دھن سے مرکب ہو۔ کیونکہ لباس سر سے پاؤں تک انسان کی برہنگی کو (دھن) قید کر لیتا ہے۔ ہر صورت۔ قسم۔ طریقہ۔ سانچہ۔ تخت۔ تصویر۔ صورت کھینچنا۔ جس کا مہر نہ چٹکے۔

حل : یہ شعر جناب ہادی کی عمر میں ہے عقل یا تصویر سے مراد کوئی خاص عقل یا تصویر نہیں بلکہ کل مصنوعات و کمالات عالم مراد ہیں۔ کیونکہ نکتہ نودہ نام کے خدائے تعالیٰ کا ایک نام المصور بھی ہے۔ کلام مجید میں آیا ہے بصورت فی الارحام کیف یشاء

یعنی خدا سے تعالیٰ ماؤں کے رحم میں بھی صورت پاتا ہے تاکہ اسے اور رحم مادر میں ایک لغزہ آپ سے جناب ہادی کا صورت پیدا کرنا ایسی اعلیٰ درجہ کی صنعت ہے جس پر خود کرنے سے عقل انسانی ششدر رہ جاتی ہے۔ پھر جب رحم مادر سے نکلتا ہے تو کفہ بھی ایک عمل میں لپٹا ہوتا ہے اور پیدا ہوتے ہی روتا ہے یعنی فریاد کرتا ہے تو یہ معنی ہوتے کہ ہر مصنوع جب رحم سے دھڑ میں آتا ہے تو صالح عقل کی صنعت کا فریاد اور دلداد ہوتا ہے اور فریاد کرتا ہے کہ اٹھ کو اس کی صنعت نے مار ڈالا یعنی میرا دل ٹھیک لگا۔ شرابی سے مراد دلہائی اور مستی ہے۔ فریاد سے مراد قہقہ ہے یعنی ہر مصنوع اور موجود جب صنعت دھڑ پھٹتا ہے تو زبان حال کا سوال ہے۔ جناب ہادی کی قہقہ کرتا ہے کام مجھ میں ہے یسبح لہ ما فی السموات وما فی الارض یعنی ہر شے زمین و آسمان میں ہے خدا سے تعالیٰ کی قہقہ کرتی ہے۔ قہقہ کے معنی صالح عقل کا محبوب اور نعمات سے پاک جانا ہے یعنی جس صنعت سے اس نے ہم کو پیدا کیا ہے وہ ہر طرح کامل ہے اور جمیع نعمات سے مزین ہے۔

معنی دوم : خود تصور اپنے تصور کی معافی پر فریاد ہے اور اس کی دلہائی کی فریاد ہے اور چونکہ حاکم کے اجلاس میں استیلا کا فائدہ ہے کہ کہ فریاد کیا جاتا ہے تو جس کفہ پر تصور پھیلی ہوئی ہے یہی گواہ اس کا استیلا ہے۔ حضرت غالب مرحوم نے مور پوری میں کسی کے احتضار پر اس شعر کی تخریج میں کہا ہے کہ ولایت میں مستطیلے لوگ کفہ کا ہی انہیں ہیں کہ حاکم کے اجلاس میں جلتے ہیں۔ مگر یہ تخریج نہیں کی کہ کوئی ولایت میں۔ شاید کہیں ایسا ہوتا ہو مگر جب طرد کفہ کی تصور استیلا ہی سکتا ہے تو اس کیوں کی چہ ان ضرورت نہیں۔

معنی سوم : اگر شعر میں عقل سے مراد مرادنی جاسے تو قرعہ سے بھی بہن یا ٹھکری یعنی آواز اور سردی کی آواز اور جمود و چلت بھرت مرادنی جاسے گی۔ سردی کے ساتھ ٹھکری بہت سردیوں سے تو یہ معنی ہوتے کہ طرد سرد ٹھکری کی غولہ پر قہقہ ہے ہر صورت سردی نے اس میں پیدا کی ہے اور جس کو جس کر بیان تصور بھی جس میں جس و حرکت نہیں دید و حالت میں اگر مولوں کی طرح اپنا کفہ ہی پر تن چاک کرنا چاہتی ہے اور سردی کی آواز اس لیے فریاد ہے کہ وہ اس لڑکی اور لہدی صورت سردی کا جزو ہے (کیونکہ خدا تعالیٰ ہر وقت حکم ہے اور اس کی صنعت کام لڑکی اور لہدی ہے یہی اس سے جدا نہیں ہوتی) اور بد قسمتی سے دنیا میں آ کر جدا ہو گئی ہے جیسا کہ مولانا رحم فرماتے ہیں۔

بشو از نے چن شکایت ی کند
و در جدائی با شکایت ی کند
کز نیستان مرا حیدر اند
از نظیرم مرد و زن نالیدہ اند

جس میں بھی یہی قصیدہ (فریاد) مراد ہے۔

معنی چہارم : تصور صنعت صالح کی اس لیے فریاد ہے کہ اس کو کلاپی (یعنی اور ٹپا ٹپا کر) لباس پہنا دیا یعنی صنعت تو کامل ہے مگر مصنوع کا دھڑ چند روزہ اور لائی ہے یہی وہ اس فہم سے ہر وقت تکلیف میں ہے۔

بلوغت: پہلا مصدقہ سوال یعنی استقامت استجابی کی صورت میں ہے مگر جواب مذکور نہیں کیونکہ سوال سے خود جواب نکلتا ہے یہ شاعر کا ایک گفتنی طبع ہے کیونکہ اگر لفظ (کس کی) سے استقامت پر دال ہے وہ تو گویا جاننے کو صاف معنی یہ ہیں کہ ہر قصور اپنے صانع پر عائد ہے اور انہی بلاغت کا قصہ ہے کہ اس قسم کے استقامت سے سوال کی حقیقت و شایانہ بدلے جاتی ہے مقصود صرف صانع کو تائب یا آگاہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ جواب حاصل کرنا۔ مثلاً کوئی آقا اپنے نوکر کو کسی قصور پر کہے کہ "تو نے یہ کیا حرکت کی" ظاہر ہے کہ مقصود سوال نہیں بلکہ استقامت سے صانع کا غم یا سکت کرنا مراد ہے۔

شادان بگلر ائی

مصنف = روح المعانی شرح دیوان غالب اردو

فعل فریادی ہے کس کی شوقی تحریر ۲
کافری ہے بھراں و بیکر قصور ۲

تلفظ: فعل: معنی قصور۔ معنی و فعل دو ڈاڑھا رنگوں سے زینت دیتا۔

شوقی: بھراں "بے باکی" بے شری "بجھل" بنا۔

کافری بھراں --- یا بھراں کافری۔ کافریں جلد و جامہ کافریں "جامہ کافکہ فریادیاں پر شد" در قدیم رسم بود (جامہ شرم)

نوشیرواں عادل نے اپنی طوایب گاہ سے باہر تک ایک دلچسپ یاد رکھی تھی۔ خواب گاہ والے سرے پر ایک تختی بندھی تھی "برادر طوایب اس دلچسپ کو آکر ہانا تھا اور وہ کافکہ کے کپڑے پہنے ہوتا تھا۔ نوشیرواں اسے اپنے پاس بلا لیتا اور دلداری کرتا تھا۔ سلسلہ جہانی کا دور اسی محل سے جا ہے۔ بنا تکبر نے بھی اس کی نقل اناری تھی "اسے دلچسپ دلو کہتے تھے۔ نوشیرواں اس کا سوجھ ہے۔

مرزا رضا علی پادشاہ شیرازی اپنی فرہنگ المجمع آرای نامری میں تحریر فرماتے ہیں کہ "واقعی دور شری مقرر کردہ بود کہ ہر جہی کہ از حکام برسد جامہ از کافکہ پوشیدہ

پہای طوی کہ از جانب پادشاہ و درمیان حاضر نصب کردہ بود و ازراظم داری نامیدہ بود و رفتہ رفتہ تحقیق حال دفع علم بادشاہ۔ حافظ مکتبہ آملہ

کافریں جامہ بکوابہ ایشیم کہ لک
و شرمیم پہای ظم دلو نہ کرد

۱۱۸

دلوایں داری خواہم لفظی صیالی کو
کہ سازد کافری بھراں از طوایب الفویں ہم

کافہ میں چاند چاند شید و بدر کاو آبد
دارۂ خاطر میں نگہاں دار مرا

کافہ مرکب از کاف و وال نسبت 'کاف' معنی آواز وال۔ بدی میں لاگائے کو کہتے ہیں۔ چہ نکہ کاف کے جانے سے اس میں آواز کو سے کی بولی سے متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے قرعاس کا نام کافہ ہوا۔ اس کا مرکب کافہ آخری ذال سمع ہے۔ 'کافہ' اس کی صیح کہتے ہیں۔ لیکن صاحب خند نے آخر میں وال مصلیٰ ہی لکھا ہے۔ مٹی میں قرعاس و طرس بکراول کہتے ہیں۔

سب سے پہلے چھین میں دوتی سے سفید رنگ کا کافہ بنایا گیا۔ تیجیوں جہزی میں سرکڑ میں رانچ ہوا۔ مٹی میں طر قاری صاحب تاریخ عرب لکھتے ہیں کہ عباس جہزی میں جب سرکڑ خ ہوا تو یوسف بن حمود نے کافہ بنایا کھانا اور کے آکر لوگوں کو اس کا کھانا کھایا۔ لیکن میکانیکل کیمبرئی نے ۸۷۰ میں اس وقت کے کھانا سے عود کھانے کی تعلیم کی۔ کافہ جاس ہالیا (مکمل) سرکڑی 'شای' مشرقی میں مشہور تھے۔

مسعودی کے شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

ان ذراع عمر کہ بر ہوا ی کافہ
یک لہ از ہوا و لہی کافہ

کہ کافین صدر بھی قاف معنی آواز کو دن ذراع 'کافہ' اصل کا میض کا میض سے ہے اور شعرا مٹی کو سے کی تھیلہ میں ہے۔ کافہ سے مراد سفید کافہ ہے۔

اس طرح مطلع مرید کے سبق حضرت غالب علیہ الرحمہ نے عود بدی کے ایک نکتہ میں لکھے ہیں۔

اسی دنیاوی چہ کہ مبداء حقیقی سے دور ہو جانے باعث ہوئی ہے۔ کافہ القصور (نہاں) بدیدہ دیکھ اس کی جتنی محض اعتباری ہے عمر و بھی مبداء سے جدا ہو کر رنج و حال میں گرفتار ہے اور کافہ کا لباس پہن کر فریاد کرتی ہے اور دوا خواہ ہوتی ہے۔ جیسی تو "الست برسکم" کے جواب میں "بلی" کہا۔ عمر جسم قبول کر کے دنیا میں آنے کے بعد عمر و بات و دغی اور ضروریات جسمانی میں پھنس کر وہ حالت و کیفیت سابقہ باقی نہ رہی۔ کافہ ادغی اسٹی سے لکرت اور بیزار ہوئی ہے۔ دغی عالم ادوار کا شوق و ادغی ہے اس لیے فریادوں کا لباس پہن کر اپنے اوپر علم و رسم ہونے کا دوا خواہ ہے۔

اگرچہ عقل کے لحاظ سے کافہ خیر اور معشوق ہونے کی وجہ سے کافہ شوقی خطاب الخطا ہیں مگر مستحکم دور ہوتی جاتی ہے جب تک کہ اس شعر میں کوئی کافہ اظہار شوق اور تعریف اہل کے لیے اور فقرت دنیا کے لیے نہ ہو۔ کافہ قرعہ ہو کافہ میں آچا ہے سب سے ذرا اعلیٰ مٹی ہے۔

میں اطمینان میں غات کا چہ نہ لگاتا ہوں۔ ادیب کمال اگر پسند کریں تو مجبور نہ ہوں تو ہے ہی 'میرا مطلب یہ نہیں کہ انہیں میں سے کوئی مصرع ہو بلکہ اس مفہوم کو ادا کرنا ہو اگر کوئی بہت مصرع ہو۔

عقل فریادی ہے کسی ہستی ظم ناظر کا
عقل "فریادی" ہے کسی کا دوری و گمراہی کا

ھنل فریادی ہے کس کے ہر دانگیے ۲

جانب غالب مرزا اردم کی شہری کے پہلے شعر کے۔

بشوادلے پس حکایت کی کہ وہ اپنا حکایت کی کہ

کے معلوم کو کہتا چاہتے ہیں۔

از نیکین آمارا جیدہ اند از فقیرم مرودان فایده اند

سلطان محمود ناصر

(از داستان غالب) ھنل فریادی ہے کس کی شہری تحریر

۲۴

کافڑی ہے' بھان ہر کچھ تصویر ۲

مرزا غالب کا یہ مطلع سرور ان کے شاعرانہ مقام کی نشاندہی اور طرز فکر کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔ الفاظ کے ہر دے میں مستقل صورتی اور معنی آفرینی کی جن محلی فیضوں کو چھپو رہتی ہے۔ ان کے حسن سماعت اور لائق فکر کے لیے یہ مطلع فردوس گوش اور جنت ثلث سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔

یہی مطلع چونکہ ارباب علم کے لیے ایک اضافی مسئلہ بنا رہا ہے اس لیے اس کے مابین پر قلم اٹانے سے پہلے اس پر اعتراض اور تنقید کا مختصر سا جائزہ لینا ضروری ہے۔

(۱) مرزا غالب نے اس شعری تخریج میں صرف "کافڑی بھان" کی وضاحت ہی پر اکتفا کیا ہے جو قاری کے لیے کافی ہے۔

مرزا کے الفاظ یہ ہیں:

"اگر ان میں دم ہے کہ دلوں کو کافڑی کے پیر سے پہن کر حاکم کے سامنے ہانا ہے" جسے مشعل دین کو جانا یا طبع آورد پیراؤں میں ہٹا کر لے جانا۔ میں شاعر غلیل کرتا ہے کہ ھنل کس کی شہری تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصور ہے۔ اس کا بھان کافڑی ہے لیکن معنی اگرچہ اصل تصور اقتدار کھن ہو' موجب رنگ و ملال و آزار ہے۔"

(۲) اتفاق سے مولانا حالی نے "داد گار غالب" میں اس شعر اور اس کی تخریج سے حقیقت کچھ نہیں کہا، اگرچہ کلام غالب کے بعض چھپے حصوں پر ان کا تبصرہ نہ صرف یہ کہ نہایت جامع کلیتہً اور ہر لحاظ سے بلکہ انہی کے انداز تحریف سے غالب کو سمجھنے کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔

(۳) علامہ قلم حیدر علی شاہی، شارح کلام غالب نے اس شعر کے باب میں غالب کی اپنی تخریج پر نہایت باسناد اضافہ کرتے ہوئے بابت "نہ معلوم زبان کی کس کیفیت میں اختتام ہے یہ گمہ دیا ہے:

"آخر خود لوگوں نے ان کے منہ پر کہہ دیا کہ شعر بے معنی ہے"

علمائے شریعت نے شعر بحث کے دوران دو نکات بیان کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

”عرض مصنف کی یہ ہے کہ ہستی میں مہدائے حقیقی ہے جدائی و فیضیت ہو جاتی ہے اور اس عشق کی مخالفت ایسی شاق ہے کہ عقل تصور تک فریادی ہے اور ہر قسم کی ہستی کوئی ہستی نہیں مگر ثانی اللہ ہونے کی اسے بھی آرزو ہے کہ اپنی ہستی سے بچاں ہے۔۔۔۔۔“

ایسی اچھی تخریج کے بعد علمائے کو یہ بات تکلف جاتی ہے کہ اہل حق میں دو انواع کا حاکم کے سامنے کافری لباس پہن کر چلنا انہوں نے بنا اور یہاں سے وہ شعر کو بے معنی ثابت کرنے میں زور قلم صرف کرتے ہیں اور بلاغ شعر کے مصلح کو بے معنی ہونے کا ٹیپلہ دے دیتے ہیں۔

پروفیسر والدہ دگی کی ”ذرائع مراست“ حالی کی ”یاد مرغائب“ سے بھی تقریباً ایک دو برس پہلے ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۶-۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی تھی اور یہ اعتبار نظام وقت علمائے کی شرح سے تقریباً چار برس پہلے طبع ہو چکی تھی ”چونکہ والدہ کی شرح کام غالب پر محض اشارات کی حامل ہے“ اس لیے علمائے کو نہ صرف یہ کہ کام غالب کا صحیح معنوں میں پتلا شارح ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ وہ عالمانہ سیوار شرح وہ قائم کر گئے ہیں وہاں تک اب بھی کسی کی رسائی نہیں ہے۔ تاہم ایک نگرانی اس شرح میں اس لیے آگئی ہے کہ کوئی شعر اگر جلد حق کی عالمانہ گرفت میں نہ آئے تو وہ زبان خود فکر کو سرشار نکھٹے ہیں اور وہ کلمہ خود انہیں قلم پر آئے بیان کر دیتے ہیں ”ساتھ ہی انہیں اپنے بعض زاویے ہائے نظر پر اس درجہ اصرار ہوتا ہے کہ اگر شعرا ان پر پورا نہ اترے تو وہ اسے خطائے شاعری ٹھہرا دیتے ہیں۔

بے مل نہ ہو گا اگر علمائے کی تنقیدی کلیت کے اعتبار میں انہی کا ایک جملہ تحریر کر دیا جائے جو انہوں نے شرح دیوان غالب کے بارے میں اپنی ادبی زندگی کے واقعات کے بارے میں لکھا ہے:

”اور خدا بھلا کرے تو اب ہمارا ملک کا دیوان غالب کی شرح محض حق کی قربانی سے میں نے نہیں اور کوئی ہو تا تو اس کام کو اپنی شہن کے خلاف سمجھتا“

(۳) علمائے کے بعد کسی ایک قائل ذکر ثار میں نے اس مطلب پر قلم اٹایا ہے ”لیکن باقوانوں نے حسرت موہانی کی طرح غالب حق کے بیان کردہ مطلب پر اکتفا کیا ہے“ یا نکال دیا ”سہ“ ”نبرد دہلی“ ”ہوش ملیح آبادی“ اور چٹائی کی طرح شعر معانی جان کر دیتے ہیں یا احتجاجاً یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شعر کو بے معنی کہنا قلم ہے ”ابنہ شادان بکراہی نے خاص غریب بحث بھی کی ہے“ ”اصلا میں بھی وہی ہیں اور کسی نتیجے پر بھی نہیں پہنچے۔

(۵) ”تجلیہ حقیقی“ میں پروفیسر نبرد موہانی نے نو (۹) شرحوں پر اعلیٰ رائے اور معترضین کام غالب کے مسکت جو لیاقت دینے کے باوجود اس شعر کے بارے میں خاموشی ہی اختیار کی ہے۔

(۶) ”ملاحظہ غالب“ میں ڈاکٹر ”مستوی“ غالب کے اکثر اشعار پر حتیٰ عقد نظر سے تنقید کرنے کے باوجود ان شعر کی معنی آفرینی پر دلچسپ بحث کرتے ہیں اور ایک قائل خود کتبوں میں جان کرتے ہیں:

”... کافری لباس کی صحیح ایک معنی غریب ہے جس معنوں کا سمجھنا درم کا محتاج نہیں۔“

غرض کہ حق دہر بات کی بنا پر یہ مطلب صاف سے شعر ادب میں اب تک ایک اختلافی مسئلہ بنا رہا ہے۔ تاہم سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ اردو کے سب سے بڑے شاعر مرزا غالب جنہوں نے جملہ کلمات شاعری کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ اپنے دماغ کی ترتیب و تدریج میں بہ چوہ ذہانت اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ آکر کر گوارا کر سکتے تھے کہ ان کے دماغ کی ابتدا ہی ایک مسئلہ اور بے سنی شعر سے ہو؟ یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ غالب کو اپنے وقت کے عظیم ترین فنی فنوں اور فنون کی صحبت بھر چکی تھی۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ان کے عہد کے کسی باریک بین کو مطلع مرد دماغ کے مسئلہ اور بے سنی ہونے کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی کسی نے انہماک رائے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمی "بہر میں انہی دعوات سے پیدا ہوئی جن کا ذکر ابتدا میں وضاحت سے آچکا ہے۔

مشقِ تجسس اور استحقاق سے کام غالب کا بار بار مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ غالب کے کام کو منفرد اور انوکھا جاننے میں جس اور سادہ کام کا دخل ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ اعتبار کی سوئی نقدِ رجائی

۲۔ غرض کی سرکاری

۳۔ خود و آلودگی صحن رنگ آمیزی

۴۔ سنی آفریقہ کی دل کش دقتِ سخی

۵۔ نادر الفاظ اور تراکیب کی نیرنگی

۶۔ مکرراتِ شیعہ کی چاشنی

۷۔ تفسیر و استعارے کی طوطی اسلوبی

۸۔ اشارے اور کٹاچے کی دکھائی

۹۔ قلم کے ادبی مضامین کی نرم و نازک تواضعی

۱۰۔ مظاہرے کی پستلی

۱۱۔ عجیبہ تعلیماتِ مشق تک رسائی

۱۲۔ احسانیتِ چناں کی ترغیبی

۱۳۔ مکمل اور محض قصیدہ نگاری

۱۴۔ اور: روشِ عام سے بھاگی۔

مرزا کی شاعری کی ان بنیادی خصوصیات کے اس سرسری جائزے کے بعد آپ اپنے نظرِ مطلع، فور فرمایاں اور دیکھیں کہ یہ ایک شعرِ غالب کی شاعری کے کتنے بنیادی عناصر کا حامل ہے۔

سب سے پہلے یہ سچ اداں سلیم کو مسودہ کرتی ہے وہ الفاظ کی صورت اور عبارت کی سطح ہے۔ اور شعر کو اصل وقتِ الفاظ چوہ کر دیکھئے۔۔

فنی فرمادی ہے کہ کی شاعری حق ۲۴

کافی ہے۔ وہاں ہر جگہ قصیدہ کا

یہ بات مسلمہ ہے کہ شعر کا مطلب اس کے الفاظ ہی سے نکلا ہے 'چنانچہ اس شعر کے معنی تک رسائی کے لیے بھی اس کے الفاظ اور عبارت کا تجزیہ ہی صحیح ہو سکتا ہے۔

غزل = صورت 'شیخ' قصور 'کار اور یہ لفظ جہاں خود غزل و کار کا تصور دیتا ہے۔

فریادی = فریاد کرنے والا 'الغالب چاہئے والا' داد خواہ

شرعی قرعہ = دھبیں قرعہ یہ ترکیب ایک شروع قصور کا دہرا اپنے اندر رکھتی ہے اور شرعی ضمن کے پہلو سے غزل ضمن برتی۔

کافری جی اس = چنانچہ اور لباس 'اور' تعلیقی طور پر کافز کا وہ لباس جو غالب کی اپنی تخریج کے مطابق داد خواہ 'حاکم کے سامنے پہن کر جانا تھا' تاکہ یہ زبان حال فریادی و کھلائی دے۔

بیکر قصور = قصور کا جسم 'گویا دہرا انسان کا' یہ را قصور اس ترکیب کے پہلو سے ابھرتا ہے۔

الفاظ کے اس معنی طور تجزیے کی روشنی میں اس مطلع کا مجموعی تصور یہ ہے کہ ایک شروع اور حسین مصور نے یہ انداز ہے باری ایک ایسا غزل اپنی شرعی لوا سے بنایا ہے جس کی ہر قصور کافری لباس پہن کر ایک بیکر فریادیں مٹی ہے اور حیرت و ہلاکتی میں یہ زبان حال اپنے حسین مصور کی اس شرعی پر احتجاج کر رہی ہے کہ ایک قرعہ تخلیق کر کے بے حجب اور چاہیہ اری کا فہم عطا کر دیا گیا ہے دوسرے اپنے قصور سے کافز پر غزل کر کے مصور نے اسے اپنی ہدائی کا کافلی برداشت مصور بھی دیا ہے۔

اب کلیہ کی آڑ سے اس شعر کے ضمن کا ظاہر کریں تو یوں مٹی یہ لگتے ہیں:

غزل سے مراد لکھتے عالم ہے اور شرعی قرعہ کی ترکیب سے اسی غزل ازل کا تصور وابستہ ہے جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے اور بقول شاعر جو کہ یہ تخلیق اس کی عیب وادہ اسے شرعی واستقامت کا نتیجہ ہے اس لیے کائنات کی ہر شے کو خلایق ہے کہ اسے ہستی میں لا کر ایک طرف تو چاہیہ اور کر دیا گیا ہے دوسری طرف اسے حجام ارض سے گرا کر پست کر دیا گیا ہے صورت دیگر اگر وہ خلق نہ ہوتی تو اپنے خالق ہی کا ایک حصہ رہتی اور اسے اپنے ذوال اور خاک کا کوئی غلو نہ ہوتا جیسا کہ خود غالب نے ایک جگہ کہا ہے۔

د خدا بگو تو خدا تھا بگو نہ ہوتا تو خدا ہوتا

دہا بگو تو خدا کو ہونے لے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا؟

بعض شاد میں نے اس حجام پر مولانا دوم علیہ الرحمۃ کے اس شعر کا حوالہ بھی دیا ہے جو اسی مضمون کی ایک دوسری شکل ہے۔

بشو از نے چوں خلایق ی خود

دو ہدائی با خلایق ی خود

اس تشریح وضاحت کے بعد اگر آپ غالب کے بیان کردہ مطلب پر غور کریں تو بقول اثر کسوتی کافری لباس کی طرح ایک عملی غزلی خلایق ہو گی اور شعر کا یہ معنی پہلو کہ ہستی اگرچہ غزل تصور اعتبار غزل ہو 'موجب دنیا و مافیہا' ہے 'شعر کے لفظ کو دور کیا کر دے گا۔

اس حجام پر ایک اور کھٹ بھی قابل توجہ ہے۔

ہمارے شعراء اپنے وہاؤں کا آغاز ذکر خدا سے کرتے ہیں۔ غالب نے بھی اس بات کو نظر انداز نہیں کیا اور خدا ضرور کیا ہے مگر اپنے مخصوص انواز اور مہذبیت شفی کے ساتھ۔

شعری فن معنوی طرحوں کے بعد دارالافتاد کے بے ساختہ حسن معاہدت پر بھی غور فرمائیں۔

فعلی 'شرفی' خرمی 'کافذی' جیہن 'لور' بیکر تصویر 'کس' قدر متعجب اور ایک دوسرے سے شگفتہ الفاظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مصور کے چہرے نگار خانے کا سلطان ابن القلا نے فراہم کر دیا اور فعلی معاہدت کی یہ فرہادانی اس شعر میں ملتی ہے جو دیگر اوصاف معنوی و شعری کا ایک جہم اپنے اندر رکھتا ہے۔

گوہر ملیبانی

آج جب مختلف اہل علم و ادب کے معاہدے پر غور و زانا ہوں تو پہلی اقبال کے زیر اہتمام غالب کی صد سالہ برسی کی ایک نشست یاد آ رہی ہے جب ایک تقریب میں غالب کی شعری دریافت پر مختلف اصحاب علم نے عقائد پیش کئے تھے۔ اس وقت راقم الحروف نے اسی موقع کے حوالے سے ایک پیچہ چھاپا جو بعد میں نوائے وقت مکتب میں بھی شائع ہوا تھا۔ اگرچہ مذکورہ جگہ قاضی اہل علم کی تحریکات اپنے اپنے قصودات اور مضامین کے مطابق صحیح اور واضح ہوں گی لیکن میری نظر میں غالب کا یہ مطلع میرے مطلع ہے اور اسے سرور ان پیش کرنے کا انداز بھی سب روایت غالب کی جدت فراہمی کا مظہر ہے۔ آج اس کی تحریک کی طرف مڑتے ہیں۔

مل لکھ کے لحاظ سے اس شعر کے متعلق الفاظ کے معانی و مطالب نگاہوں ہیں۔

فعلی = صورت مراد وہ چہرہ ہاں کے پیچہ سے باہر آکر پہلا سانس لیتا ہے۔

فرادی = فریاد کرنے والا۔ ہر چہ جب اس نگار خانہ عالم میں آتا ہے اور پہلا سانس لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی پہلی پیچ بھی ابھرتی ہے اور جی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ پیچ بڑا ہوتے ہی پیچ ڈالنے کی آواز میں نکلتا اسے صحت مند قصود نہیں کیا جاتا اور اس طرح عام مشاہدے کی بات ہے میری اہل نے والا پیچ اس دنیا میں پہنچتے ہی دوتا ہے۔

شرفی خرمی = تحقیق کی شرفی۔ خالق کائنات کا عملی تحقیق اس کی رحمتی اور حسن و جمال۔

کافذی جیہن = کافہ کا لباس 'جیہن' اہل نے والا پیچ ایک پارک بلی میں لپٹا ہوا ہوتا ہے وہ پہلی اس کے کافذی جیہن ہوتی ہے بیکر تصویر 'ہر خرمی صورت فعلی و نگار' بیکر 'ہر زمین' ہے۔

بیکر تصویر ہر خرمی ہر خرمی کے لیے کہتا ہے۔

معلوم واضح ہو چکا ہے اور اس انداز سے سونچنا غالب کی قدرت فکر کا کمرہ ہے اس لحاظ سے یہ شعر خالق کائنات کی صفیں تحقیق۔ افضل و اعلیٰ کا برتری کی تحریف ہے۔ غالب رحمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس عملی تحقیق کی شان بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اس دنیا میں آنے والا ہر چہ اس جدائی اور مبارکت کے فم کی وجہ سے فریاد نکالتا ہے کہ اسے باری تعالیٰ میں پیدا کرنے سے پہلے رحمتے نور کا ایک حصہ تھا۔ مجھے تمہارا قرب حاصل تھا۔ مجھے حسن و جمال میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ غالب ہی کا شعر ہے اس معلوم کو ایک اور مقام پر یوں کہتے ہیں۔

نہ تھا کچھ نہ خدا تھا کچھ نہ ہوا نہ خدا ہوا
 ڈھونڈا کچھ کو ہونے لے نہ ہوا میں تو کیا ہوا؟

اب کچھ دور کیا جا رہا ہے۔ مجھے اس دنیا کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ جو قتل ہے۔ جس میں تلف غم ہیں۔ زندگی کے تلف مراحل ہیں۔ چنانچہ اس مبارکت میں ہر فرسودہ چلا آتا ہے۔ صدور حقائق سے دوری سے اس دنیا میں آتے ہی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس دنیا میں ہر آنے والا حسین و جمیل بیکر اسی طرح کٹھڑی جڑ میں بیوس آتا ہے۔ اس دنیا میں آنے کے بعد اس کا وہ مقام قرب اسی سے پہنچ جاتا ہے وہ اس وسیع و عریض کائنات میں غم و اہلام کا ظہور ہو جاتا ہے وہ دنیا کی آلائشوں میں کھو جاتا ہے۔ اس میں حقیقی سے دور ہوتا اسے پریشان کر دیتا ہے۔ ہوں ہوں یہ بچہ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی اپنے قرب کی مسرت کو بھولتا چلا جاتا ہے روحانی شام دروازہ دروازہ لے بھی اس قصور کو اپنے کلام میں کچھ نہیں کیا ہے کہ ہر بیٹا ہونے والا بچہ اس دنیا میں آکر اپنی عمر کے اضافے کے ساتھ ساتھ قرب حضوری سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اس کا وہ حسن و جمال بھی گمنا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بھل لو کائنات وہ دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر حقیقت کو بھول جاتا ہے۔

میں نے سادہ سے الفاظ میں اس شعر کے مطلب بتانے کی کوشش کی ہے میری یہ جرات نہیں کہ سکھ بڑے فضائے غم کی آرام کو بھلا سکوں اور نہ ہی طبعی مہاش کی بھول عینوں میں کھو کر اپنے آپ کو منکر ثابت کرنے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ میری اپنی رائے ہے میں غالب کے دیگر کی اشعار میں بھی غنوم کے حوالے سے عام روایت یا ہمیش طبعی مہاش سے اختلاف رکھتا ہوں اور یہ ہر طالب علم اور خصوصاً غالب و اقبال جیسے شعرائے کرام کے خوش بختوں کی کمزوری بھی ہے کہ وہ بلند بانگ دعویٰ رکھنے والے ٹھوکانٹھوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مرزا غالب کا یہ شعر اس کے عہد یہ قصودات کا حسین بیکر ہے اور غالب میں عذرت قمری نہیں روایت کو عذرت سے نہیں کرنے کی قدرت بھی ہے اور ایک شعر کے نہیں کرنے سے اسی عذرت روایت کا پہلو سامنے آتا ہے کہ غالب نے عہد یہ شعر کو دین ان کے شروع میں نہیں کرنے کی روایت کو ذمہ رکھا ہے۔

”ذاتی اعتبار سے غالب کا شعور ایک ایسے دور میں ہوا جب ہندوستان کی پرانی تہذیبی روایت دم توڑ رہی تھی اور مغرب کی پلکار سے نہ صرف نئے علوم کا در کشا ہوا رہا تھا کہ پرانے معاشرے کی بڑیوں پر ایک نئے معاشرے کی حقیر بھی شروع ہو گئی تھی۔ اس لحاظ سے غالب کے زمانے میں جہاں ایک طرف شکست و ریخت کا عمل جاری تھا وہاں دوسری طرف ایک نئی حقیر بھی معرض عمل میں آ رہی تھی۔“ (افروز سلویہ، نقوش غالب نمبر ۳ ص ۱۶۷)

(مرحومہ حافظہ اعظمی، پنجاب ہاؤس پبلشرز، سکول آف سائنس صادق آباد)

غزل
تخلص و جدائی۔ مطلق آباد

اعزاز احمد آذر

غزل

(نذر غالب)

بند در ہو تو وا کرے کوئی
میری مشکل کا کیا کرے کوئی
تنگی سے اپنی اب محفل کو گمانیں گے کیا
جو اسیران بلا ہیں گیت وہ گائیں گے کیا
ایک سے لوگ شر کے سارے
کس کے در پر صدا کرے کوئی
رشتہ ذہن و قلم اور قصہ وادور سن
جو نہیں خود بھی ہیں مجھے مجھ کو سمجھائیں گے کیا
بن کے خوشبو وہ گل میں رہتا ہے
گل سے خوشبو ہوا کرے کوئی
ہاتھ کاٹے ہیں زباں بھی کات ڈالو گے مری
اور کچھ اس سے سوا بھی آپ کر پائیں گے کیا
آج فرصت میں ہیں کئی طوفان
روشن اپنا دیا کرے کوئی
کیا ہوا اب کے تار سیاہ کی گر ہو مجھے
یہ بہاروں کے زمانے پھر نہیں آئیں گے کیا
شوق دیدار دیکھنا تخلص
پہل بن کر کا کرے کوئی
متیان شر کا قصہ ہی آذر چھوڑ دے
بے خمیری جن کا شیوہ ہے وہ شرانگین گے کیا

غزل

ارشاد مکتلی

کھتا ہاں ہے بزم ہر عہدہ نقدی کا
 رنگ گھبرا ہے طا کے ہنسنے قہر کا
 وہ بھی ہیں شہنشاہ خواب و بیدار
 میں بھی کائنات ہوں نگار کی آئینہ کا
 تو نے اب تک خواب ہی دیکھے ہیں راہ شوق سے
 مروت تمہاری نہیں ہے عقلِ تعمیر کا
 ان کی آنکھوں کے پھیلنے میں ماحول کو محکم
 مروت کتنا ہے ادا ہر مروتی حق کا
 دہشت ساحل کا سکون بہار کر دیا ہمیں
 معزوف ہوتا چلا ہر مروتی دامنِ گہر کا
 دلم کتا کر بھی غصے میں ناکی پرواز ہے
 دوسل ہے وہ کے چلنے میں معجزہ کا
 سلا دلچیز کی بات ہے ہر شوقِ گل
 پھر ہلکوں نے گھبرا ہے چننِ قہر کا
 توجہ عقل میں سوں کے خواب چلے وہ چراغ
 شہر ہر غصے سے اک جلوۂ شہیر کا
 مجھے پروانے سلامت مجھے دیوانوں کی خبر
 ہے صدا رہتا نہیں غلجہ کوئی دلچیز کا
 وہ کیا سب کچھ راز مروتِ طوفانِ غم
 اک سدا رہ گیا ہے صبرِ تعمیر کا
 کہیں نہ ہو ارشدِ مرے اشعار میں طرزِ گداز
 مستندِ غائب کا ہوں اور معزوف ہوں میر کا

غزل

دل نواز دل

موت ہے کوئی دیکھ تو زندہ کہیں ہے
 لیا کوئی غصے سے کر پھیل کہیں ہے
 آواز دیکھنے میں ہے پھر دہلیز میں
 لیا کوئی نہیں لب کیا کہیں ہے
 ہر غصے کی ہے عکس نظر بنا ہوں میں
 دل بھی کوئی نہیں کہ کٹہر کہیں ہے
 دن چاہ گیا ہے اور وہ کیا نہیں بھی
 گھر میں نہیں ہے رات کا بھلا کہیں ہے
 ہر ملک کی ہے ناک جہاں میں جا ہوا
 کوئی نہیں کہ چاند سا نقش کہیں ہے
 گھر اس قدر بنا ہے کہ پھر کے کہنا
 پھر بھی تو ہو کہ کٹہر کہیں ہے
 ہر غصے سے زمین کا چاند اسے لک
 کوئی نہیں کہ چاند کا گھرا کہیں ہے
 میں اور حقِ غیب ہیں اس غصے کے گھر
 لیا بھی وہ نہیں ہے کہ تم سائیں ہے
 ہم وہ کوئی بھی تو نے اس طرح کا دل
 دلم بگر کا کھیل کے دکھو کہیں ہے

غزل

رقہ تجاڑی (مردوم)

پیر وہ انکوں کا بھنور یاد کیا
اک سسور کا ستر یاد کیا

تم نے دیکھا تھا یہ ساحل پہلے
اک سینہ تھا لوم یاد کیا

پیر مری آنکھ میں کرشمی پوئیں
پیر وہ بگم سحر یاد کیا

کس قیامت کا ستر تھا داردا
مجھ کو ہر خاک ہر یاد کیا

دلف عراب جیہی ہے دیکھی
سحر شن قمر یاد کیا

جس جگہ جا کے قدم رکھتے تھے
ایک کھٹا ہوا وہ یاد کیا

مردوں جس کو صدا دیتی تھیں
تج وہ میر ستر یاد کیا

بب سر شمع پہلے چکے
ایک لٹا ہوا ہے یاد کیا

غزل

غلام رزی

پہتا ہوں سحر نہیں آتی
ہنر دت میرے سحر نہیں آتی

گھڑا ہموار بنے جاگتی لود
ہار کر کی خبر نہیں آتی

ایک ایسی بھی جہنم تر ہے جو
ہر کسی کو نظر نہیں آتی

دل ہے اک ایسے فم برستا ہے
آنکھ ایسے تر ہر نہیں آتی

دن بھی گئے سحر کیں نکلا
شب بھی آتی ہے نہیں آتی

ہے طے دکھ بھی نکک ہونے میں
کیں میری جہنم تر نہیں آتی

میرے منہ کو وہ مجھے لگتا ہے
جب اسے ہمت کر نہیں آتی

بس دی پلک ہوتی ہے
خاک ہو نمبر سر نہیں آتی

ایک مہر ہے رت بدلے کا
دعوت دو شہر نہیں آتی

ب اس راہ میں ڈھلے رزی
ہر بظاہر نظر نہیں آتی

نذر غالب

سہلو مرزا

شب کو اک درجے سے ہاتھ جھانکا پایا
 روشنی کے ہالے میں ہو کر ہوا پایا!
 سرد رات کے آنے ہی دل سکے گئے گئے
 یاد کے شبستان میں روز رہتا پایا!
 اجنبی کی صورت وہ جب قہقہے سے گزرتے
 اس وصال کے میں رہا نودا پایا!
 کون ہے قصور میں؟ کس کو سانسے لاکوں
 آج تک نگاہ اس کا میں نہیں اٹھا پایا!
 وقت کے غیر کو وہ نظر میں رکھتے ہیں
 پورے نیکوں نے علم ہے ہا پایا!
 خود کو رخ کرنے کا آہیا خیال اس کو
 تختہ جب سکھور نے اودا ہوا پایا!
 آج موسم گل ہے کل نہیں بھی آنے کی
 زندگی کا ہر موسم کس نے ایک سا پایا!

نذر غالب

حسن، غزلے کی کشاکش سے چٹنا میرے
 بعد غالب

علی آذر

شر کا شر ہے صوف کا میرے بعد
 نور اس شخص نے دامن کو سا میرے بعد
 عمر گزری مری اس سوختہ سالانی میں
 دل قصدا ہوا گزار سا میرے بعد
 دوست آدود نہیں ہیں تو مجھے کیا پدا
 دہلی ہے سکیاں لے لے کے سا میرے بعد
 تیرگی سے کوئی خود شید درخشاں لکے
 صباں اور بھی ہو جائے خدا میرے بعد
 میں ہو مریاں تو تم کیوں مود میرے غم میں
 کھت و رنگ دیں تم پہ خدا میرے بعد
 لے کے جاتے ہو مجھے دار جانے کے لیے
 یہ بھی سوچ کر کے دو گے سزا میرے بعد
 میں کہ غریب کی ہوں منزل پہ ابھی تک آذر
 مل ہی جائے جنسین منزل کا پتا میرے بعد

میرزا اسد اللہ خاں غالب

فراز صدیقی

نہیں درد دل سے چھ کر کوئی زمیں غالب
کہ شعور زندگی ہے بے آسپن غالب

کوئی قمر شمر ہو یا کوئی فصل غن " "
دہا شل لا و انجم ہے میں تکان غالب

کہی اہل ظم غالب کی جانک غن کیا
لوب اور شعر ارد میں ہے صرف ہاں غالب

ہے نظر دلا غالب کی لوائے دل دلائی
مہے تھکن وطن کی ہے نہاں نہاں غالب

جو پاک سرزمین میں ہے دوار بد میں بھی
وہی اجڑا عقبت وہی گھٹس غالب

ہے سود سہی بھی ہے فراز معرفت بھی
یہ مسائل قصوف تکتے بیان غالب

مست ہم دل کجے ہو نہ پاد طوار ہو " "

زمین غالب

فراز صدیقی

خائف نہیں ہوں خود کو سہار دیکھ کر
نازیں ہوں اپنی جرات کردار دیکھ کر

ہم وہ ہیں جن کے اور بھی بڑھتے ہیں حوصلے
بد طلب کو عقدہ دشوار دیکھ کر

گھبرا رہے ہیں نیکی شب کے تہوار
سج جہانوار کے آہر دیکھ کر

میں ظم کر رہا ہوں طائف بے بے
فرسوا ذکر و فکر کو پیار دیکھ کر

ہیں بکھلے لڑا برادام اے فراز
جسور کو آئنا پیار دیکھ کر

غالب کی بد مذاقیوں

مرزا یاس نگاہ

اگرچہ محاکات اور تخیلی دونوں چیزیں شعر کے اصل عناصر ہیں مگر شاعری (اپنے صحیح معنی کے اعتبار سے) دراصل تخیل کا نام ہے۔ محاکات میں جو انداز و کمال پیدا ہوتا ہے وہ اسی تخیل کی بدولت ورتہ خالی محاکات تخیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ محاکات کا بس اختتام ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے یا جس شے یا جس حالت سے متاثر ہو اس کو الفاظ کے ذریعہ بیان کر دے۔ لیکن ان چیزوں میں کوئی خاص تناسب پیدا کرنا یا کوئی بابہ الاقواء شے کو دکھانا یا آب و رنگ چھانا قوت تخیل کا کام ہے۔ سوہانہ شبلی فرماتے ہیں کہ۔

تخیل مسلم اور طے شدہ باتوں کو سرسری نظر سے نہیں دیکھتی بلکہ ایک ایک بات پر سو سو دفعہ تنقیدی نظر ڈالتی ہے اور بات میں بات پیدا کرتی ہے۔

گویا تخیل قوت اختراع یا بلکہ اشتہابی کا نام ہے۔ قوت تخیل کے استعمال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے۔ وہ ان باتوں کو جو اور طرح ثابت ہو چکی ہیں نئے طریقے سے ثابت کرتی ہے یہ طریقہ استدلال اکثر ایک قسم کا متعلق مغالطہ ہوتا ہے اور حسن تخیل کی صورت میں لسانیت ہی نازک اور حیرت انگیز انداز بیان اختیار کرتا ہے۔

بدولت تخیل کے نمونے۔

نہاچہ حال مرا چرب شنگ صحرا ہوں (آتش) لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

ہوتا ہے شہیدوں سے ترے آسمان سفید

اڑتا ہے رنگ چہرہ نیرنگ ساز کا

عرضہ سے اس کی زیادہ ہو زندگی

دھوون چپے جو پار کی زلف و راز کا

مطلب نہ مروت کا کہا تو شکر کر

دوران ہو جو حال قضا و قدر کئے

اس میں شک نہیں کہ قوت تخیل کسی وقت یا کسی حالت میں بیکار نہیں رہ سکتی۔ محدود مقام ہو یا وسیع و بڑا راستہ ہوں یا سیدھے مگر اپنا کام کیے جاتے کی۔ شعرا نے فطرت و جبلت کے افسانے جبر و دھماکے کے زمانے میں بہت کچھ غامد فرمائی کی ہے اور کچھ نہ کچھ نازکی و جدت سے بھی کام لیا ہے مگر ایسے شعراء اس حقانیت کے ترے ہوتے ہیں۔ میدان میں آتے ہی باتو باختر پاؤں پہن جاتے ہیں یا منزل مقصود سے کوسوں ہٹک جاتے ہیں پھر ایسی

شاعری کس کام آئے گی؟

وہ شاعری جو ہر قسم کی جذبات کا آئینہ بن سکے وہ شاعری جو فطرت کے راز ہائے غلی کو کھول سکے، وہ شاعری جو فلسفہ اخلاق و حکمت کے دھانچے کو بہ عنوان و کٹس مل کر سکے۔ وہ شاعری جو تاریخی واقعات سے نتیجہ خیز مضامین پیدا کر سکے وہ شاعری جو اخلاق و تمدن پر مفید اور کمرا اثر ڈال سکے۔ ایسی اوبھی اور بھی ہوتی تھیں۔ کیوں نشوونما پا سکتی ہے۔ الموس ہے کہ ہمارا لکھنؤ اس اعلیٰ مذاق شاعری سے محروم رہا۔ اگر حضرت آفتاب میر انیس و مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقام میں پیدا نہ ہوئے ہوتے تو لکھنؤ کا وقار (بہ اعتبار نفس شاعری) قائم نہ ہو سکتا۔ ان حضرات کی شاعری نے الہیہ فلسفہ اخلاق و حکمت کے میدان میں وہ کار نمایاں کئے۔ کہ لکھنؤ کی بلکہ زبان اردو کی آمیزہ رنگائی۔ لکھنؤ کے دیگر شعراء نے خط زبان اردو کی خدمت میں کس کس قسم شاعری کو کما حقہ نہ کئے۔ میر انیس مخدوم نے شاعرانہ کمال کے ساتھ ساتھ زبان اردو کو بھی اتنا سنوارا جو سنوارنے کا حق تھا ورنہ دہلی کے شعراء اس کو رنگتے نام سے پکارتے تھے باہتمام زبان اس کو وہ شرف حاصل نہ تھا جو میر انیس نے بخشا۔ لکھنؤ نے اور خصوصاً میر انیس نے اس زبان کو زبان کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔ خیر یہ جملہ معترفہ تھا۔ تخیل کی بے ہودہ جست و خیز اور شعری بد قسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی جو غالب کے کلام میں پائی جاتی ہے ایسے ماہر فن کے ہاں تخیل کی یہ بے اعتدالیاں اور قنول میں الہی بد مذاقیوں (جن کی وجہ سے عام طور پر مذاق خفن بگڑ گیا) نہایت الموس ناک ہیں۔ اگرچہ غالب نے بہ نسبت حقدار کے تخیل میں زور پیدا کیا مگر صرف بے عمل کی وجہ سے زیادہ تر محنت رائیگاں ہو کر کوہ کندن و کام بر آور دیں کا مصداق ہو گئی۔ غالب کی تخیل اور الفاظ سے اکثر دیباچوں کی بو آتی ہے۔ یعنی چڑھے گئے دیباچے اگر چاہیں تو ایسی شاعری کر سکتے ہیں مگر میر و آفتاب کے رنگ میں وہی کہہ سکتا ہے اہل زبان ہو۔

بد مذاقی کی مثالیں۔

سر شک سر بسرا دارہ نور العین وامن ہے
دل بیدست و پا افتادہ ہر طور دار ہست ہے

غالب

سر شک کیا ہے نور العین وامن ہے سر شک بھی کیا سر بسرا دارہ۔ دل بے دست و پا افتادہ کیا ہے؟ ہر خود دار ہست ہے۔ نور العین۔ ہر خود دار اور دارہ (دارا) کی رعایت لفظی غلط ہو۔ ہر خود دار کے لئے ہست کی رعایت اور نور العین کے لئے وامن کی رعایت۔ سبحان اللہ کیا کیا رعایتیں ہیں؟ حضرت غالب نے تو لکھنؤ والوں کے بھی کان کاٹنے۔ ان مصالحت اور خرافات پر بھی غالب پرستوں سے پوچھا ہائے تو اس شعر میں (جس پر کبھی شعر کا اطلاق نہیں ہو سکتا) بھی کوئی نہ کوئی قصیانہ تختہ نمونہ دیں گے۔ مگر اب جاہل بھی سمجھتا ہے کہ اس قسم کی تخیل اک مجاہد ہے جس سے محض مظانہ حوان اخصاص دل بھلا سکتے ہیں اور اہل ذوق کو مضحکہ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

میں اور صد ہزار نواہے دل فرائش
تو اور ایک وہ شیدائے کہ کیا کھوں

سخنِ اشد کی ایک ہی کسی اردو کی بھوٹی بھوٹی قسمت، جہاں تک غلوکے بچا ہے۔ غالب پرست دارا
گر بیان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ یہ دہلی کی زبان ہے یا کسی دیہ زادی۔
غالب

ہم قدرح سے پیش تمنا نہ رکھ کہ رکھ

صید و دام جت ہے اس دام گم کا

مطلب تو یہ ہے کہ ہم سے سے تمنائے پیش عیب ہے کیونکہ رکھ محفل کو کچھ بھی قرار و ثبات نہیں مگر
ہندو نواز "صید و دام جت" اور "پیش تمنا نہ رکھ" سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ لالہ بھیروں پر شلو کا شعر ہے ان
لفظوں کے علاوہ "ہم قدرح" بھی ایک انوکھا تعریف ہے ہم پیش کے سوا ہم قدرح "ہم ساغر" ہم جام کی دینے نہ
شیدہ۔ پیش تمنا نہ رکھ یعنی پیش کی تمنا نہ رکھ۔ حضرت غالب ہی کی زبان سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جن کی زبان نہ
اردو نہ فارسی نہ ترکی۔

غالب کی یہ اندازِ اقبال اور تحفیل کی بے اعتدالیاں دکھانے کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے اس رسالہ میں
محقق نہیں مگر ناخ اور غالب کی روش تحفیل کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ناخ
نے جو کچھ کہا ہے اگرچہ بہ اعتبارِ نقول پسندیدہ نہیں ہے مگر مطلب فوراً سمجھ میں آجاتا ہے اور صحتِ الفاظ و
محاورات کے اعتبار سے شاعری کے تمام اشعار مستند ہیں گویا وہ ان ناخ زبانِ اردو کی ایک (دستخوری) ہے مگر
غالب کے اس مختصر وچ ان کا پیشتر حصہ نہ سمجھ میں آتا ہے نہ بہ اعتبارِ نقول کوئی وقت رکھتا ہے۔ بعدِ الفہم خیالات
اور بے اعتدالی تحفیل کا اچھا خاصہ نمونہ ہے اس قسم کی تحفیل شعر کو (اردوئے علم معانی و بیان) بالکل سسل بنا دیتی
ہے۔ دل میں تو ہزاروں قسم کے خیالات موجزن ہوتے ہیں مگر انسان کو اور خصوصاً شاعر کو اس بات پر غور کرنا
چاہئے کہ کون سی بات کہنے کی ہے اور کون سی بات ناگفتنی ہے یا جو کچھ کہا ہے اور جن لفظوں میں کہا ہے اسے
سامع بھی سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ زبان کھولنے کا حاصل یہ ہے کہ سامع پر اپنا مطلب بھری تمام ہو جائے اور شاعر کے
لئے فقط اپنا مطلب تمام کر دینا کافی نہیں بلکہ ذہنِ سامع کو محفوظ کرنا بھی ضروری ہے۔ غالب کے کلام میں یہ صیب
جس کھڑت سے پایا جاتا ہے وہ ہندوستان کے کسی شاعر میں نہیں پایا جاتا۔ ذہنِ سامع کو محفوظ کرنا تو کیا مطلب بھی
صاف ادا نہیں ہوتا بلکہ ذہن کو اور الجھن سی ہوتی ہے۔ جو مضمون لفظوں سے صاف صاف ادا نہیں ہو سکتا اس کو
ضام غانہ بدم میں رکھنا مناسب ہے۔ کسی گجڑی ہوئی صورت کو اقل نظر کے سامنے پیش کرنا کوئی کارنگاری نہیں
ہے۔

الموس ہے کہ آج کل ہندوستان میں غالب کے ان چیدہ اندازِ بیان کی تقلید کی جاتی ہے جو معنی و بیان کی

رو سے نہایت میوب ہیں۔ ہاں غالب کے وہ چند اشعار جن میں منطق کی شرفیاں، پسندیدہ نواکیں اور قریب الغم کھائے پائے جاتے ہیں ان کی تخلیق کی جائے تو بیک اردو کی شاعری کے لئے نہایت مفید ہے مگر ایسا نہیں کیا جاتا اور یہ کام کچھ آسان بھی نہیں ہے۔ واضح ہو کہ غالب کے وہی چند اشعار پسند خاص و عام ہوتے جن میں مذکورہ غویوں کے جوہر پائے جاتے ہیں یا جو سادگی و نزاکت کے سیدھے راستے پر ہیں۔

مگر آج کل یہ ہوا چلی ہے کہ ہوش عقیدت میں اکڑا لیجئے ہوتے اور فصل اشعار میں بھی سنی پستانے کی کوشش کی جاتی ہے جو لوگ میدان سخن میں کوئی کار نمایاں کرنے کی قوت نہیں رکھتے جن کے ہاتھ میں کوئی ہنر نہیں وہ دیوان غالب کی شرح اور اس کا تبصرہ لکھنے بیچارہ کر کے ہام و نمود حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کاش انجمن ترقی اردو حضرت آتش کے دیوان کو (جو فلسفہ، اخلاق و حکمت کا معدن ہے) ویدہ عارف سے دیکھتی اور "مظاہر متعارف بالکدر" پر عمل کر کے انتخاب کرتی اور اس حکمت آموز و مہربان فیض مجموعہ کام کی شرح تیار کر کے شائع کرتی تو ملک کا ذوق بھی درست ہوتا اور علم ادب کو بھی فائدہ پہنچتا۔ حضرت استاذی جناب خان بہادر مولانا شاہ بدایونی کا یہ ارشاد بھی یاد ہے کہ "پہلے قرآن و حدیث کے فلسفہ حکمت و اخلاق اور شیخ ابیہاد اور بدایونی کے مسائل عرفان و حقیقت پر نظر ڈالو اس کے بعد خواجہ کا دیوان دیکھو تب اس کے مرتبہ کو پہچانو گے۔"

خواجہ آتش کے کام سے ظاہر ہے کہ وہ مسائل عرفان و حقیقت سے کافی آگاہی رکھتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عملی طور پر کسب و ریاض میں دخل تھا اور ان کا خیال ان بھی ریاضت پیش تھا۔ علم تصوف کی کتابیں چاہتے جانتے سے ان مضامین اور ایسے مسائل پر کوئی حاوی نہیں ہو سکتا مجھے اس سے انکار نہیں کہ مثل اور استاد کے خواجہ کے کام میں غلطیاں بھی ہیں، ان کی علمی استعداد اوسط درجہ کی معلوم ہوتی ہے مگر شاعری کے لئے جس اور اک و احساس، جس انداز بیان، اور لطف زبان، جس درد مند دل، جس بیٹم معرفت کی ضرورت ہے وہ استاد و اردو میں آتش و میر سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں ملتا ہوئی۔ بلکہ اعلیٰ جذبات کو حرکت دینے والے مضامین اور عرفان و حقیقت کا رنگ جس قدر آتش منظور کے یہاں ہے اتنا میر کے ہاں نہیں ہے مگر مجموعی حیثیت سے میر کا پایہ بلند ہے۔ آتش کے کام میں جو پاکیزگی ہے وہ میر کے ہاں نہیں اور میر کے ہاں جو سکیکیت ہے وہ آتش کے ہاں نہیں ہے۔

اردو میں عرفان و حقیقت کے رنگ کو پروردہ مجاز میں آتش نے جس خوبی سے دکھایا ہے میر درد کے ہاں بھی اس خوبی کے ساتھ نہیں دکھائی دیتا۔ میر درد، اکڑ پروردہ مجاز کو سچ سے انھادیتے ہیں مگر آتش کے ہاں اک بکا سا پروردہ ضرور چارہتا ہے اور حضرت غالب کو تو تصوف کی ہوا تک نہیں لگی جو کچھ ہے تراہاز ہے۔

یہ مسائل تصوف، یہ تراہاز غالب

لفظ دمعے ہی دمعے ہیں۔ آتش کا کلام دل پر اثر کرتا ہے اور غالب کی تحلیل سے (جس تحلیل کا صحیح معنی صرف لیا گیا ہے) دماغ کو فرحت ہوتی ہے۔ دل پر ویسا اثر نہیں چڑتا لہذا جو کلام دل پر اثر کرے وہی قاتل قریح

ہے۔ آتش و میر کے شعروں سے نکلے ہیں اور غالب دماغ کے زور پر اڑتے ہیں آتش کا کلام سعدی و حافظ و خسرو کی طرح روحانیت کی طرف مائل ہے اور غالب کا کلام قلب کی طرف۔

بعض حضرات آتش کو نسبت "کم سواد" کہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ان کی خاطر سے میں ہائے لہجہ ہوں مگر جناب رسالت باب اور جناب امیر علیہ السلام بھی کچھ چمے کھسے نہ تھے لیکن کلام میں وہ انجاز تھا کہ دلوں کو صمڑ کر لیا۔ ہر بات قلب کے کانٹے میں تکی ہوئی تھی۔ اس طرح ہر بشر میں یہ جو ہر جناب اللہ و دینیت ہوتا ہے۔ آتش کی زبان میں بھی خدا واد اڑ تھا۔ اللہ اس ہے کہ گھسٹر کے رنگ ٹھٹھک نے ان پر بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا مگر مجموعی حیثیت سے دیکھ ان آتش پر نظر انصاف ڈالے تو صاف معلوم ہو گا کہ اصلی رنگ طبیعت عرفان و حقیقت کی طرف زیادہ مائل ہے۔ خواجہ آتش کو عملی طور پر کسب و ریاض میں دخل تھا اور غالب اس سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے کہ غالب نے علم تصوف کی کتابیں دیکھی ہوں مگر اس سے کیفیت اور حال دل پر غاری نہیں ہوتا۔ اور بغیر کیفیت ہوئے ایسے مضامین پر جلدی ہو نا قابل ہے اسی وجہ سے دیکھ ان غالب عرفان و حقیقت کے مضامین سے خالی ہے۔ اور جہاں اس کی کوشش کی ہے۔ وہاں ناکامیاب رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو چم سے آشنا نہیں ہیں۔ البتہ غالب کو یہ خصوصیت ضرور حاصل ہے کہ قلم شعراء کے مقابلے میں اپنی وجہ اندیش کی سہرا لگ پائی۔ مگر ہمیں کیا ضرور کہ اندھی تقلید کریں۔ پرانے شگون کے لیے اپنی ناک کھوائیں

شاعر کو لازم ہے کہ قوت تحلیل کو حد اعتدال میں رکھے طبیعت پر غالب نہ ہونے دے۔ جسم انسانی کے عناصر اربعہ میں سے کوئی عنصر حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو اس کا نتیجہ امراض شدیدہ اور آخر کار موت کا سامنا ہوتا ہے۔ جسم انسانی پر کیا مختصر ہے تمام دنیا مایا کا وجود اسی اعتدال پر قائم ہے۔ کائنات میں جتنے سیارے ہیں ان کے اعتدال میں فرق آجائے اور قوت کشش حد سے تجاوز کر جائے تو سب آپس میں ٹکرا کر برباد ہو جائیں۔ لہذا شاعر کو لازم ہے کہ اس قوت تحلیل کی داکیں لیے رہے کیوں کہ جب اس کا قلب طبیعت پر زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو قوت میزہ کے قابو سے اس کی ردک قائم کرنے والی ہے باہر ہو جاتی ہے اور یہ حالت شاعر کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ قوت عقیدہ نظر تاہم اعتدالی اور بلند پروازی کی طرف مائل رہتی ہے مگر قوت میزہ اس کی پرواز کو حسب ضرورت روکتی ہے اور ہٹکتے نہیں دیتی۔ قوت عقیدہ کتنی ہی بلند پرواز ہو جب تک قوت میزہ کی محکم ہے شاعری کو اس سے قصاں نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ جس قدر اس کی پرواز بلند ہو گی اس قدر اس کی شاعری اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے گی۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے شاعر گذرے ہیں ان میں قوت عقیدہ کی بلند پروازی اور قوت میزہ کی حکومت ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے ان کی تحلیل نہ خیالات میں بے اعتدالی پیدا کرتی اور بکروی پیدا کرتی نہ الفاظ اور انداز بیان میں فراغت۔ مگر جب تحلیل قوت میزہ پر غالب آجائے ایما ہی ہے جیسے کسی سوار کے لئے مطلق العنان گھوڑا۔ غالب کی شاعری کا یہی حال ہے۔ خیالات ان کے اتنے بلند ہیں۔ کہ الفاظ کے چھو میں نہیں آتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس مطلب بالکل فوت ہو جاتا ہے اور شاعر منہل مقصود سے کوسوں دور رہ جاتا ہے یا کسی اور طرف نکل جاتا ہے۔ غالب پر کیا موقوف کتنے ہی ہو نہاد شاعر اس وقت عقیدہ کی آزادی اور مطلق العنانی کی بدولت گمراہ ہو

گئے اور لکھتے ہو گمراہ ہوئے وہ اس وقت تک راہ پر نہیں آئے جب تک قوتِ مجیزہ کو تحلیل پر حاکم نہ بنالیا۔ ہائے
میر تقی میر کیا ہو جری سخن قمار مرد غالب کے شعر سن کر صاف کہہ دیا کہ ”اس لڑکے کو اگر کوئی استاد کافل مل گیا اور
سیدھے راستے پر لگا دیا۔ تو وہ اب شاعر بن جائے گا ورنہ مصلحتیں گنگے گا۔“ وہی ہو اگر غالب نے نہ کسی کو استاد
بنایا اور نہ راہِ راست پر آئے۔ چنانچہ غالب کے کسی بے تکلف دوست نے یہ مطلع پڑھ کر از راہِ حشر ان کی بہت
تقریحیں کیں۔

پہلے تو دو فن کل بھیجیں کے اڑے سے نکال

بعد اس کے جزو کل بھیجیں کے اڑے سے نکال

غالب نہایت آزدہ ہوئے اور کہا ”نہ معلوم کس منزلے نے یہ مطلع میری طرف منسوب کر دیا ہے۔“
اس پر ان کے مہمان نے فرمایا کہ بھئی برا کیوں مانتے ہو تمہارے شعر تو ایسے ہوتے ہی ہیں۔“
خدا بھلا کرے کچھ جینوں کا کہ شو کے دے دے آخر کار غالب سے کچھ ایسے شعر بھی کہلا لے جن پر
اردو کی شاعری جتنا بھی ناز کرے بجا ہے۔ یہ وہی اشعار ہیں جو زبانِ زدِ عام ہیں اور جن میں قوتِ عقیدہ اور
قوتِ مجیزہ کی حکومت ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے۔ ہائی اشعار تو فقط سلامتی کے ہیں۔ ایمین ترقی اردو پھر سے دیا ان
غالب کا انتخاب کرے اور پستل لیا اشعار کو کٹ کر پیچک دے تو اچھا
کاش غالب شاعری کے پیچھے نہ پڑتے تیزی لکھا کرتے تو بہتر تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ نثر تو ایسی دلچسپ اور
سلجھی ہوئی اور نظم ہائل گورکھ دھندا

قوتِ تحلیل کی بیوردہ جست و خیز اس وقت بڑھ جاتی ہے جب اس کو اپنی اصلی غذا (یعنی اصلیت و جوش
شائق و واقعت کا ذخیرہ جس میں وہ تعریف کر سکے) نہیں ملتی۔ جس طرح انسان بھوک کی شدت میں جب معتاد
غذا نہیں پاتا تو مجبوراً لباسِ پتی سے اپنا دوزخ بھر کر صحت کو خراب کر لیتا اور اکثر چاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب
قوتِ عقیدہ کی اصلی غذا نہیں ملتی تو غیر معتاد غذا پر ہاتھ ڈالتی ہے۔ خیالات و دوا کا کار کو جس سے کوئی نتیجہ معقول
مرتب نہیں ہوتا اور جن میں ذرا بھی اصلیت نہیں ہوتی تراش کر یہ تکلف شعر کا لباس پہنتی ہے اور قوتِ مجیزہ کو
اپنے کام میں غلط انداز سمجھ کر اس کی اطاعت سے باہر ہو جاتی ہے اور آخر کار شاعری کا نام فکر کو تحلیل کا حاصل
نہایتی ہے۔

مولانا حالی و علامہ شبلی نے شعر کے حسن و قبح کے جانچنے کا یہو معیار اپنی اپنی گراں بہا صنیعوں میں قائم کیا
ہے اس کا خلاصہ یہی ہے اور ذوقِ سلیم کو نہ کہ دوا کا ہالا معیار کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ راز صری
سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا حالی اور غالب کے دیگر معجزہ کلام غالب کو اس معیار پر کیوں نہیں دیکھتے میرا دعویٰ
ہے کہ جب تک مقدمہ حالی اور شعرا گمراہ و بدلتی ہے اور جب تک یہ معیار شاعری اہل فن کے نزدیک مسلم ہے
اس وقت تک کلام غالب کی خامیاں مجھے نہیں مٹ سکتیں نہ غویوں پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔

مکتوب یگانہ

(ہمام سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم۔ اسے پروفیسر گھنٹو بیگم نور شری)

اتوار ۲۵ دسمبر ۲۰۲۳ء

مکرمی جناب مسعود صاحب سلام علیکم

نوازش پندرہ صادر ہوئے۔ خیر آپ نے ”ترانہ“ کی رسید تو بھیجی ورنہ یہ تو ”گواہ“ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ بہتر بہ حضرات نے رسید تک بھیجنا خلاف اخلاق سمجھا میں پہلے ہی کچھ چکا تھا کہ رسید بھیجنا تو کیا بعض احباب اسے دیکھ کر ہمارے سے باہر ہو جائیں یہاں ذکر پینک دیں تو کوئی جھج نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ”آکر کی چند رہائیاں (وہی جن میں غالب پر مشتمل کیا گیا ہے) شائع نہ کی جائیں تو اچھا تھا۔ انہیں شائع کر کے گویا میں نے اپنے ہی غراؤں کا (ایسی غراؤں کا) دل دھکا دیا ہے۔ خیر یوں ہی سہی۔ لفظ جی یا لفظ ضعی کے سبب کوئی آپ پر کاٹھا ہائے تو اور بات ہے۔ ورنہ مجھے دل دکھانے کی ضرورت کیا تھی البتہ یہ تو یہاں ہے کہ ہنر کو ہنری حیثیت سے جانچنے اور قدر کرنے کی صلاحیت ملک میں کتنی ہے۔ آیا لوگ محض اپنے ہی ہم خیال و ہم مذہب کے ہنر کو دیکھ سکتے ہیں یا فیہدوں کے بھی۔ میرا مذہب غالب پرستی نہیں ہے بلکہ خود پرستی یا حق پرستی۔

خود پرستی کچھ یا حق پرستی کچھ !

آہ کس دن کے لئے باقی پرستی کچھ

دوسری ضرورت ان طریقہ کاروں کی یہ ہے کہ غالب پرستوں کی دیوان دار عقیدت اور بالکل ہونی ذہنیات پر تہ تو چرت پڑے۔ ذرا اپنے حواس میں نہیں غالب کو ایک دیوانہ آسانی شخصیت کی طرح پیش کر کے دنیا کی مذہب قوموں کو ہندوستانی دماغوں پر چھنے ملائے گا موقوفہ دیا جا رہا ہے۔ اس پر ذرا غور تو کریں۔ غالب کیا ہے؟ آزاد سے زیادہ ہندوستان کا ایک بلند خیال ”وقت پندرہ شاعر“ جو بنا وقت اپنے عقیدات کی بھول بھلیاں میں گم ہو جایا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ پرلے سرے کا بے سرا بھی ہے۔ یہ انا چور اور چور کے ساتھ کوٹا بھی ہے۔ مضمون چرانے کو چراتا ہے مگر ہضم نہیں کر سکتا۔ تصرف کی قدرت نہیں رکھتا۔ چوری کھل جاتی ہے۔ زبان ایسی گوشتی کہ غصے مطلب کو شاعرانہ زبان میں لواتا نہیں کر سکتا۔ ٹھوس غرائس کے تک بند کر لیتا ہے غالب کے ان شاعرانہ غرائس کی طرف گزشتہ بیس سال کی مدت میں بار بار اشارے کر چکا ہوں جو کچھ دالوں کے لئے کافی ہے مگر اب کچھ ایسی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان مستقل رسالہ مرتب کر کے غالب کی چوریوں یا غریلوں کو اچھی طرح سمجھان ڈالوں۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ غالب کے ان محبوب و بے باغص کی تحقیر کرتے مگر غالب پرستوں کی کورانہ عقیدت نے تمام شعرائے باغی و حال کے حقوق بھیجیں کہ سب غالب کو دیئے ہیں۔ سب کے کارناموں کو فراموش کر کے غالب کو اردو کا داہد نامزد ہوا کر پیش کیا ہے۔ شادحوں اور مضمون نگاروں نے غالب کی محنت مہارت تمیز یک دہی تصور پیش کر کے (ایک دہی بھی ایسی نہیں کہ محض حسن کو دکھایا اور عیب کو چھپا دیا بلکہ غصہ یہ ہے کہ

عجب پر بھی حسن کا رنگ چڑھا کر ملک میں وہ بد مذاقی پہنچائی ہے کہ اہل نظر حیران ہیں ڈالنی یہ کون سا خوکاں ہے۔ آپ سمجھتے ہی ہوں گے کہ اس بد مذاقی کی ترویج کا کتنا برا نتیجہ مرتب ہو رہا ہے۔ قوم کی قوت فیعلہ بھروج ہوتی جا رہی ہے بلکہ ہو چکی ہے۔ قیصر ایک بد مشعل ہوئی جاتی ہے۔ غالب کی نگہوی شاعری کو بھی ہلکی ہوئی ذہنیتیں حسن کمال پر محمول کرنے لگی ہیں۔ لاعلمی و لافوقہ

جب ایسی گمراہی پھیلی ہوئی ہے تو کیا غالب کی تصور کا دور سرا رخ دکھا دینا یا اس کی طرف رہائیوں میں اشارہ کر دینا ایک ادبی خدمت نہیں ہے۔ وہ دل سے اس خدمت کا اعتراف تو کیا کرتے۔ الٹا الزام رکھا جاتا ہے دل دکھانے کا۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میری ادبی خدمتوں کا اعتراف کیا جائے۔ (میں خدمت خدمت کی غرض سے کرتا ہوں حصول صلہ کے لئے نہیں کرتا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ میری خدمت کا وہ مقصد ہے وہ حاصل ہوتا جاتا ہے اور ہوتا جائے گا۔ مگر میرے حق میں یہ خدمت 'دست و رسوائی' کا باعث ہوتی رہے گی۔ مجھے دشمن و دوست کی پر دہا ہوتی تو ایسا کیوں کرتا؟ مگر ملک خود اپنی قوت فیعلہ کو بھروج کئے لیتا ہے۔ یہ کون سی عقلندی ہے۔ میں غالب کی طرح داد خن کا بھوکا نہیں ہوں کہ لوگوں کو مطاع کر چکار کر اپنے ذہب پر لاؤں یا انہوں کو

"وہ سخی گھر سے اشعار میں معنی نہ سخی"

کمال تو وہ شے ہے کہ ہمارے گھروں کے داد و وصل کر لیتا ہے۔ پھر ضمیر فردشی کرنے یا تائب قلوب کی مصلحتانہ پالیسی برتنے کی کیا ضرورت ہے۔ داد تو مجھے ایسی ملی کہ زمین و آسمان گواہ ہیں۔ سارا گھنٹہ عاجز آکر میرا ہانپناٹ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ سامنے آئے۔ حد دکھانا چھوڑ دیا۔ ذرا غور تو کیجئے اس سے پردہ کر اور کیا دلو ہو گی؟ ہانپناٹ کا عقد بھی تو ہے کہ روئے ہوا دشمن جب ہر طرح عاجز آ جاتا ہے۔ کوئی کٹ نہیں کر سکتا تو ہانپناٹ کے حربے پر اتر آتا ہے۔ خدا جانے وہ میرے گون سے قدردان ہیں جو غصہ کمال کو غالب پر سخی کے ساتھ مشروط سمجھتے ہیں۔ یہ ابھی شرط ہے کہ میں غالب کی شان میں ایسی راجحانیں نہ کہتا "اس کے عجب کو ہنر سمجھتا یا کم از کم اس کے عجب کو چھپائے رکھتا تو میرا کمال کمال تھا اور نہیں تو نہیں۔

غرض کہنے کی یہ ہے کہ غصہ کمال غالب پر سخی یا شخصیت پر سخی پر موقوف نہیں ہے۔ کیا اچھے دوست ہیں جو میرے عجب ضمیر پر سخی پر تو غور سمجھتے ہیں اور ہنر سے چٹم پوٹتی کرتے ہیں۔ یہ نہ سمجھتے کہ مجھے اس چٹم پر سخی یا شخصیت تک خیالی کی کوئی شکایت ہے ہرگز نہیں۔ نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تعلیم یافتہ گراموں کا سارا کردہ میرا کھل چڑھنے لگے۔ ہر کس و نامکس کو اپنے ذہب پر اٹا۔ اپنا بھوتا ہوا خواہ مانا میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو ہر خلی کو جو یہ کہہ سکتا ہے وہ آپ سے آپ کچھ آئے گا۔ ہمارے دل میں عجب کے ہر لمحہ میں ہیں ملک میں ایک ایسا بے قصب تعلیم یافتہ طبقہ بھی موجود ہے جو مجھے دوست رکھتا ہے۔ ہنر کو ہنر کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ غالب پر سخی کے ساتھ مشروط نہیں سمجھتا۔ خدا جانے یہ مشروط قدردانی کیا ہے؟ "آل انڈیا شام کانفرنس" کا یہ "دیں اگر کسی شخص نے میرے اس صبر کو (وہ کون پکارتا؟ وہی غالب کے بچا) نقل کر کے عارضی جلسہ کو بڑھایا تو اس کی شکایت کیا۔ اس کی نگاہ بدین کا قاضی ہی ہونا چاہئے تھا۔ وہ "ترانہ" کے تمام صفحات میں آخر کی اچھی پانچ سات مزاحیہ رہائیوں کو کتاب کا حاصل سمجھتا ہے۔ کتاب کا اصل موضوع اس کے نزدیک بھی چند راجحانیں ہیں۔ یا کم از کم لوگوں کو ایسا بار کرنا چاہتا ہے۔ تو اس سے میرا آپ کا کیا بگڑا ہوا ادبی دنیا کو اس نے دھوکہ دیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے اس طرز عمل سے آپ کے ساتھ اور لوگوں کو بھی (بہر قول) آپ کے میرے قدر شناس ہیں اور ایک اپنی جمع میں اس سے بہتر ریمارک مننا چاہتے تھے) تکلیف ہوئی۔ کیوں تکلیف ہوئی؟ یہ اپنی ضد فنی لوگ کیوں اس امر کے متوقع رہتے ہیں کہ ہر کس و نامکس ان کا ہم خیال و ہم لواء ہو جائے۔ کیوں دوسروں سے میری نسبت بہتر ریمارک مننا چاہتے ہیں۔ کیا وہ خود کو کوئی دانستہ میں رکھتے۔ کیا اپنی دانستہ پر انھیں مجبور و سامعین؟ اگر اپنی دانستہ کو وہ حق بجانب سمجھتے ہیں تو کیا یہ احساس بجائے خود ایک لذت نہیں ہے؟ اگر وہ دوسروں کو بھی اپنی لذت میں شریک دیکھنا چاہتے ہیں تو کچھ دقوں میں کر دیں۔ انتظار کریں۔ زمانہ خود کج رفتاروں کو پیدا کر دے گا۔ جسے لوگ غامضی کے ساتھ میری نسبت بہتر ریمارک سننے کے لشکر رہے "خود کوئی کلمہ خیر نہ کہے" دہن خوش بھی خرابی سے مجبور ہو کر پکار اٹھتے تو نہ ہائے کیا ہو نا؟ قدر دانوں کو دانستہ ہماز میں یہ کیا غضب ہے کہ مجھ پر دل دیکھانے کا الزام رکھا جاتا ہے اور اس الزام کے ساتھ ہی خرابی کا احساس بھی بتایا جاتا ہے۔ کیا کہنا ہے اس "منعت کرم و دشمنی" کا۔ کیوں حضرت میں نے دل کیوں کر دکھایا۔ چور کو چور بے سرے کو بے سرا کہنا اگر دل آزادی ہے تو چور کو شاہ جا کر پیش کرنا۔ ایک بیت کے بندے "فلت کے بھوکے" کو "سوئی" کا مقدس خطاب دینا۔ سلطنت مظیلہ کے ایک خود غرض ملک خوار۔ "انگریزوں کے پرستار و پیچھے خوار کو" "وطن پرست" ٹھہرانا اور اسی طرح کا بیسیوں سفید بھوت اہل نظریہ کی آزادی اور پیک کی گمراہی کا سبب نہیں ہے۔ کیا غالب کے لئے یہ شرف کافی نہیں ہے؟ کہ آخر عمر میں (میر تقی میر کی اقتدار کی بدولت) وہ ایک کامیاب شاعر بن کر چلے اس کی عمر کا بیشتر حصہ "ذہنی سرکشگی و جبرانی میں گزار دیا گیا غالب کی صحیح اور جانور قہروں سے یادوں کا بیت نہیں بھرا کہ اسے ہاتھ و نامکس سراج کا "اچھلا" دینے میں یہ مہارت کیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا یہی انجام ہوتا ہے کہ غالب جانور حد تک جس عزت کا مستحق ہے وہ بھی اس سے چھین جائے ان کی شاعرانہ ہضمت اور اس کے کیرکڑی تختی سے جانچ شروع ہو جائے۔ اور آخر کو ہوا بادی کا یہ طمس نام شکست کی طرح ٹوٹ جائے۔ غالب پر ستوں کے دانہ وار عمل کا رد عمل شروع ہو چکا ہے۔ کچھ دنوں میں حیات ہو کر رہے گا کہ غالب کو اردو زبان کا واحد نمائندہ ٹھہرا ہوا اس کے کلام کو سرا سرا لہائی اور (Original) ٹھہرا۔ ناری لڑچکر سے (ہو غالب کا واحد نمائندہ ہے کیوں کہ وہ فارسی کے سوا اور کوئی زبان جانتے ہی نہ تھے) بے خبری کا نتیجہ ہے۔ بدوش حقیقت کی فریب کاری ہے "اور کچھ بھی نہیں۔ مان لیا جائے کہ میں غالب کو ختم دود۔ ہے سراسر فیوہ کہنے میں حق بجانب نہ سہی" غالب تو کیا بڑا ہے اگر خدا انوارت حضرت کرشن کی عکست۔ مولا علی کی شان جلالت۔ محمد رسول اللہ کی رسالت "اور خدا کی وحدانیت سے بھی انکار کروں تو کیا حسن کمال میں جو حقیر قلب کی قوت وحدیت کی کمی ہے وہ کاہر ہو جائے گی۔ حسن کمال کیا خدا پرستی یا غالب پرستی پر موقوف و مشروط ہے۔ لا حول ولا قوۃ کیا معجزوں اور کافروں کو خدا لے اپنی نعمتوں سے مالا مال نہیں کیا؟ سوسائٹی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے مگر مدہ فاضل کسی کا ذاتی جوہر مجھ میں سکتا۔ محض اس وجہ سے کہ وہ غالب پرست نہیں ہے۔ نظرت مرزا غالب کی اتنی ہوا خواہ تو نہیں ہے کہ مرزا یگانہ کا ذاتی جوہر چند طریقہ رباہوں کی وجہ سے مٹا دے گی۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی شاعری کی نسبت لوگوں سے "بہتر ریمارک" سننے اور ہر دعوئے بے کیس میں تعلیم یافتہ گمراہوں کی طرح مصلحت غالب کو بھی آسانی محض مان لوں اور اس طرح غالب پر ستوں کی نگاہ میں "بھوئی اور دلیل عزت" حاصل کروں کیا ایسی عزت جو ایک قسم کی ہیکل یا رشتہ سے زیادہ وقت نہیں رکھتی۔ حقیر فروشی کر کے کوئی بھلا

اوی قول کر سکتا ہے۔ غور کر، مارتا ہوں ایسی عزت کو جو غالب پر حق کے صدقے میں حاصل ہو۔ عرف عام میں نئے عزت
 کہتے ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ کہ میں نے اس عزت کو کھستو میں کس طرح قربان کر ڈالا۔ کیا کیا گالیاں کھائیں۔ مصلقات۔
 کیا کیا بھریں سنیں۔ کیا کیا باری قصاصات اٹھائے۔ کلی لگائی روزی اودھ اخبار کی ملازمت چھوڑی۔ یہ غالب کا زمانہ نہیں
 ہے۔ کہ دلی کا قلعہ الٹ جانے کے بعد بھی جیسے جیسے دربار شاعروں کی قدر کرنے والے موجود تھے۔ فکر معاش کے لئے
 آج کل کی سی تعلقش نہ تھی۔ آج کل اپنے وطن میں ساتھ روپے کی ملازمت ایک صاحب اہل و عیال کے لئے بڑی قیمتی چیز
 ہے۔ ایسی ملازمت کو اپنی اصول پر حق کے سبب ترک کر دینا اس زمانے میں (کہ شاعروں کو کوئی پرہیزگار نہیں) کوئی آسان
 کام نہیں ہے۔ اس زمانے میں شاعروں کا کام شکستہ شکر کیا نہیں ہے۔ بلکہ بیروزگاری کا عذاب بھی جان کے ساتھ ہے اور اگر
 کوئی جگہ آسان زمین کے قاربے ملنے کے بعد مل بھی گئی۔ تو اس کی دلداریاں سختیاں اٹھانا بھی اک تھکن مرحلہ ہے۔ آپ
 غور کریں کس قدر مشکل ہے۔ اس نفسا نفسی کے دور میں آرت کو مرحلہ کمال پر پہنچتا۔ بغض و عدوت کی قربان گاہ پر وجہ
 معاش کو جینٹ چڑھا دیتا۔ بال بچوں پر سختیاں اپنی تھکوں سے دیکھنا اور صبر کرنا۔ عمر بھر کا سرمایہ ایک اچھا خاصہ کتب خانہ
 (اس کے ٹھک ہونے کے دیکھ و لم کا اعزاز آپ کر سکتے ہیں) بے روزگاری کے ہاتھوں ٹھک آکر کوڑوں کے مول لٹا دینا
 وطن چھوڑ کر بال بچوں کو خدا کے حوالے کر کے فکر معاش میں دیں بدیں مارے مارے بھرتا اپنی ضمیر حق اور اصول پر حق
 کے ہاتھوں الزام و الزام ہو جا۔ یار و اطمینان کے طعنے سنا اور شہرت کے گھونٹ کی طرح پی پانا غالب جیسے خود غرض و درباری
 شاعریت کے بعد سے خلعت کے بھوکے انگریزوں کے پرستار اور چٹائی طائر کا کام نہیں ہے۔ یہ حوصلہ ہے ضمیر پرست اچھا
 پسندوں کا جو وجہ معاش کے ساتھ اپنی عزت عرفی کی قربانی بھی اپنے مشن کی خاطر گوارا کر لیتے ہیں اور آج کل کی بولناک
 تعلقش زندگی کا مزاج دار مقابلہ کرتے ہیں۔ ہزار میں فقط قید ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ نہ جہر نہ ہانا اٹھ میاں سے
 نانا۔ بھرا جیل چلے گئے تو کون سی ایسی کڑی جیلی۔ بڑی بچوں کا کچا ساتھ تو قحطی نہیں جن کی تباہی کا درد و غم سوجان روح
 ہو سکتا۔ البتہ شخصی راحت میں غل چڑھتا ہو گا اور یہی جسمانی راحت غالب کے لئے بڑی چیز تھی۔ افسوس ہے غالب نے چار
 دن بھی بلور شاہ کے ٹھک کا پاس نہ کیا۔ تختہ الٹنے ہی انگریزوں کے دفتروں تک خوار ہی گئے۔ اک آج کل کے بند بچوں
 ادب ہیں کہ زندگی کی بہت شگن تعلقش کے ساتھ یار و اطمینان کے طعنے سنتے ہیں۔ اپنے بھرے صوبہ کا رنگ جڑتے دیکھ رہے
 ہیں۔ اپنی قضیلات کے ساتھ غلامانہ سلوک دیکھ رہے ہیں اور دل ہی دل میں ہشتے ہیں کہ یہ مخالفت کتنے دنوں زندہ رہ سکے
 گی۔ حاسد ان کھستو کی عصمت کا وہ زور و شور "وہ ہدیچندہ بھی دیکھا اور آخر چشمان ہوتے بھی دیکھ لیا۔ اب غالب پر ستوں کا
 زور دیکھنا ہے۔ خدا نے چاہا تو ان بچی ہوئی دینتوں کو بھی ملامت ہوتے اور رلو پر آتے دیکھ لوں گا۔ میں نہ دیکھ سکا تو آپ
 دیکھ لیں گے اور اس وقت اپنی رائے بدل دینے پر مجبور ہوں گے۔ بغیر بھائے آپ کی کھ میں آجائے گا کہ میں نے جو کچھ
 بھی غالب پر حسرت یا تنیدی ہے وہ کتنی حق بجانب کتنی صحیح اور کتنی ضروری تھی۔ دیکھ لیجئے گا یہ حسرت بھی اک اولیٰ خدمت
 ثابت ہو کر رہے گا۔ کیوں کہ فی الحقیقت یہ حسرت کسی عداوت پر تو مبنی ہے نہیں بلکہ ذہانت عام کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی
 ہے کہ دل کتنی باتیں دل کی دل کی میں کہہ دی جائیں۔ وہ زمانہ کیا آپ کو یاد نہیں جب میرے اس مصرع پر۔ (آہوئے
 کھستو خاک بھیم تہا ہوں) کھستو میں قیامت برپا ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا تھا کہ سنگ سار کر دیا جاؤں گا۔ زندہ دفن کر دیا

ہاؤں کا۔ مصرع چونکہ حقیقت حال کا ترجمان ہے اور گوک پلک سے اجادہ ست ہے کہ دلہا میں سوراخ کئے دیتا ہے۔ اس لئے سارا کھسٹو بلہا اٹھا۔ درند کوئی ہوائی بات ہوتی تو نہیں میں اڑ جاتی۔ غالب کی نسبت بھی ہو کہ قسطو کیا گیا ہے وہ ذرا حسیں تو ہے نہیں سچے کی باتیں ہیں۔ دکنی رنگ مسل دی گئی لوگ بلہا اٹھے۔ ہائی کہاں مرتا ہے ٹیپ میں۔ کھسٹو کی طورش ہے جا کا انہام ہوئے والا قہار وہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا زمانے نے آخر شور مچا پسند ان کھسٹو کے ہونٹ ہی دیئے۔ ملک پر روشن ہو گیا کون کتنے پانی میں ہے۔ الہ تبارک و تعالیٰ شاہجہان پر رخی گڑھ کے شاعروں میں ان لوگوں کی باتکاٹ کی مذہم کو مٹھوٹوں نے (ہو کہیں کامیاب ہو نہیں کہیں ناام) "فریہ دن دکھایا۔ کہ کھسٹو کا معیار تنذیب و اخلاق نگاہوں میں سبک ہو گیا۔ اس کے ساتھ کھسٹو کے ادبی اقتدار پر بھی زوال آگیا اور اب یہ دیکھ کر مجھے صدمہ ہوتا ہے کہ میری دیکھا دیکھی ہر کس و نا کس کھسٹو کے منہ پر آئے گا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں۔ ہر کس و نا کس کا حوصلہ انکسوں پر دھ گیا ہے کب سے بڑھنے لگا اور بڑھتا گیا۔ جب سے میں نے کھسٹو میں آزادی کی جدوجہد شروع کی اور "پرائیوٹ" میں اعلیٰ زبان اور زبان دان کا فرق طسٹانہ اصول کے تحت دکھا دیا۔ میرے مسلسل جہاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہجیرے داخل بھی آزادی کی ہوس میں مطلق الصانع ہو گئے ورنہ اس سے پہلے دوسرے صوبوں کا ذکر کیا خود۔ پنی والے گوش بر آواز کھسٹو رہتے تھے گراپ تو گونڈا بھی آواز ہو گیا۔ خیر کھسٹو تو اپنے کئے کو پہنچ چکا۔ اب عالمگیر غالب پر سنی کے طوفان کا مقابلہ ہے۔ اس طوفان کا انہام بھی معلوم ہے۔ "آیات وجدانی اور "زانہ" عالم شہود میں آچکا ہے۔ غالب کے آسمانی صیغہ کا مجرم کھٹا ہاتا ہے۔ بچا جان کو اب بچنے کے بچے چھاپڑے گا۔ براہِ چلنے کا موقع نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ غالب اپنے صحیح مرتبہ سے گھٹ جائیں گے۔ ہاں ناجائز طور پر جو آسمانی شہت خواہ خواہ ہادوں نے پنا دیا ہے وہ اتر جائے گا۔ شاعرین نے غالب کے ناقص اشعار پر (جو کثرت کریمیک دینے کے قابل ہیں) فضول جاشیہ آرائیوں سے جس بدذاتی کو رواج دیا ہے اور تعلیم یافتہ گروہوں نے اردو کی دنیا میں نقد الرجال کی شرم محسوس کر کے خواہ خواہ غالب کو سوا گت بنا کر یونان و جرمنی کے فلاسفوں سے بھرا دینے کا جو مسکرا انگیزہ شہود اختیار کیا ہے اس کی ٹھیک لگنے ہی کو ہے۔ میں نے گزشتہ تین سال کے دورِ امن میں مختلف مضامین کے ذریعہ سے غالب کی شاعری کے بھروسہ پلو پر روشنی ڈالنے کے سوا ان کے کیرئیر سے زیادہ بحث نہیں کی جس پر خود ان کے مکتوبات اور قصائد وغیرہ سے روشنی پڑتی ہے اور قاضی برہان پر غالب کی بد ذہانی اور بد کلامی کی روشن مثال ہے۔ اس کا کیا کتنا؟ غالب کی دیکھا دیکھی مجھے بھی کھری کھری سنا دینے کی عادت پڑ گئی۔ اس معاملہ خاص میں مجھ پر غالب ہی کا ہر تو پڑا ہے۔ لوگوں کو میری اس عادت سے غرت ہے اور ہوائی چاہنے تو غالب سے اور زیادہ غرت ہونی چاہئے کہ وہ اس فن (مخ فانی) کے تمام ہیں۔

دیکھو غالب مجھے اس صحیح لوائی سے معاف

آج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے۔

خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ غالب کے کیرئیر پر میں نے پہلے کوئی خاص تنقید نہیں کی تھی زمانے میں عمل کے بعد ردِ عمل کا قانون بھی اٹھ گیا ہے۔ پند و لم اپنی حد کو پہنچ کر پٹا ضرور لے گا۔ غالب شاعروں میں شاعر، رئیسوں میں رئیس اور بادشاہوں میں درباری، فلاسفوں میں فلاسفہ، صوفیوں میں صوفی سپاہیوں میں سپاہی وطن پرستوں میں وطن پرست۔ آخر یہ ہے کیا کہ اس ان

سے سرورِ ہدایات کو دیکھ کر آخر انکو عبداللطیف - بی - ایچ - ڈی - پروفیسر صاحب پوندروہی نے غالب کے نظریے زندگی اور ان کے کیرکڑ کو تنقید کی سہنی پر کس کے دکھایا کہ غالب کی حقیقت کیا ہے انکو موصوف کی سرگ آرا تھنیف "غالب" پر بہت بہک چہ بیگم ہوں ہو گئی مگر حقیقت آخر حقیقت ہے۔ زبان سے کوئی کتاب ہی انکار کرے مگر حقیقت کا وزن دلوں پر اٹا چڑا ہے کہ چھپائے نہیں بچتا۔

لگے ہاتھوں یہ بھی داتا ہوں کہ غالب کی شاعری کے گزور پہلو اور ان کے قابل الزام کیرکڑ پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کے جواب میں جو صفاتی پیش کی جاتی ہے وہ کتنی خوبصورت ہوتی ہے۔ کتا بھولا ہیں چپکا ہے غالب پر ستوں کے جواب سے۔ غالب کی چوریوں کا جب قطعی ثبوت پیش کر دیا جاتا ہے اور مالِ سرور کو بھی سامنے دکھ دیا جاتا ہے۔..... (یعنی فارسی لٹریچر کا وہ حصہ جس سے غالب کے ہجیرے اشعار ماخوذ ہیں یا پرانے گئے ہیں۔ یا بطور ترجمہ اردو کے غالب میں داخل کئے گئے ہیں ترجمہ کیس بن چا ہے کہیں بگڑ گیا ہے۔ اور اتفاقاً کہیں اصل سے زیادہ چست اور خوبصورت بھی ہو گیا ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہنے کے غالب کے سارے کلام کے حلقے ڈنگے کی چوٹ Originality کا دھرمی کہا جاتا ہے کہ از کم یہ دعویٰ تو مالِ سرور کی موجودگی میں باطل اور فوٹو ٹھہرتا ہے کیونکہ سینکڑوں برس پہلے سے وہ مضامین فارسی لٹریچر میں موجود ہیں۔ کہ غالب فارسی لٹریچر سے بے خبر تھے کہ ان چرائے ہوئے مضمونوں کو قارہ کی آڈیکڑ کا غالب ہی کا نتیجہ تحلیل کیا جاسکتے۔ البتہ نگار اور ملین کے کلام سے کسی اچھوتے مضمون میں قارہ ہو جائے تو اسے قارہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ بحث بہ افکارِ موقع پر کی جاسکتی ہے کہ غالب کے کس کن اشعار پر فی الواقع قارہ کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور کس کن اشعار سے نکلا ہوا ہے دھکا سرق ثابت ہے۔ اصل و نقل کو سامنے رکھ کر حقیقت کھل سکتی ہے۔

خیر جب اس طرح مالِ سرور سامنے رکھ دیا جاتا ہے تو غالب کے وکیل اس الزام کو تو رو کر کہتے نہیں کیوں کہ مالِ سرور برآمد ہی ہو گیا۔ بڑی فیرت داری بڑی مصممیت سے یہ جواب دیتے ہیں 'جواب کیا دیتے ہیں مری بلا لگاتے ہیں۔ فحش مٹاتے ہیں کہ ترجمہ وغیرہ کی مثالیں عموماً تمام شعرا کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ غالب پر کیا دوش ہے۔ واہ واہ کہاں تو۔ Originality کے وہ بلند آہنگ دعوے اور کہیں یہ الزامی جواب غالب پر ستوں کی انتہائی عاجزی کی دلیل ہے۔ غالب کے سر سے الزام اتار نہ سکا تو دوسروں پر بھی الزام رکھ دیا۔ سبحان اللہ۔ ارے میاں دوسروں سے غلطی ہوتی ہے پور ہو گی کیوں کہ وہ انسان ہیں مگر غالب تو آسمانی دیے تاجیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ جب غالب کی شاعری زیر بحث ہوتی ہے تو اس وقت وہ گویا آسمان کے تارے توڑ لاتا ہے اور وہ آسمان سے وہ غالب کی زمین ہے (اللہ اللہ) اس کا کلام سرا سر امام ہے۔ آسمانی صحیفہ ہے (اعمال) عام شعرا کی سطح سے وہ اتنا بلند دکھایا جاتا ہے گویا وہ اس دنیا کا کوئی آدمی نہیں ہے بلکہ کوئی فوق البشر ہستی ہے۔ اس کا فلسفہ زیر بحث ہوتا ہے (خدا ہائے غالب کا فلسفہ کیا بلا ہے سوا اس کے کہ بھڑا ایدل وغیرہ کے ہاں سے چند ظہیان کئے ازا لیتا ہے اور میں) تو وہ ایک پے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یورپ کے تمام فلاسفر دوسرے پے میں بٹھا دیے جاتے ہیں۔ خیر ہو گا۔ ہمیں اس سے کیا مطلب۔ مگر وہی گئی تو یہ ہے کہ جب ایسی فوق البشر ہستی کی کھلی ہوئی بڑے سگ 'پندرواں یا ترے پیش کر دیے جاتے ہیں تو وہی محض گویا آسمان سے قلابانوں کا تار ہوا ہندوستان کے دیگر بے پایہ شامروں کی طرح پندرواں کا بھی سرنگ ہوتا ہے (واہ واہ) اور ایک حمام میں سب لگے کا صداق ہو کر گویا چوری کے الزام سے بری ہو جاتا

میں پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری لڑائی کو سامنے رکھ کر سمجھ کرستے تو بھی وہ ان غالب کو آسانی سمجھ یا سراسر الہامی یا اور بے اصل (Original) نہ کہتے۔ غالب زیار سے زیار ہندوستان کا ایک بلند خیال، وقت پسند، مگر، شاعر ہے۔ جو آخر میں رلو پر آیا۔ مگر صبح کا بھولا شام کو آنے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ صوفی اور وطن پرست کا خلعت پہنا تو نہایت مضحکہ خیز عقیدت مندی ہے غالب میں تو اوسط درجہ کی خودداری اور میرزاویت بھی نہ تھی جو اس زمانے کے عام شرفاء کا چلن تھا۔ دلی کا تختہ الٹ گیا۔ ہمارے شاہ قید ہو کر نگوں سے چارے اور غالب کو اپنے طوطے بانڈے "اپنے خلعت و بٹن"۔ جینے و سر پہنچانے مرادباد کی ہوس دامن گیر رہی۔ پڑھاپے میں لٹ صاحب کے دربار میں شریک ہونے کی ہوس دل میں رہ گئی۔ خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس زر ہو گیا ہے تو میں باوجود اس پیراز سالی و ضعف و قناعت کے لاہور جاتا اور لٹ صاحب کے دربار میں شریک ہوتا۔ مگر مجبور ہوں داغ خسرت لئے جاتا ہوں۔ غور کیجئے کہ صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وطن پرستوں کی یہ شان ہے۔ اک آزاد حقیقی شاعر کا مسلح خطر انا پست ہو سکتا ہے۔ اک خواجہ آتش تھے کہ بادشاہ نے خلعت و نقادان کے مگر بھیجا اور شہزادوں کی تقریب شادی میں شرکت کی دعوت بھیجی۔ مگر خواجہ صاحب نے انکار الیسی کر دیا۔ کہ میری طرف سے بہت بہت حلیم عرض کرنا اور یہ کہنا کہ اگر میں شریک ہوتا تو کچھ فائدہ ضرور دیتا لہذا یہ میری طرف سے فائدہ تصور فرمائی جائے مگر میں ضروری سے مجبور ہوں۔ کہا یہ شان مرادبادی کیا وہ دربارداری۔

بائی دیر مسعود صاحب کیا کہوں خستہ السوس ہے کہ ملک کی قوت فیصلہ اور تیز نیک و بد کو حق و معطل دیکھ کر مجھے غالب کے کردار پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہی ورنہ مجھ سے غالب منظور سے قناعت و خاموشی کا کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ وہ انیسویں صدی کے۔ میں تیسری صدی تک میں کہتا ہوں اور کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ تعلیم یافتہ مگر انہوں کی بہ نسبت غالب کے کلمات شعری کی صحیح قدر نمایاں کا جو ہر فطرت نے مجھ میں زیادہ ودیت کیا ہے۔ شاعر کو "پہ حشیت شاعر" شاعر ہی سمجھ سکتا ہے۔ مگر ضرور۔ خاص غالب کے حلق اس قدر خچ حقیقتوں کا انکشاف اس لئے چاہئے سمجھتا ہوں کہ غالب پرست ذرا حقیقت کا مزہ بھی کچھ نہیں کیا میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ جو لوگ مجھے گارے ہو چکے ان کی حقیقی کرداریوں کو بکھانا خستہ کم عمری و مہارت کی دلیل ہے۔ کیا مجھ میں وہ کرداریاں نہیں ہیں جو انسان میں ہوتی ہیں مگر میں کیا کہوں۔ میں اسے ادبی خدمت سمجھ کر ضروری سمجھ کر کرتا ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ میری یہ تلخ لڑائی کسی خاموشانہ جذبے کے تحت ہے یا اس میں کوئی اصلاحی اسیرت پوشیدہ ہے۔ آپ غالب! انا ضرور سمجھتے ہوں گے کہ میری ان قلم قریروں کا قلم غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ سمجھتے مرادوں سے نہیں ہوتی زندگیوں سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس حقیقت پر غور کفنی چاہئے کہ میرزا غالب نے خود اپنے ہمنظر (مطلب قاصد برہان) پر نہایت خستہ لب و لہجہ میں تنبیہ کی ہے۔ مجھ سے زیادہ غالب پر خستہ لکھی یا بد اخلاقی کا اصرار کمپ سکتا ہے۔ دوسری وجہ میرے اس بے باک لب و لہجہ کی یہ بھی ہے کہ غالب پرستوں نے غالب کی مدح میں سہ سے زیادہ لٹو سے کام لیا ہے قلم اساتذہ اردو کا حق تلف کر کے غالب کو دے دیا ہے مگر میں نے غالب کا حق تلف نہیں کیا۔ ہاں کوری کوری دیا "جس کے قلم غالب نہیں ہیں بلکہ غالب پرست ہیں۔

یگانہ چنگیزی اور غالب

سید مصباح الدین عبد الرحمن

غالب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے جھنجھلا گئے دھولوں میں مرزا دلہا حسین یگانہ (۱۹۵۹ء) کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ 'عظیم آباد' کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں میوزیم اینڈنگلو عربک اسکول گزار باغ پٹن میں انٹرنس پاس ہوئے۔ ان کا خود بیان ہے کہ استاد المکرم خزانہ قرین بہت غایں پلورہ سوادا سید علی محمد صاحب شادی آفتوش میں تربیت پائی۔ شروع میں اس تھیں کرتے تھے۔ اس نے ایک عرصہ تک یاس عظیم آبادی کے نام سے چھپے رہے۔ ان کی شادی کھنڈ میں ہوئی تو یہیں غفل ہو گئے۔ یہاں مرزا انیس کے پوتے حضرت رشید رضا صاحب سے مشورہ غن کرنے لگے۔ اور اپنے کو یاس عظیم آبادی تم کھنڈی گئے۔ اس سے یگانہ ہو گئے۔ بھر یگانہ کے آگے علیہ السلام جو عادیہ 'بھر یگانہ چنگیزی ہو گئے۔ اپنی کتاب "غالب غن" کو چنگیز غاں کے نام سے ان الفاظ میں معنون کیا۔

"کتاب صبت باب 'دعائے جلال و عتاب و غیر فرا عذاب' دھن تعصب پر فن حق شناس 'باہل غن' مرزا سید ان 'گجروہ جن شمشادہنی آدم' 'مرآع سکھ روہم حضرت چنگیز غاں عظیم قراخ۔"

اپنی چنگیزیت میں خوش تھے کہ "وہ مار گھونوں کے دلوہ وصول لیتے ہیں" (غالب غن: ۳) کھنڈ کے شعرا کا "مٹی" 'وزیر' 'جاقب اور محمدرضا سے ان کی بڑی سحر کر آرائی ہوئی" انھوں نے ان کا بیانات کیا "تو اس کو وہ اپنی حق و کامرائی تھیں رہے" یہاں کہ لکھتے ہیں:-

"تمام شعرا نے کھنڈ عاجز آکر میرا بیانات کرنے پر مجبور ہوئے" سائے آناستہ دکھانا پھوڑوہ "وہ غور تو کیجئے" اس سے یہ سکر دلوہ کیا ہوگی "بیانات کا لفظ تو یہی ہے کہ روہدا ہوا دھن جب ہر طرف سے عاجز آجائے ہے "کوئی کات نہیں کر سکتا تو بیانات کے حربہ پر اتر آئے" (ص: ۴)

اپنی اس خود پرستی میں خوش تھے کہ "انھوں نے غوغا بیان کھنڈ کے سہ کیل دے باقی بارودی۔" (ص: ۱۳) لیکن اس دھوی کے بارود انھوں نے کھنڈ کے غوغا یوں سے پریشان بھی اٹھانا چاہی۔ وہ خودی لکھتے ہیں:-

"حضرت کو میں نے کھنڈ میں قربان کر ڈالا" کیا کیا کالیاں کالیاں "مقلات" کیا کیا بھری سلیں "کیا کیا ماری تھکان اٹھائے" گلی لگائی روزی "لورہ اختیار کی ملازمت پھوڑی..... آجکل اپنے دھن میں ساٹھ (۶۰) روپے کی ملازمت ایک صاحب الہ و مہال کے لئے جی جیتی چڑ ہے" ایسی ملازمت کو اپنی اصول پر حق کے سب ترک کر دینا چاہا "اس زمانہ میں (کہ شاموں کو کوئی پر پھتا تک نہیں "کیونکہ شامی ایک سدا بھی جاتی ہے" گئے ہیں کی شامی گویا اصل و خود سے باہل ہے گانہ ہے "دنیا کا کوئی کام کر ی نہیں سکتا) کوئی آسمان کام نہیں۔" (ص: ۱۴)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان بھگڑوں میں جن کو وہ آدھ کے مرتبہ کمال تک پہنچانے کی کوشش قصور کرتے رہے "ان کو

پر رب "پہنچ" اور "وہن" کے ٹکڑے کی طرح چاتے چارہ پڑا " یہاں تک کہ لادور کی کے و ہر اور ہو گئے۔

لیکن معلوم نہیں کس اصول اور ضمیر پرستی کی بناء پر اپنے شخص کے ساتھ علیہ السلام نکھنا شروع کیا " اور دوسروں سے اپنے کو (Aliving mind of the east) کہلایا " ان کے کلام کے مجموعہ آیات وجدانی کے شروع میں مرزا مراد بیگ شیرازی نے "معاشرات" لکھا ہے "اس میں غالباً" چاند ہی نے اس سے یہ لکھوایا "۔

"بیسویں صدی کے ریڈی اول تک بدوستان نے بھی افروز کمال چلی گئی تھی جن کے نام ایشیا کے خدوہان علی الاطلاق کی طرف سے آپ زور سے لکھے جائیں گے۔۔۔ اول دو (۲) شخصوں سے مراد مولانا شاہد اکبر آبادی؟ اور حضرت مرزا یگانہ گھنڈی المعروف بہ مرزا یگانہ یاس عظیم آبادی سے ہے " اور تیسری شخصیت سر سید راتھ ٹیکور کی ہے " بدوی کمال ہونے کے علاوہ بدوی زندگی اور شہرت حادہ کے اعتبار سے عارف معلول کا حساب بہت ہو سکتا۔ " (آیات وجدانی ص ۳۳)

یہ تحریر ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی " لیکن مرزا یگانہ کا الہام ان کی وفات سے پہلے ہوا " وہ باخبر ہیں جو لے نہ ہوں گے " وہ لادور کی سے چٹن چاکر گھنڈو دہلیس آئے تو ان کی دریدہ لادینی اور دھام طرازی اتنی بدھ گئی کہ وہ آخر میں شام رسول بھی ہو گئے " غالباً ۱۸۵۲ء کا سال تھا کہ ایک روز وہیں کے کچھ بچے لکھنؤ وارانسی نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا " وہ باہر آئے تو کسی ہمارے سے ان کو ایک گودھے پر بٹھاوا " بوقت کا بار پھٹا " ان کے منہ پر سیاہی لگا دی " ان پر تھکا " بازار میں گھملا " اور "شام رسول" لکھتے ہو " کے خوب لکھتے " وہ ایک زمانہ میں خوش تھے کہ انھوں نے نونا نیاں لکھنؤ کے منہ کھل دیکھے " بولتی باروی تھی لیکن ان ہی نونا نیاں نے ان کی آخری زندگی میں " ان کی بولتی باروی " اور شاید اسی فلم میں وہ ۱۸۵۹ء میں اس دلیا سے چل بیٹے۔

انکو یہ رسولی انکے خیال میں حق پرستی " فرض شامی اور اصول پرستی کی خاطر اٹھانی پڑی " ان کا دعویٰ رہا کہ انکی تحریک میں ضمیر مضروہی " لیکن اس تحریک سے وہ خود بہت ضرور ہو گئے " انھوں نے اپنے کو راہبر راتھ ٹیکور کی صف میں قرار دیا کہ ضرور کہلا کر دیا تھا " مگر ان کو احساس رہا کہ انکی وہ قدر نہیں ہوئی " ہو راہبر راتھ ٹیکور کی ہوئی دہی " اس لئے وہ اس یاس میں باقی رہ کر ہنگامہ پر آئے " اور گویا لوگ ان کو سزا " بدولی " پر بیان روزگار " آوارہ کوچہ و بازار سمجھتے رہے " لیکن وہ اپنے کو بیکانے زمانہ " شیردل " بہت کاوشی " سطر بلا دست اور نشہ کمال میں مست تصور کرتے رہے "۔

اسی نشہ کمال کی مستی میں غالب بھی کاہل الاطفا ہو گئے ان کے بارے مرزا مراد بیگ شیرازی نے ان کی زندگی ہی میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب طوابع آفتل کے خواتین میں اور غالب کے بھی جیسے معتقد تھے " مگر جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے حریف ہر غالب کے مزاج سے نا آشنا ہیں جھوٹ موت غالب کی تعریفیں کیا کرتے ہیں " اور طوطا طوطا طوطا آفتل کے منہ کیا کرتے ہیں " تو باخبر تھے ضرورتوں نے انھیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ غالب کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے یہیں سے غالب پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے " اور یہیں سے مرزا یاس کی خود پرستی کی بنیاد پڑی ہے " (آیات وجدانی ص ۱۲-۱۳)

وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس ادبی رجحان مرنے غالب پر کٹھ چٹنی لکھنؤ والوں کی فرعونیت کی سرکوبی کی خاطر کی (ص ۲۱) مگر لکھنؤ والوں کی "صاف اور فرعونیت" کے لئے غالب کو کٹھ مقلع جانا کہیں تک درست تھا؟ پھر اس سلسلہ میں انھوں نے ہیں (۲۰) سال تک (غالب لکھن ص ۱۵) بہت دلچسپ اختیار کیا " وہ کسی استاد فرزند " بیکانے زمانہ اور باکمال سطر کے نمایاں شان نہیں ہو سکتا " غالب کے خلاف ان کا پہلا مضمون غالباً ۱۸۷۵ء میں باپ ڈ کے ایک رسالہ خیال میں شائع ہوا " جس میں انھوں نے آفتل اور

عالم کی ایک فزول کا سوازد کر کے آفتل کی برقی ثابت کی ہے "یہ مضمون میری نظر سے نہیں گذرا" ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء کے علی گڑھ انگریز میں چاند کی طرز نوشتہ سوالی مری کا کچھ حصہ شائع ہوا تھا یہ خود نوشتہ سوا شعری ۱۹۱۳ء میں لکھی گئی "جو غالب" نامی دی اس پر انھوں نے غالب کے ایک شعر پر بحث ہی فصاحت تنقید کر کے آخر میں آفتل کا اونچا دکھایا ہے "اس تنقید کے کچھ حصے یہاں درج کرنے کے لائق ہیں" اگر اس طوالت پر آج سے قاعدتاً اس کو دلچسپ اور پر مضر کچھ کر صاف کریں "غالب کا ایک شعر ہے۔

رنگ بگٹہ مچ بہار نکلاہ ہے
یہ وقت ہے نکلتی گھٹائے ناز کا

چاند جو اس خود نوشتہ سوالی مری کے وقت یاس نے "لکھتے ہیں جناب صرت موہانی اس شعری شرح میں اس قدر کرتے ہیں کہ یہ شعریا ہی ہے جیسے غالب کا ایک دوسرا شعر ہے"

ہو کے عاشق وہ پری وہ اور نازک ہیں کیا
رنگ نکلتا چلتا ہے "بتا کہ اڑتا چلتا ہے

جناب صرت کے اس انتقادی داوی میں دی جا سکتی "غالب" جناب موصوف اس شعر کے اصل معنی کچھ نہ سمجھ سکے اور نہ کوئی دوسرے معنی پہنچنے کی کوشش کی "ایک دوسرا شعر نقل کر کے دل دیا ہے "مگر حیرت تو یہ ہے کہ شرح و تفسیر کے لئے یہ شعر نقل کیا گیا ہے "اس کی توصیت مضمون بالکل جداگانہ ہے" کیونکہ۔

ہو کے عاشق وہ پری وہ اور نازک ہیں کیا

یہاں پری دو یعنی عشوق کا خود عاشق ہو تا دکھایا گیا ہے "اور گھٹائے ناز، والے شعر میں عشوق کا عاشق ہونا نہیں بلکہ عاشق کے رنگ نکلتا ہو کچھ کر عشوق کا نواز ہونا ثابت ہوتا ہے "جناب صرت موہانی نے یہ شعر اس کی شرح میں نقل کیا ہے وہ مختصاً

مقام کے خلاف ہے"

صرت پر یہ تنقید کر کے یاس چاند اس شعری جو شرح مولانا سید حیدر علی طابا طیبی نے کی ہے اس کو نقل کرتے ہیں "اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں"

طبا طیبی: نگارہ اس کا یعنی عشوق کا موسم بہار ہے "اور اس کے نگارہ سے میرا (عاشق کا) رنگ اڑ جاتا ہے "طواریح مچ بہار ہے" پھولوں کے نکلنے کا وقت ہے "عرض یہ ہے کہ ہر وقت نگارہ منہ پر ہوا پناں اڑتے دیکھ کر وہ (عشوق) سرگرم ناز ہو گا "یعنی میرا رنگ اڑتا وہ مچ ہے جس میں گھٹائے ناز نکلتے ہوں گے"

یاس: اگر اس شعر کے یہی معنی لئے جائیں تو بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شعری بلاش ہے "اصلی ہے" بات وہ کہنی چاہیے کہ ہر کہنے کے قابل ہو "اور اس طرح کرنا چاہیے جو میں نہیں "وہ نہ عموماً ہی ہے" اس شعر کا اور اس کی شرح کا خلاصہ میں اتنا ہے کہ نگارہ جمال سے عاشق کا رنگ اڑتے دیکھ کر عشوق کو اپنے صحن پر ناز ہوتا ہے "اس بات کو صاف اور سچے ہوئے الفاظ میں جان کر مشکل نہ تھا "مگر غالب نے انداز بیان میں وہ سنجیدگی اختیار کی "یعنی رنگ اڑنے کو مچ سے استعارہ کرنا اور مچ کو ناز مچ بہار "اور بہار نہیں بہار نگارہ اور بہار اس مچ بہار نگارہ کے لئے پھولوں کا نکلتا "پھول کون سے گھٹائے ناز اور گھٹائے ناز کے لئے نکلتی تھی سی ناہوس لفظ (فانوس) یا قہار زبان (اور) جس سے حقیقیوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ آیا یہ شعر کسی دہی شاعر کا ہے یا

ہے مستحکم رہا یہاں تھکے گئے 'ہو انہوں نے اپنے محمود 'کلام زمانہ' (۱۹۳۷ء) اور پھر بعد میں غالب میں "غالب حلقہ" میں شائع کیں۔
ان میں سے کچھ رہائیاں یہ ہیں۔

دعاؤں کے یہ دور نہ دیکھے نہ سنے
دعاؤں کے یہ شور نہ دیکھے نہ سنے
پہنچے پہ چڑھانے کو چڑھانے جیہ مگر
غالب سے بچا پھر نہ دیکھے نہ سنے

غالب کو میر سے چڑھانے والے
پوروں کو ہائیں پہ چڑھانے والے
انہوں کو اپنے ساتھ لے آؤں گے
دعا کو قلم سنبھالنے والے

پگھلی ہو ہے اپنی رگ رگ میں رہا
مجھ سے ہو جئے تو من کی کھانا گے بچا
غالب کو بچا بچا کے پھوڑا میں نے
غالب میرے بچا میں غالب کا بچا

خزاں سے بڑے فرنگوں کے ہالے
مرزا کے گھر میں مروجوں کے ہالے
و اند گریباں میں منہ ڈال کے دیکھ
غالب کو وطن پرست کہنے والے

غالب بھی ہے و اند انوکھا صوفی
انگریز کے دربار کا بھوکا صوفی
چٹن ہو ہوئی بند تو بھوک نور کھلی
ہے ایسا کوئی جیسے کا بندہ صوفی

اند رہی ہوا و ہوس طعت و دور
مرزا کا سر ہے اور انگریز کا دور

ہاں کیوں نہ ہوں سورمکوں کے دیوتا غالب
ہے ہاتھ گھڑاں اونٹ بھی پر پیر

بعض دہائیوں تو ایسے ہیں کہ سنجیدہ قارئین کے ساتھ نقل نہیں کی جاسکتی ہیں "انہوں نے اپنی بڑی تحریروں میں بھی غالب کو برا بھلا کہنے میں غیر محدود انداز اختیار کیا ہے" پروفیسر مسعود حسن دہلوی کو ایک خط لکھا تو اس کو اپنی کتاب غالب فن میں بھی لکھ کر دیا ہے "اس میں وہ لکھتے ہیں:-

"غالب کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ ہندوستان کا ایک بلند خیال، وقت پسند شاعر جو بے اوقات اپنے اونٹ چٹانک قیدیت کی بھول حلیوں میں کم ہو جایا کرتا ہے" اور اس کے ساتھ یہ وہ بے گتے سرے کا ہے سرا بھی ہے "پرانا چور اور چور کے ساتھ گولا بھی ہے" مضمون پر اسے کو چراتا ہے "مگر نظم نہیں کر سکتا" تعریف کی قدرت نہیں دکتا "چوری کل جاتی ہے" زبان ایسی گوی کہ فحش مطلب کو شاعرانہ زبان میں ادا نہیں کر سکتا، ٹھوس کے تک بندی کر لیتا ہے۔" (ص ۳)

"غالب کی نظری شاعری کو بھی بھلی ذہنی حسن کمال پر عمل کر لے گی ہیں (ص ۳)
"غالب کو اردو زبان کا واحد واحد شاعر اس کے کام کو سراسر انسانی اور انجیل کہنا چاہیے لہذا وہ شرح نگاری کا واحد اختیار کرنا معقول ہی پر دیکھنا اولی تہارت ہے۔" (ص ۹)
"غالب شاعروں میں شاعر نہیںوں میں دیکھیں "درباروں میں درباری" مولیوں میں مولی" دعووں میں دعوہ"
لاسلوہوں میں علامتہ سپاہیوں میں سپاہی "وطن پرستوں میں وطن پرست" آخر یہ ہے کیا کہ اس۔" (ص ۱۶)
"غالب کا قلم کیا ہے؟" اس کے کہ مرزا بیگل "مرزا صاحب و قلمبر کے یہاں سے چند فلسفیانہ لکھتے اڑا لیتا ہے اور بس۔" (ص ۱۹)

ان جملوں کے ساتھ ان کے قلم سے غالب کے کام کے لئے کچھ قرعائی کلمات بھی نقل کئے ہیں "جن کی خبر شاید ان کو نہ ہوئی ہو" وہ پہلے تو یہ لکھتے ہیں کہ "غالب کی شاعرانہ چوری اور بھٹی کے علاوہ ایک بڑا نقص یہ بھی تھا کہ وہ اپنے فطری جوہر اور اپنی اپنی دماغی استعداد کا صحیح مصرف نہ لے سکے" ان جملوں میں کم از کم غالب کے فطری جوہر اور اپنی دماغی استعداد کا اعتراف تو کیا کیا؟ غالب کی شاعری کا بارہ کسی نہ کسی طرح سر پر چڑھ کر لایا ہی رہتا ہے "اسی کے بعد وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ کون حوالی اور شعرا نے ہاں ہی کے ہاں ہی غالب کی ذہنی کا پختہ حصہ حیرانی و سرکشگی میں گزار دیا؟ آج وہ مرزا جمال امیر کے مقلد ہیں تو کل شوکت ظارانی کے، کبھی مرنی کی نقلی کرتے ہیں۔ کبھی نظیری کی، کبھی بیگل کا پیالہ چاہتے ہیں۔ کبھی صاحب کا کبھی کسی کا کبھی کسی کا یہ شعرا ان کے کون کی چٹلی کھاتا ہے۔

چلو ہوں قہوڑی دہر ہر اک داجہد کے ساتھ

بکھانا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اس کے بعد ان کے قرعائی کلمات یہ ہیں کہ "خدا بھلا کرے کچھ بچوں کا جن کے خدا سے شک آ کر انہر میں میر جتنی میر کو اپنا امام بنانا" جب کہیں راہ راست پر آئے "چنانچہ اپنے مکتوب میں خود اس کا اقرار کیا ہے کہ میں تو میر کے رنگ میں در آتا اور سو من قال اپنی راہ چل چڑے" وہی آخر کا کام جو میر کی تقلید اور اپنے واردات قلبی کے تحت کیا گیا ہے "غالب کی شاعری کی جان

اور اردو لٹریچر کا سرمایہ بنا ہے۔" (ص ۲۱)

پاکستان کے لوگ جو کہہ گئے ہیں "اس کتاب و لہر شائق اور مذہب ہو تا تو ممکن ہے ان کی باتیں قوم سے سنی جائیں" ان کی رہائشیں اور اس قسم کی تیزی تحریریں شائع ہو گئیں "تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دماغ کا قیام درست نہیں" وہ ان کو جواب دیتے کہ دماغ قیام صحیح ہے کہ دور سے چٹپٹے بیٹے ایک دور ہی چمکنے والی خزاؤں ٹکڑوں کو سڑی جا کر جاسے سے باہر کر دے (ص ۲۹) اور اگر کوئی یہ کہتا کہ وہ یہ سب شہرت طلبی کے لئے لکھتے ہیں تو ان کو یہ جواب دیتے کہ کہ مرزا چاند کو وہ شخص ہیں کہ حصول شہرت و شہرت ہر طرح کی ذکاوت پر مرزا اپنی کوشش میں جھکیں سال سے مسلسل تصانیف لکھا رہے ہیں دونوں باتوں سے اپنے اعزاز و وقار کو لاتے رہتے ہیں "دوستوں کو بھی دشمن بنالینا ان کا دلچسپ مہلک ہے (ص ۲۷) وہ غالب فنی کو اپنی خدمت سمجھتے رہے "جیسا کہ لکھتے ہیں "غالب کی شہنشاہی میری حراست رہائشیں اور غالب جن کی افغانیاں بظاہر اپنی مصیبت تھی "مگر وہ دینی دور نہیں چاہتے تھے مصیبت ایک اولیٰ خدمت ثابت ہو کر رہے کی یہ دعویٰ انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء کے ایک مکتوب میں کیا تھا جس کو لکھے ہوئے ۳۰ سال ہو گئے اس درمیان میں غالب فنی کیا ہوئی کہ غالب پر سنی کا سیلاب آکا جو حاکم مرزا چاند کا رشتہ غالب فنی اس سیلاب میں شہر و خاشاک کی طرح بہتا نظر آتا ہے۔

غالب پر سرقہ کا الزام: انہوں نے اپنے اس رسالہ میں غالب پر چاروں اور غلیوں کے اہل افغانیت رکھے ہیں جس میں غالب و لہر میں ان کو پیش کیا ہے "اس کے حقائق لکھتے ہیں کہ کیا واقعی وہ غالب کی شہنشاہی میں محتاجی مقصود ہے "لیکن میں ایسا سزا نہیں کہ مردوں پر ظلم ہماروں وہ اس دنیا میں نہ ہو "میری آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی "تو یہ طعن زنی کوئی مردانگی نہیں "اصل دعا آگئی ہو گی" ہیں غالب کے دل چاہے ہو غالب کو ایک آہستہ دی جا کر پیش کیا کرتے ہیں "ان کی بجلی ہوئی ذہنوں کو ہم کے دور سے نکل والی ایک اولیٰ فرض ہے۔" (ص ۲۹) اس تحریر سے ظاہر تو یہی مراد ہے کہ وہ غالب کے خلاف نہ تھے "بلکہ غالب کے دل چاہے کو ہم کے دور سے پکڑنا چاہتے تھے "بہت ہم کا دور ہی دکھانا مقصود ہے تو اعتراضات کا جواب دینا بھی بیکار ہو گا "لیکن اس رسالہ کی اہمیت سے پہلے تو کچھ اولیٰ لکھل بھول ہوئی "پھر وہ بھی لیکن ہر بعض سطروں میں کچھ غلط نہیں ہے "ابھی کی ہیں اس لئے ان کا ازالہ ہو جائے تو اچھا ہے۔

پاکستان کے کل اعلان اشعار کو خود مشق بنانے کی کوشش کی ہے "نہت حیدر" میں ایک ہزار چار سو اعلیٰ اشعار ہیں "ان میں صرف اعلان اشعار کو چاروں اور غلیں ثابت کر کے چاروں ان پر پانی پھیرنا تو اچھی ہے "پھر بھی اعلان اشعار میں چاروں اشعار پر خود ہم دکھانے میں پاکستان پر تعریف کر گئے ہیں "اس کا خلاصہ ان کی نگاہ اور بار بار باتوں کو حذف کر کے اس طرح چلی کیا جا سکتا ہے۔

(۱) غالب:

چاہتا ہوں کتب فہم دل میں سخی ہجو
لیکن یہی کر۔ رفتہ گیا اور بودا تھا
مرئی

مشق ی کو کم د ی کریم دار
غزل تاوانم و اول سخی است
پاکستان: شہر اکرم سوسہ میں تو اور دیکھ لی نہیں ہے۔

(۲) غالب:

محرم نہیں ہے تو ہے تو اپنے راز کا
ہاں روند ہو جواب ہے ہر وہ ہے ساز کا
صائب:

ورج پر وہ نیست جا شد تو عالم پر است از تو و خلایق سے جانے تو
یگانہ: مطلع نہایت پاکیزہ و روشن 'سالی' کے الفاظ سے بہت بلند 'انداز جان' کے اعتبار سے بھی بے عیب ہے 'مگر اسے
اور بچل کہتا ہوں ہو گی' پر ناقص ہے جسے صائب نے نہایت سفاکی سے اردو میں جان کر دیا ہے۔

(۳) صائب:

دوست نزاری میں میری سہی فرامی کے کیا
دلہ کے بھرنے تک نائن نہ چہ آئیں کے کیا
معلوم:

لغت و دور ہر دار میں گرفت
نائن دوم ہے دلہ اگر یہ خون گرفت
یگانہ: صاف ظاہر ہے کہ صائب نے اس کی نقل اتوری ہے 'مگر کاسپانی کے ساتھ' نائن چہ آنے کا استعارہ نہایت دلچ ہے۔

(۴) صائب:

اسد بھل ہے کس انداز کا قتل ہے کتا ہے
تو حق باز کر خون دو عالم میری گردن ہے
حزین:

چہ لغت ہو از قتل حزین لیم کسل را
کہ دو خون ی تپید آفری ی مکت بدوش
یگانہ: چارہ شعر ہے 'مگر خیال حزین کے ایک شعر سے پیدا ہوا ہے' جسے ترقی دے کر صائب نے نقل کو اصل سے بدھا دیا

ہے:

(۵) صائب:

تو خود سے ہے خورشید کا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک حمایت کی نظر ہونے تک
حزین:

کراں جان تو دشمن نیست جان بخوان میں
اگر ی بود ہامن رو سے گری آتش را
یگانہ: دوسرا مصرع لکھا چارہ ہے 'مگر پر تو خورشید کی جگہ پر تو خود اردو میں لکھا برا معلوم ہوتا ہے' 'ختم و خورشید کا مضمون

نہایت ہلکا ہے۔

(۶) صائب:

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو
یہ دگ کیوں سرے دلم بکر کو دیکھتے ہیں
حزین:

ہر کس کہ دلم کاری مارا نظار کرد
بہتر دست و بازو اور اوکا کند
یگانہ: شعر اگرچہ اور بچل نہیں ہے 'مگر اصل سے بدھا گیا ہے۔

(۷) صائب:

سب تھیں کچھ باز و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا سوراخیں ہوں گی کہ پانی نہ آسکیں

خبر:

اسے کئی چوتھی زخمی گولی نہ آئی تھی دوسے ہا کہ دوسرے گرو کا شہرہ
یگانہ: خوب شعر ہے مگر اور بیکل میں ہے "ایمر خسرو کے شعر میں جی قابلیت سے تصرف کیا ہیں۔

(۸) غالب:

ان کے دیکھے ہو آ جاتی ہیں منہ پر روتی وہ گھٹتے ہیں کہ ہمارا حال اچھا ہے
سہنی:

بارہوں کی رسم آسودہ ی شوم ازدار عجب حال مرا وقت ہے قاری حنف
یگانہ: غالب کا یہ شعر نہایت نکل ہے "سہنی نے میں مثلاً کو قلم بند کیا ہے "غالب نے اسی کو کمال شعریت کے مرتبہ پر
پہنچا دیا۔

(۹) غالب:

بست دلوں میں تھاقفل نے تیرے پیر کی وہ اک گد جو ہمارا تار سے کم ہے
غوری:

تو نظر بازائی درد تھاقفل گد است تو زبان قسم ہی درد لہوئی غنی است
یگانہ: نہایت لطیف شعر ہے "مگر تھاقفل میں تار کا پلا جانا" ہا "مضمون ہے"

(۱۰) غالب:

خوش ہوتے ہیں پر وصل پہ ہوں مر نہیں جاتے آئی شب ہزاروں کی قہار سے آگے
یگانہ:

نہایت آواز شعر مسموم ہوا ہے شب بھر میں موت کی دھامکا کرتے تھے "قسمت کی حم قرعہ دیکھنے کہ وہی دعا آگے آئی"
شب وصل میں شادی مرگ ہوئی ہے "غالب کے ہنسیے مایہ ناز اشعار میں مرتبہ ثابت ہو چکا ہیں اس وجہ سے بدگمانی ہوئی ہے کہ یہ
کئی کہیں پہ لایا ہوا نہ ہو"

(۱۱) غالب:

لکنا خط سے آدم کا سچے قلمے ہیں لیکن بست ہے آہو ہو کہ تو سے کہہ سے ہم گئے
عاقل غلام رازی:

نہ مرا کہ درایت از سر کوئے تو جدا اہل میں حاکم بہ آدم و عوا برکت
یگانہ: شعر اپنی جدوں میں چرا ہے زبان زور خاص و عام ہے مگر پہ لایا ہوا ہے۔

(۱۲) غالب:

غالب! زبان پہ بار خدا کا ہے کس کا نام آیا کہ میرے نقل نے سے مرئی زبان کے لیے
مسموم! زہی نام چتر کس زبان را ہاں ہوسر دا سر زبان را
یگانہ: خوب شعر ہے "مگر اور بیکل میں ہے کہنے والا پہلے کہ گیا ہے۔

(۳۳) غالب:

یہ فتنہ آدمی کی طاعت و ربانی کو کیا کم ہے ہونے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسمان کیوں ہو
جمال الدین اسلمانی:

اں را کہ قوی ہارچہ ہے یار کس صفت دہن را کہ قوی دوست چہ دشمن کام صفت
یگانہ: دادہ مرزا غالب کا یہ شعر اتنا قیامت بخیز ہے کہ جس کا جواب نہیں۔

ہم غلی غم میں غالب کے طرفدار ہیں

عمر مطلب صرف دہن شعر ہے 'وہ دونوں جگہ دادہ ہے' غالب نے بھی وہی کہا ہے 'مگر پہلے مصرع میں دوست کی فتنہ
انگریزی کی طرف اشارہ کرنے کے شعر کا بہت قوی دلی ہیں۔

(۳۴) غالب:

اور بازار سے لے آئے اگر لوٹ گیا جام تم سے یہ مرا جام سطل اچھا ہے
یگانہ: شعر بھائے خود کھل ہے 'جام جم پر جام سطلی کی ترجیح نہایت لطیف ہے' خدا کرے یہ شعر غالب ہی کا ہو 'کسی کی
نقل نہ ہو۔

اور غالب اور فارسی شعرا کے اشعار غور سے پڑھے جائیں تو ان میں بعض تو بہت زیادہ حمد العالیٰ نہیں ہیں 'جن سے سرقہ
کا التزام تاکہ ہو اس کے باوجود وہ اگر پانچواں اور دہن ہیں' سطلی کے لحاظ سے بہت بلند ہیں 'انداز بیان کے اعتبار سے بے عیب ہیں'
نہایت شیوا ہیں 'بانگے ہیں' 'یار سے ہیں' 'اصل سے ہونے ہیں' 'خوب ہیں' 'نہایت کھل ہیں' 'نہایت لطیف ہیں' 'آزاد ہیں' 'قیامت
بخیز ہیں' 'تو یہ کسی ساری شاعر کا کارنامہ نہیں ہو سکتا ہے' یہ دو تو ایک قادر الکلام شاعر اپنی صراحت ہی کی بدولت حاصل کر سکتا ہے'
جانی نے اپنی مشہور تصنیف ہمارے حسان میں سلطان سادہ کی ذکر میں لکھا ہے:

"سلطان سادہ کی رحمت اہ طبع ایک فصیح شاعر اور بلیغ سخن گو ہیں ہمارے کی سلاست اور استعارات کی وقت
میں ہے ٹھیک ہیں" ان کے قصائد استادوں کے جواب میں ہیں "ان میں سے بعض اصل سے خوب تر اور بعض
برابر ہیں" ان کے یہاں مخصوص معانی بہت ہیں اور اپنے اشعار میں بہت سے معانی استادوں خصوصاً "کمال
اصلی" سے اے اور لگے ہیں "لیکن وہ بظاہر خوب تر ہیں اور اسلوب میں مرغوب تر ہو گئے ہیں" اس لیے وہ صحت و
طاعت کے قائل نہیں۔" (ہمارے حسان ص ۸۲)

اسی کے بعد وہ ہمیں اشعار لکھتے ہیں 'جن میں سے ایک یہ ہے:

بہر بہت ہیج کہ کسی غزل ہنسی ز دہش بدو آرد و در واطلس را کسوں پر شہد
اسی شعر کے 'تی کے لہو سے اگر غالب نے کسی خیال کو لے کر اس کو اپنے خوب تر اسلوب اور مرغوب تر طرز ادا سے
دریغ واطلس کا صحت بنادیا ہے 'تو وہ طوکے بھائے داد کے مستحق ہیں 'نظام علی آزاد بکرائی نے بھی (ماثر الکلام جلد دوم ص ۷۷)
ہائی کی ہمارے حسان سے مذکورہ بالا صراحت نقل کی ہے 'اور چاہی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے صوبہ دہلی شعر لکھا ہے:

شاہد سخن کہ اشہر ہمارے ظلمتیں کسوں کھو دانے مگر حیرت ناز پر شاہد غزل است
اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی شاہد سخن کو اس پر اسے چاہے کے بھائے کوئی کھو داں یا حیرت کا لباس پہنا دے تو یہ غزل ہے'

آواز بکرائی نہ یہ بھی لکھا ہے کہ عطاء کا قافی ہے کہ اگر کسی شاعر کا شعر پہلے کسی شاعر کے مضمون سے طاقت میں رہا ہو اسے تو یہ محسوس ہے اور اگر لکھنا ہے تو یہ مذہم ہے اور اگر برابر ہے تو پہلے کی لطیفیت اپنی جگہ پر درست ہونے کے باوجود دوسرے کا شعر خدمت کا مستحق نہیں، بشرطیکہ کہ اس وقت نہ ہو (ماثر اکرام ص ۷۷)

اب ۱۵۷ اشعار میں سے مذکورہ بالا اشعار نکال دیئے جائیں تو پھر ان میں سے دس اشعار کی خدمت یگانہ نے جن الفاظ میں کی ہے ان کو تو پھر سرود کہنا غلط ہو گا یہ اشعار ان کی رائے کے سامنے کے ساتھ یہ ہیں:

(۱) غالب:

بہر سحر مرغوب بہت مشکل پسند آیا تاشائے چ یک کف بردن صد دل پسند گزینا صاحب:

دگر سحر شادیاں بھرا محمد اورد کہ صد سراسرست چ یک حلقہ و کنگہ اسبنا یگانہ: غالب کا شعر لطیفیت دلیل ہے، 'فحوش فحاش کے سوا کچھ نہیں' اردو میں چ یک کف بردن صد دل خاص دلجو کی زبان ہے، 'جو شعر کا انتخاب وہ کرتا ہے اور ایسا عجیب الکلفت ہے کہ تو یہ ہی تو ہے۔'

(۲) غالب:

تسے وعدہ پر سچا ہم تو یہ جان بھوت ہانا کہ غرضی سے مراد ہاتھ اگر اعتبار ہوتا بیانی:

ہم از وفا دار بہ وعدہ کہ من از لول وعدہ تو فردا کی رسم یگانہ: غالب کا شعر بظاہر ان کی رسم کی شان طاقت کو نہیں پہنچ سکا، اس کے علاوہ بیانی کے شعر میں ہم از وعدہ دار کے فقرہ سے جو معنوی طور پر اسلاف ہو گیا ہو وعدہ لینے کے حلق میں مضمون کو جس طرح ابھارا ہے، آواز کیا ہے، اس مضمون کا غالب کے شعر میں چانک نہیں۔

(۳) غالب:

لم اگرچہ ہاں غسل ہے چ بھی کما کہ دل ہے لم عشق اگر نہ ہوتا لم روزگار ہوتا معنی:

لم تجھے است ضرورتی لاز ہواں عشق اسے ازل روزگار لم روزگار ہیست یگانہ: معنی کے شعر کی بلندی کو غالب نہ پہنچ سکے۔

(۴) غالب:

میں اور ہم سے سے ہوں تھکے کام آؤں کر میں نے کی حتی تو یہ ساقی کو کیا ہوا تھا فریبی:

چہ شد از تو بہ دے کردہ ام اسے سرود کسی پیش ابہ گرم جو مطلق نہیں ہر پسند یگانہ: غالب کا شعر کوئی شعر نہیں ہے، کام سونڈوں ہے۔

(۵) غالب:

ہم کوئی نے نہ پایا اسے سرگرم فرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ جریں سجا
بدل:

جاد اہم نگاہ سخن بازی فی خواہم
کہ ی قسم عرق بر لب بندہ چم غدا سے
یگانہ: نگاہ کا شعر نہایت ناقص ہے کات کے پیچھے دینے کے قابل۔

(۶) نگاہ:

میں نے بھوں پہ لڑکیں میں اسد
نگاہ اٹھایا تھا کہ سر ہار آنا
مستوم:

وہ ایام بھوں پر سر میں ہار و رنگ
کو دیکھ رہا چو ز نگاہ کے آزاد کند
یگانہ: نگاہ کا شعر بھٹا مشہور ہے "اسی مصل ہے مصلحت کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ ایک شارح کہہ کتا ہے دوسرا کہہ کتا
ہے کوئی ایک مرکز خیال قائم ہی نہیں رہتا۔

(۷) نگاہ:

ہم کہاں کے داتا تھے کس بحر میں بیکتا تھے
بے سبب ہوا نگاہ دھن آسمان اپنا
خیام:

گر بیکل تو رہا ہے فرد ناقص است
من نیز چہاں ال فرد مستقیم
یگانہ: یہ کہ یہ مضمون ماضی اور وہ ہے اس لیے نگاہ کے اس شعر پر قادر کا حکم لگانا زیادہ صحیح ہے۔

(۸) نگاہ:

حریف مطلب مشکل نہیں لہوں نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ ہر شعر درواز
شیدا:

تکلیف دعا حریف تو تحصیل حاصل است
بہ نظر کی سگفت کہ عورت درواز ہوا
یگانہ: نگاہ کا شعر در کتب ہے لیکن گو کہ وہ مدعا ہی کر رہا گیا۔

(۹) نگاہ:

تھے نصیب ہو روز ہوا میرا سا
وہ شخص دن نہ کے رات کو تو کیونکر ہو
مٹی:

ز فردغ آلام نہ ہو خبر کہ ہے تو
چہ دوزخ تست یکساں شب و درم الا بیاض
یگانہ: نگاہ کا یہ شعر بے معنی اور مصل ہے۔

(۱۰) نگاہ:

بلا بحر میں تھا ایک دل ایک قطرہ ٹوں وہ بھی
سو رہتا ہے ہواز یکدن سرگوں وہ بھی
نصرت بحر حال:

دعا کہ مائدہ است ز دل تقوہ خوئے

آں تھوہ ہم از دست تو لہوہ بکین
 پانہ : غالب کے شعری انداز میں یہی کہی ہے کہ فرط پندار چاہو تو زبان الہی ہے 'یہ شعر ناقص الکلیت' کائنات کے
 پیچھے کے قابل قرار۔

اوپر یہ دعویٰ ہے کہ غالب نے صاحب 'جانی' عربی 'حزین' خیام اور شیدا و فیض کے اشعار سے پوری کی ہے 'بب غالب
 کے اشعار ان کے ہستادوں کے نزدیک تو نہیں' لیکن پانہ کے خیال میں ذیل بعد سے 'عجب الکلیت' 'مصلح گو کہ دھند' 'پس پے
 لولائے کے پیچھے کے قابل ہیں' تو ان کو نقل کیسے کسی جا سکتی ہے 'پوری تو بب ہوئی کہ نہ کورہ جانا اساتذہ کے مقابلہ کے اشعار ہو
 جاتے۔

کیا سرق کا الزام صحیح ہے؟ غالب کے ان تمام اشعار پر سرق کا الزام دیکھا صحیح نہیں ہو گا کیونکہ اگر ان کے معانی و مطالب
 پر غور کیا جائے تو ان میں بہت کم فرق ضرور نظر آئے گا اس کے علاوہ یہ اصل بھی بات نہیں کہ غالب نے اپنی عبارت فن کے
 ارتقائی مدارج طے کرنے میں بیدل 'حزین' عربی 'نظیری' غموری اور میر کا رنگ اختیار کیا گفتمہ صفات میں یہ ذکر آچکا ہے کہ وہ
 دوش مرزا بیدل نے فارسی زبان میں اختیار کی تھی غرض یہ غالب نے پنا اختیار کیا لیکن میر اس رنگ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

مرزا بیدل میں رہتے تھنا اسد اللہ عالی قیامت ہے

اس لیے بیدل کے رنگ میں غالب کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کے مطلق یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ان کے ابتدائی دور کی
 شاعری میں بیدل کے رنگ کے اشعار بھی ہیں 'حزین' کا حلیہ میں ان کے فارسی اور اردو دووں میں اشعار ملتے ہیں 'سومیں
 جان کا تو خیال یہ خاکہ ہم کسی طرح غالب کو ملے 'حزین' سے کم نہیں سمجھتے پہلے ذکر آچکا ہے کہ غالب نے اپنی فارسی شاعری کا تجربہ کر
 کے یہ بتا دیا ہے کہ 'شیخ علی 'حزین' نے مسکرا کر میری ہے رلو دوی تم کو بتائی' غالب 'آملی' خود عربی شیرازی کی غضب آنسو نگاہ نے
 آوارہ خود مطلق العنان بھرنے کا بار ہو تم میں تھا' اس کو خاکہ دیا 'غموری نے کام کی گیلانی سے عرسہ بازوہ توین اور میری کرے
 زانوہ بادہ حال اور نظیری نے اس خاص روش پر چلانا سکھایا۔

یہی باتیں وہ اپنے فارسی اشعار میں مختلف طریقوں سے کہتے رہے۔

وہ عربی کا ہر بار حوالہ دیتے ہیں

چوں باز خن از مرصعہ دور بخواب
 کافہ غالب چو نیست پس ز عربی کر من فرہنگ بودے چہ نئے
 کہتے ہیں عربی کی کیفیت غالب ہی کے یہاں ملے گی 'دوسروں کے یہاں یہ بادہ شیراز نہ ملے گا۔

کیفیت عربی طلب از طینت غالب جام دگراں بادہ شیراز نہ دارد
 ایک جگہ تو شاعرانہ حق میں عربی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا ہے۔

لو جنت جنت غالب و سومیں دست دست ام عربی کے سمت ایک نہ چوں من وریں چہ بحث
 غموری کا ذکر بھی مست کیا ہے 'ایک جگہ تو کہتے ہیں کہ غموری ان کی رنگ جہاں میں کر رہے ہیں۔

ہ علم و سحر موداد غموری زدم ام غالب رنگ جہاں کردہ ام شیرازہ لوراق کتابیں خرا
 اس کی جہود جانی کے فیض کا بھی اعتراف کیا ہے۔

طالع ہم زمین انجہ غموری و اتم غالب

اگر چہ جاناں راز میں رہا ہے

اور یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ غصہ و نفق اور قسطنطنیہ کی وجہ سے زندہ ہے۔

غالب از سبب شیعہ نقی غصہ و نفق از قسطنطنیہ ساز جانی کدہ ام

غالب از ادراک ما نقی غصہ و نفق سرس جریث کجیہ دیدہ بدین دہم
نور بن لوگوں نے ان پر طر کیا تھا کہ وہ غصہ و نفق کے ذل رہا ہیں، ان کو یہ کہہ کر جواب دیا:

دلہ بردار غصہ و نفق باش غالب بھٹ پیست درختی درویشی بلیدہ دکان داری
ان کو اس کا بھی دھوکہ دیا کہ ان کا کلام نظیری کے رنگ کا نہ ہو سکا۔

غالب دکان دار کہ خود گنت نظیری در کلام با بدایہ سرخوش کمرہ
غالب نظیری کے رنگ کے لیے دیتے ہیں تو کہتے ہیں:

اسے ساختہ غالب از نظیری ہفتا ہاے گوہر آور
اور جب نظیری کے رنگ میں کوئی غزل کہہ دیتے تو اس پر یہ کہہ کر ٹھاکر کرتے۔

بلہ آہ گنتہ غالب روش نظیری از تو سرور امیں نقی غزل رہا سلطہ ناز کردی
اگر غالب کے فارسی دہان کی چھان میں کی جائے تو اس میں ان اساتذہ کے قوانین اور ردیف میں غالب کی سمت ہی حوازی

نظیریں اور تضاد ملے گے۔

غالب کے بیانات اور اعتراضات کے بعد ان پر یہ کہاں التزام آتا ہے کہ وہ اساتذہ فن کے اشعار کے چور تھے، وہ تو خود کہتے

ہیں کہ وہ ان سے استفادہ کر کے ان کے رنگ میں اشعار کہتے رہے، اور شاعرانہ ہے رادہ روی، آوارگی اور مطلق انسانی کے بھائے

ان ہی کی بدولت گہرائی اور خاص روش پیدا کی، لیکن مرزا یگانہ غالب کے اس اعتراف کو یہ رنگ دیتے ہیں کہ وہ اپنی تھون مزاجی،

شاعرانہ ہولوسی اور سرکش میں کئی مرزا جمال کے مقصد رہے، کئی شرکت بخارانی کے کبھی عربی کے شکل کرتے رہے، کبھی نظیری

کی اور کبھی بیدل کا چل چلتے اور کبھی صاحب کا جس کو یگانہ غالب کی تھون مزاجی، شاعرانہ ہولوسی، حیرانی اور سرکش میں پر تحول

کرتے ہیں، وہ دراصل ایک بے قرار ذہن، ایک مضطرب شاعرانہ معجزیت کی حیرانی اور سرکش تھی، جن کی بدولت انہوں نے بکاہ

سے نہ سس، لیکن اردوں سے یہ وہ حاصل کر لی کہ انہوں نے اپنی طرانی فکر سے کھنکھ کاہ رنگ اور دلچسپی میں سے ملو کہ فکر رنگ

جادو، انہوں نے اپنے لہجہ الہی دور میں نہ صرف بیدل، حسی، نظیری، غصہ و نفق، غالب آملی، صاحب، شرکت بخارانی، اسیر، نقی، ناصر

ملی، اور بلخ کے اثرات قبول کئے، بلکہ میر، سدا اور ورد کی لہجوں پر بھی غزلیں کہیں، یہ ان کی کھلی یا چوری کبھی ہائے، لیکن

اساتذہ کے رنگ میں رنگنے کے بعد انہوں نے اپنا جو الطراوی رنگ پیدا کیا، وہ اردو شاعری کے لیے بیش قیمت سرمایہ بن گیا، خود یگانہ

کو اعتراف ہے کہ غالب کے آخر مرزا کا کلام نہ صرف صریح تھید اور اپنے واردات تھیں کے تحت کا گیا ہے، وہ نہ صرف ان کی شاعری کی

جان ہے، بلکہ اردو لہجہ کا سرمایہ ہمارے (ص ۲۱) لیکن یہ کہا بھی چھی نہیں کہ ان کے آخر مرزا کا کلام سراسر میر کے رنگ کا ہے، میر

سے رنگ میں انہوں نے کچھ دلوں تک کچھ اشعار غرور کے لیکن اس کے بعد ان کا جو انفرادی رنگ قائم ہوا، اس کے رنگ میں

انہوں نے ایسے اشعار کے جن میں سے بعض اشعار کو یگانہ بھی پاکیزہ، روش بلکہ، بے عیب، بلبل، ہائے پیارے، لطیف ناز، نعل اور

قیامت نظر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

عالم کے فارسی شعراء کے اہراج اور تنقید کا دور فتح ہوا تو ایران کا ہر استاد رنگ بچ ادب اس کے حلقہ سے کہتے ہیں:
 نظم و نثر خوش انگیزی کہ ی باہ بخواد اسے کہ ی پی کہ غالب در سخن بیکسوست بہت
 اور یہی وہ اپنی اردو شاعری کے حلقہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی زندگی میں بھی ان پر سرقہ کا الزام رکھا گیا ایک قلم سے پہلے
 تو اپنے حاسدوں کو طالب کر کے یہ کہتے ہیں:

مگر ان شعر میں ہاں ناگوئی حاسد کہیں قیاس از ہر شئی سلطان تارے بودہ است
 رنگ از کار شای نیز دواں مایہ است کامل ہند رنگ کلں راہم ہواڑے بودہ است
 اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی شاعری بڑا مضمون پر مشتمل ہے 'یو اہل ذوق کے نزدیک شعر سے بھی بھر ہے' اگر کہیں
 تارہ ہو کیا ہے تو اس سے ان کی قزل کی آرا کل فتح میں ہو سکتی ہے 'دوسروں کے لیے تو کسی اور شاعر کے خیال کی بندی تک
 پہنچا کر ہی بات ہو گی' لیکن ان کے لیے یہ رنگ ہے اور پھر یہ کہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کے شعر میں تارہ ہے اب کیا ہو تو اس
 کا چاری نہ سمجھا جائے بلکہ ان کے زمانہ اول میں ہو چہ پوشیدہ تھی اس کو دوسروں نے خود چاہا ہے۔

ہواڑے مستی سروش خاص نعلی من است کہ اہل ذوق دل و کوئی از فعل برداشت
 درخشان بیکسو کہ قاروم رو دواں ہواں کہ کوئی آرا کل سخن دوست
 مراست لک و لے فقر دوست کلں بہ سخن پسعی تھر رہا ہا ہواں گل دوست
 ہر کلں قارو نہیں شایں کہ دواں حلقہ من زمانہ اول دوست
 ان کے ایک اور قلم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں سرقہ کا عام تھا بلکہ خود ان کے احوال کے خیالات کی چوری
 ہوتی کہتے ہیں کہ ان کل شاعر کی زبان پر گزشتہ اور موجودہ دور کے شاعروں کے خیالات ہوتے ہیں اور ان پر اس طرح غارت کرتے
 ہیں کہ جیسے یہ قلم ان کے اصلی خیالات ہیں اور چہ غور وہ ان خیالات کو کوئی سے ادا کر نہیں پاتے اس لیے وہ اندرونی طور پر خوف
 زدہ رہتے ہیں اور میں ان کی چوری سے واقف ہو جاتا ہوں کہ دوسرے ان کی طرح کوئی کرتے ہیں غالب پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ
 شاعری کوئی یک یا تنگ تو نہیں جس پر کسی خاص آدمی کا دھچکا یا مر یا نام ہو یہ ایک نوٹ ہے کہ جس کے ہاتھ میں آجائے اسی کی
 ملکیت ہے۔

عالم دریں زمان ہر کس کہ داری مضمون غیر و فکر خوش چ زبان دوست
 زینا مایہ از کہا بہ ہند نظر مشی سچ شایں کہ بود راگان دوست
 کس راز دست بود خیالں ہاست بہت کہ چلی از گزشتہ و کردہ زبان دوست
 مضمون ہر کرا خوش ہواں کہ ہواڑے کوئی بہ ہم اہل سخن زمانہ دوست
 امام کہ حسن ہوا تا رسیدہ است ی روز راز نہب دلم راز دہن دوست
 جو من کے ہواڑے خفی دانی رسد کہ خوش ہواں کہ اچھے طرح خوں دوست
 آدے نہ چک بود نہ تنگ زہر کہ بہت نے دھچکا و نہ مر نا نام و لیکن دوست
 مضمون شعر نوٹ ہواڑے لگانا یعنی بہت ہر کہ بہت و آن دوست

اس قلم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کے اشعار کی بھی چوری جاری تھی

اب ذرا اس اشعار کے تجزیے کی بھی ضرورت ہے، چن چن پر سرق کا الزام دکھایا ہے، تمام اشعار کا تجزیہ تو نہ ہو سکے گا، لیکن
 کہہ اشعار کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ سرق کے الزام کی نوعیت کیا ہے۔

غالب:

حقی خرم گرم کہ غالب کے اثر میں گئے ہر دے دیکھتے ہم بھی گئے تھے یہ تماشائے ہوا
 مرنی:

یہاں غار میں کہ بھر گوشہ ظلیل آید بزمِ قحج و عہدش فی کنت
 مرنی کے شعر کا مطلب یہاں ہے کہ اٹھ دسے وفور باز کہ فدیہ عشق کو مار کے بیٹے آکر بھی شادی سے محروم ہو
 جاتا ہے، مہا مہاتاری نے غالب کے شعر کا مطلب یہ لکھا ہے کہ "اپنی رسوائی اور موردِ قہر ہونے کا اعتراف ہے کہ لوگ اسے تماشائے
 ہونے ہیں" اگر یہ مطلب تسلیم کر لیا جائے تو پھر دونوں شعروں کے معنی میں بڑا فرق ہے، ہونا ہے اور اگر غالب کے شعر سے
 مستشرق کا استقلا مراد ہے تو پھر اس کے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ مستشرق نے ہمارا مار کر غالب کے ہر دے میں اڑائے اسی لیے اس
 کے بارے میں تماشائے ہوا، اسی نے غالب کے اس شعری شرح میں مذکورہ بالا قاری شعر کا حوالہ ضرور دیا ہے، لیکن وہ یہ بھی
 لکھتے ہیں کہ کہد عشق شاعر غالب نے ایک معمولی خیال مضمون کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ نسبت بلکہ خیال مسطوم ہونا ہے، اگر شعر
 میں یہ مضمون اس صورت میں لایا جاتا کہ غالب میرے قل کا وعدہ کیا گیا تھا اور تو وہاں گیا، مگر قاتل نے قل نہیں کی تو شعر میں سا کہہ
 ہوا پھر ہے، فرض کہ ایک دلکش خیال کو چست بندش کا لکھا خیال بنا کر دکھا دیتی ہے، ایک قاری شعر اسی خیال سے بہرہ ہے، تخریج
 یہ ہے کہ جس صورت سے مستشرق کی یہ اضافی کو ایک غلط پانچواں مضمون سے شاعر یعنی غالب نے حسن بندش کے ساتھ چلی کیا
 ہے، وہ ایک تصویر ہے جس کے دیکھنے سے آنکھیں برہنہ ہوتی، (ص ۵۵)

غالب:

لفک کہ دیکھ کے کرنا ہوں یاد اس کو اندہ بنا میں اس کی ہے انداز کار فرا کا
 شاکر مصطفیٰ:

جہاز کو کب یہ سلیقہ ہے سنجگاری میں کوئی مستشرق ہے اس ہر دے دکھاری میں
 یہاں لکھتے ہیں کہ غالب نے شیخ مصطفیٰ کے ایک شاعر کے مضمون و سرف شعری عقل کی ہے، مہا مہاتاری نے غالب کے شعری
 شرح میں صرف ادا کیا تھا۔

جہاز کو کب یہ سلیقہ ہے سنجگاری میں کوئی مستشرق ہے اس ہر دے دکھاری میں
 یہاں بھی تو سرق کا الزام آتا ہے کہ مہا مہاتاری کی شرح کو اپنی حقیقت میں داخل کر لیا،

پھر کیا یہ سرق اس لیے ہے کہ شعر میں لفظ اور مستشرق کی سنجگاری کا اشتراک دکھایا گیا ہے، یہ تو ہر شاعر کے ہاں پایا
 جائے گا، اسی نے غالب کے مذکورہ بالا شعری شرح کرتے وقت یہ بھی لکھا ہے کہ غالب نے اسی مضمون کو اس طرح بھی ادا کیا ہے۔
 تم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی لفظ کا دیکھنا تقریب میرے یاد آنے کی
 یہ تو غالب کی عاود الکافی کی دلیل ہے کہ غزل کے ایک مضمون کو دو طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔

غالب:

میں نے جنوں پہ تو کبھی بھی اسد شگ اٹھایا تھا کہ سر داد آیا
معلوم:

یاد ایام جنوں پر سر میں یاد رنگ کوہ کلاں را چو کب کے آدلو کند
پاکہ قاری شعر کے یہ سنی جاتے ہیں کہ لڑکے جب کتب سے چھٹی جاتے ہیں تو انہیں دیکھ کر اپنے ایام جنوں کی یاد تازہ ہو
جاتی ہے اور اس یاد سے گویا اس شخص کے سر پہ جھریں گھٹتے ہیں "پاکہ اس شعر کی تو تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ "کئے والا
کس خوبی سے کہ گیا" مگر غالب کے شعر کے حلقے کتنے ہیں کہ یہ شعر بڑا مشہور ہے اتنا ہی مصل ہے "مہبت کا ایک ثبوت تو یہ ہے
کہ ایک شاعر کہہ سکتا ہے اور دوسرا کہہ سکتا ہے" کوئی ایک مرکز خیال قائم ہی نہیں ہوتا "ہر کن خیال غریب غیبتے دارد" اگر
غالب کا شعر سرق ہوتا تو نقل اصل کے برابر ہوتی مصل نہ ہو جاتی اور ہر دووں شعر کا جو مطلب ہے "وہ سرق نہیں کیا جا سکتا" جنوں
اور سنگ تو محض الودہ ہے اس کو سرق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

باب:

ترسے وعدے پہ جتنے ہم تو یہ جان بھٹ ہانا کہ طوٹی سے مراد جاتے اگر اعتبار ہوتا
عبداللہ چای:

ہم از وفا مدار بدہ وعدہ کہ میں از ادنی وعدہ تو فرمائی دم
پاکہ نے قاری شعر کے سنی یہ بتائے ہیں کہ شاعر کہتا ہے کہ تو مجھ سے وعدہ کر لے اور اس امر کا اندیشہ نہ کر کہ وہ بھی کرنا
پڑے گی "کیونکہ وعدہ کی طوٹی مجھے آج سے کل تک پہنچے ہی نہ دے گی" آج ہی طوٹی کے بارے میں جاناں گا "اس شعر کو دیکھ کر
غالب کی چار دیواری کی حقیقت کھلی ہے" غالب پر سب ہزار سر نہیں ایسی چوہی کی لپٹا پڑتی نہیں ہو سکتی "غالب کا شعر ہزاروں دم
کی شان بلاغت کو نہیں پہنچ سکتا" اس کے علاوہ چای کے شعر میں ہم از وفا مدار کے فقرے سے جو معنی خوبوں میں اضافہ ہو گیا ہے
وعدہ لینے کے شوق میں معشوق کو جس طرح ابھارا ہے "آواز کیا ہے" اس کے معلوم کا غالب کے شعر میں پتہ تک نہیں "پاکہ کے اس
اعتراف کا جواب نکالی بداعی نے غالب کے شعر کی شرح کرتے ہوئے یہ کہہ کر دیا ہے کہ قاری شاعر نے اپنے شعر میں صرف یہ
جان کیا ہے کہ وعدہ اصل کرنے میں اس خیال سے پس و پیش نہ کر کہ اس کا ایسا کرنا پڑے گا "کیونکہ میں میرے وعدہ کی طوٹی میں کل
تک زندہ ہی نہ رہوں گا اور نہ میں ہوں گا نہ تجھے وعدہ اپنا کرنے کی ٹہنت آئے گی" ایک غیر انصاف پسند کتہ ہیں نے غالب کے
اس شعر کے قاری شعر کا ترجمہ لکھا ہے "لیکن اس نے غور نہیں کیا کہ غالب کے شعر میں جو چو چا بیان پایا جاتا ہے اور اس کے سنے
سے صاحب کے دل میں جو اثر ہوتا ہے "قاری شعر میں اس کا پتہ نہیں "وعدے کو بھٹ جاناں کر اس پر زندہ رہنا ایک ہی بات ہے۔

غالب:

اہل سببش کو ہے طوٹاں عواذ کتب لہر سوچ کم از سلی استاد نہیں
غیر قاری:

اسد صانع حق را کے ہر افسانہ دارد لول کے شاعر عقل قدر سلی استاد را
پاکہ کہتے ہیں کہ ہاں معصوم ہے "بچروں نے کہا ہے" اس میں غیر قاری بھی ہیں "اس کے سنی یہ ہیں کہ غیر قاری نے
بھی کہیں سے سرق کیا ہے" اسی گھنٹی نے بھی غالب کے ذکر وہاں شعر کی شرح میں غیر قاری کا شعر نقل کیا ہے "معلوم نہیں

آہی اور بگڑاؤ دونوں میں کسی نے ایک دوسرے سے استعارہ کیا ہے "سولانا نے ان دونوں اشعار کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غالب صاحب روزگار یا عواطف ارغی و سہلی کی حقیقی اہل عقل کے لئے پہلی استاد (استاد کا طمانچہ) سے کرتا ہے اور اس طرح احتفال اور ہنسی کی درجہ چھوکتا ہے اور تعمیر قاریابی عشق و ہوس کی امتیازی خصوصیت کو پہلی استاد سے منسلک دیتے ہیں۔ بنجر سوبانی نے بھی ان دونوں اشعار کا موازنہ اس طرح کیا ہے "میرے نزدیک غالب کا مضمون ثابت و سنج ہے" علاوہ اس کے اس نے طوفان حوادث کو کتب قرار دیا ہے "کتب کا ہنگامہ طوفان فکروں کے پڑھنے سے پیدا ہوا پہلی استاد کا نتیجہ ہو" اس سے طوفان کے جوش و فروغ کا عالم نظروں میں پھرنے لگتا ہے "دوسری لطافت یہ ہے کہ (طغر) موج کے تھوڑے اور استاد کے طاسچے میں کسی ذہن دست ملاحظہ ہے "یہ لفظ اپنے معنی کی تصویر ہے" بحر شعر کا ایک ہی علامہ اگر میں ختم ہو جاتا بھی اڑ شعر کا تکلیف ہے "غالب کہتا ہے کہ اہل تیغ کے لئے کوئی مادہ ہو سکتا آسودہ ہے۔۔۔۔۔ تعمیر نے بواہوس (ہوس پرست) کو باہمار نادانی عقل کما ہے اور صمد عشق کو کلی استاد سے تعمیر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صمد کی لفظ قریب قریب اسی شان کی رکھتی "بھی غالب کے شعر میں صمد موج ہے "صمد کے معنی شہت میں ٹکرانے کے ہیں" یہ لفظ بھی بیان واقعہ کو واقعہ بنا رہا ہے "یہ یوں ہے" تو کوئی شعر نہ رت سے خالی نہیں (تجویذ حقیقی از بنجر سوبانی ص ۳۷۷-۳۷۸)

غالب:

کب سے یوں کیا کتاؤں جنان غرات میں شب ہائے ہجر کو بھی دکھوں مگر حساب میں
 زعفر مر خروں اسے خلق پاؤں را اگر د مر عارمہ روز ہجراں را
 مر من۔ گہرم کہ پاشد مر تار روز حساب زیستن ہے تو پاشد در حساب زندگی
 بگڑاؤ نے قاری شعر نقل ذکر کیا "لیکن شاعر کام نہیں کئے ہیں" شاید کہیں سے لے لیا ہو "بنجر سوبانی نے پہلے قاری شعر کو پیری کا بتایا ہے "آہی نے ضرر کا ایک ہم معنی شعر اور لکھا ہے۔

رہے۔ مر دراز ماحول مگر شب ہجراں حساب کی گہرہ
 غالب نے ضرر کے اس شعر سے احتفال کیا ہو تو کوئی قریب کی بات نہیں "کیونکہ وہ ہندوستان خواہ قاری شعر میں ضرر ہی کے ساتھ مر ظلم تم کرتے رہے"

غالب:

سے عظمت کی طوائف ساقی گردوں سے کیا بچتے لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام داؤگوں وہ بھی
 باہی:

آسمان جام نگوں داں کڑے عظمت حق است جہت سے "اد حق ماطر کائنات اہی اسے
 بگڑاؤ لکھتے ہیں کہ دی آسمان "دی جام داؤگوں" دی سے عظمت کی ہوس جو یہاں ہے "سوداں" چوری نہیں تو کیا ہے "آہی نے بھی غالب کے اس شعر کی شرح میں باہی کا شعر نقل کیا ہے "بنجر سوبانی کا بیان ہے کہ دونوں شعر کا مبحث تو ایک ضرر ہے "لیکن مضمون ایک نہیں باہی کا رنگ دامنکار ہے "غالب کا رنگ شاعرانہ ہے" دونوں میں واقعہ اور جان کا فرق ہے "ایک بگڑاؤ ہے جان ہے اور ایک بگڑاؤی درجہ ہو رہی ہے غالب کے شعر میں ہے باہی کے یہاں نہیں"

(تجویذ حقیقی ص ۱۸۰-۱۸۱)

غالب:

ہفت ہوا ہے گردن چٹا پہ خونِ طلق رازے ہے صبح سے تری رفتار دیکھ صاحب:

سر چٹے سے دھست اور آکا دم کہ کھٹا است کھٹا دھست برکوں میں دونوں شعر میں طلق خدا کا خون گردن چٹا پر ضرور دکھایا ہے، لیکن غالب دوسرے مصرعے شعر میں جو دیکھیں وہ کچھ نکل پڑا ہو گیا ہے، وہی اصل جان ہے جو صاحب کے یہاں نہیں۔ غالب:

لکنا قلعہ سے آدم کا سختے آئے ہیں ہمت ہے آہد ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے پکارتے تھے ہیں کہ یہ شعرا اپنی حدوں میں پر رہے، زبان نہ جاس و جام ہے مگر پرانی بات ہے، 'عاقبت حق رازی کتاب ہے' نہ 'مرا کرد رقیب از سر کوئے تو جدا' اول ایسی جملہ یہ آدم و حوا بخت لیکن لکنا یا اپنی غالب کے شعر کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عاقل حق رازی نے بھی قادری میں اس مضمون کو لکھا ہے، لیکن غالب کے یہاں ہمت ہے آہد ہو کر کے کھٹے لے ہو لطف پڑا کر دیا ہے، 'وہ قادری شعر میں کہاں؟' اس مصرع کو ہمت نے لفظ چ پر راز دور سے کر چھٹا سے شعر کے معنی حاصل ہوتے ہیں۔ غالب:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے قویا ہائے اس دور پیشیاں کا پیشیاں ہوتا پکارتے تھے ہیں کہ یہ شعر چندویں کا سا ہے، 'مضمون بھی نیا نہیں دیکھتے خواجہ حافظ نے کیا خوب فرمایا ہے۔' آفریں ہو دلِ نرم تو کہ از سر نو لب کشتہ طرزا خود راجہ پہ لہاز آہد؟ لیکن ان دونوں اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف حسین خاں اپنی کتاب اردو غزل (ص ۳۸۸) میں رقم طراز ہیں کہ غالب نے حافظ کے شعر میں تمنا یا ساقی طرف طرزا کیا ہے، لیکن بلاشبہ غالب کا شعر حافظ کے شعر سے جدا کیا ہے۔ زور پیسمن کی ترکیب میں ایک بدن معنی پوشیدہ ہے، 'اور اس لفظ میں طر کی غلب کا ہے کہ جسے جان نہیں کیا جا سکتا، صرف حسوں کیا جا سکتا ہے۔' غالب:

حریف مطلب مشکل نہیں فسونِ تار دعا قبول ہو یادب کہ مر شعر دراز شیرا:

نکشی دعا بزلت تو تحصیل حاصل است ہاتھ کس سنگت کے عورت دراز ہار پکارتے تھے ہیں کہ ملا شیدا کے شعر سے مضمون ادا کرنا کہنا چاہا، مگر شعر تو کھانا نہیں گو کہ وہ خدا ہی کر دیا، لیکن غالب کے اسی شعر کے حلقہ جالی کہتے ہیں کہ ایک بی طرفی ہے، 'تو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوئی' کہتا ہے کہ کسی مشکل شعر کے حل ہونے میں تو بخیر و بابر کا شعر بہ کام نہیں دیتا، 'اچھا اب بھی مانا نہیں کہ الہی نصرت ضرور آواز ہو' لیکن ایسی چیز طلب کریں گے وہ پہلے ہی دی جا چکی ہو، 'آسی نے قادری کا ذکر دیا، شعر نصرت خاں جالی کا بتایا ہے، 'پکارتے اس کو شیدا کا کہتے ہیں، 'بھرتے پیش نظر اس وقت لکھتے'

جس حالتی اور خیر و خوبی میں سے کسی کا رخ نہیں ہو یہ تا آنکہ یہ کسی کا شعر ہے، لیکن اگر خیر کا شعر ہے تو خیر پر خود ہی سرق کا
 اہم رکھا گیا تھا جس کو اس واقع نے اپنی تعریف بزمِ تہجد میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوتی تحصیل سے کسا ہے، "ماضی کی دلچسپی
 کے لیے اس کو ہم یہاں بھی دہراتے ہیں ۱۹۳۴ء میں جہانگیر امیر کیا" تو اس کے شاعری جوں میں شعراء بھی تھے، ایک روز شیخ فیروز کی
 قیام گاہ پر قائم اصحاب غنی حلقہ "حلقہ آبی" و "حلقہ طالع" پر دی، انور کاہوی دلچسپ ہوئے، شیخ فیروز کو متولیت اس لیے حاصل
 تھی کہ اس کو اصحاب کے ہزاروں انصار دہائی یاد تھے، یہ مجلس جاری تھی کہ خیر بھی آپ کا تمام شعراء نے کرم ہوئی سے اس کا خیر
 مقدم کیا اور فلیاں بک پر طاکر اس سے نادر کلام ملنے کی فرمائش کی خیر نے یہ شعر چلا۔

پیت دانی بداء کھلون سقا ہو رہے جس را پردہ گاری خلق را بخیسے
 شیخ فیروز نے کہا یہ تو رودکی کے شعر سے قرض ہے۔

خلق را بخیسے و بخیسے جس را آفرید کار تولی
 خیر ایکو بر ہم ہوا، لیکن اس نے ایک دوسرا شعر بتایا،

د بک کر فست سجہ بر بکر باطن چہ پشت ما صم از پایہ تہر باطن
 شیخ فیروز نے اعتراض کیا کہ یہ غلطی طوالتی کا ہے۔

از بک سجہ کدھم د باطن درد نکست چہ پشت مای است سراپے سجہ ہم
 خیر اور بھی زیادہ بھی ہو، انگریز اور شعر چلا کر دیا جاتی۔

کر بسرا مرفطانی دشت پر سنبل شود دودہر یاد بطوی خار مای گل شود
 مگر شیخ فیروز نے کہ یہ تو عاقبتی کے شعر سے قرض ہے۔

گریڈا انداز کھس جمال او فردغ خار مای آور دود قمر دریا بار گل
 خیر نے چہ کر کہا اگر یہی ستم غرض ہے تو اس کے مقابلہ کا شعر چلا۔

ذات تو بود مجتہد کون کہ کرد از روی اوپ مر خدا بر پیشست
 شیخ فیروز نے فوراً "ماضی کا شعر چلی کیا۔

لبت را تولی کس خار درخت کہ از تعطیلش آید مر بہ پشت
 ماضی نے قتل لگایا خیر نے بچ ہو کر بد گوی شروع کر دی، بعض اصحاب مجلس بھر مھر ہوئے، تو اس نے یہ شعر چلا۔

زلف اور ارشد چہ کس کسٹم د کسٹم غلی

زانکہ میں سن چہ د خلق غلی پا اللہ است

شیخ فیروز نے کہا کہ صلیبی کی دل آزادی مراد نہیں لیکن اس مضمون کا شعر پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔

کس نیلہ صبر و جہد، زلف کسٹم کسٹم اس مضمون کا درجہ پا اللہ است
 اس طرح خیر نے کچھ اور شعر ملنے سے شیخ فیروز اس کے ہر شعر کا ملکہ بتا دیا، "پادشاہ اس پر سرسکوت لگ گئی" اور پادشاہ

اصرار کے اس نے کوئی اور شعر دینے کی صحت نہ کی اور پھر کئی ایسی مجلس میں شریک نہ ہوا جس میں شیخ فیروز بھی نہ آتا (یہ تحصیل
 محزون المصائب غلی نسخہ دار المصنفین ورق ۲۲۹-۲۳۰ سے لی گئی تھی)

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو گا کہ ایک اونچے درجہ کا فنل گو قصداً "سرقہ نہیں کرنا" چاہی بھی لوگات اس کے اشعار میں غیر شعوری طور پر یا تو کچھ خاص خاص الفاظ یا ترکیب یا متکلفی ایسے آجاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہو آتا ہے کہ یہ سرقہ ہے "شیدا کو خود بخود نہ تھی کہ اس کے اشعار کے تھوڑے اشعار پہلے سے موجود تھے اور وہ اپنی استادی کے ذمہ میں اپنے اشعار بنانا لیکن متوازی اشعار بنا کر اس کو نسخ کر دیا جاتا، ہاؤ انکرام کے مصنف نے مناسب تاریخاً صحیح صادق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیدائے ایک لاکھ اشعار کے تھے "ظاہر ہے کہ ایک لاکھ اشعار کہنے والا صادق نہیں ہو سکتا" اسی طرح کسی فنل کو کے کلام کا تجزیہ کیا جائے تو اس پر ویسے ہی سرقہ کا الزام آ سکتا ہے "جیسا کہ پگنت نے غالب پر دیکھا ہے حالانکہ غالب کو طوطا اعتراف دیا کہ وہ استاد فن سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

پگنت کہتے ہیں کہ کوئی چوری کرتا ہے تو حرف بحرف نہیں کرتا، بلکہ نہ کہ الٹ پیچ کر کے پرانے ہل کو اپنا مالٹا جانتا ہے (غالب جلد ۳ ص ۳۰) لیکن فنل کوئی کے الفاظ اور موضوعات بلکہ ایسے محدود ہیں کہ ان ہی کے الٹ پیچ میں فنل کو اپنے کلمات دکھا آ رہا ہے "فنل کوئی کے خاص خاص الفاظ اور موضوعات حسن و شقی، ہجر و وصل، باز و لڑا، مرد و عا کرم و حق، جنم و زحم، محب و بغیل، شمع و پدا، لیلیٰ و مجنون، شیری و لڑیا، دامن و طرد، بیکان و حمر، محمدر و شمشیر، قتل و وطن، شیشہ و ساغر، پتا و سوا، چاند و میخانہ، بہت و خدا، زاہد و داعی، شب و ناسخ، جنون و گریبان، ہمار و خراس، غم و غار، آفتاب و قند، اور و قطره، دل و ہجر، صرست و ناکی، نزع و مرگ، قبر و حشر، قفس و دہن، نگار و عدل، غرور و وصل، و فیوہا ہیں ان ہی الفاظ کے سادے فرہیں کی جاتی ہیں اور ہر فقرہ اس سلسلہ میں جاشوں کی پہنچتی، فراہی، بھوئی، بدھوئی، شوق و صرست اور رنگ و غم کی مختلف کیفیتیں آتی بار و برائی جاتی ہیں کہ فنل کوئی کے یہاں دی ساری دامن کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی گی۔ ہر فنل کوئی کی طرف ہی یہ بھی جاتی ہے کہ اس میں دی تمام جذبات و احساسات پیش کیے جائیں جو حالت اور وہ ہوں "یعنی وہ محبت کی راہ میں جاشوں کو جو پیش آتے ہوں اور جب یہ خوبی تسلیم کرنی جائے "تو شعرا کے یہاں جذبات و احساسات کی یکسانیت پایا جاتا تھا جب خیزے "اور نہ سرقہ ہے اور اگر یہ سرقہ ہے تو ظاہر خود العنا میں اور قریب المعانی اشعار کا انبار لگا کر محبت سے استاد کو صادق کہا جا سکتا ہے۔

لیکن فنل کا یہ الجاز ہے کہ اس کی چوری اور فرسودگی میں بھی ہر زمانہ میں ناؤ کی اور ہونے لاتی رہتی ہے "اسی لیے فنل چاہتے یا سنتے وقت یہ کم دیکھا جاتا ہے کہ فنل کو کیا کہہ رہا ہے "بلکہ زیادہ تر اس پر نظر رہتی ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے "کس طرح کہہ رہا ہے "اور اسی کیس طرح کہتے ہیں "اس کی تعریف باقی رہتی ہے "اس لیے وہ شاعروں میں الفاظ باکیلیات کے اشتراک کا ہو جاتا کوئی سرقہ نہیں۔

اس کے علاوہ اردو فنل کوئی شروع ہوئی تو تمام فنل کو شعراء نے اپنی شعراء کے طرز میں غزلیں کہہ کر اردو فنل کوئی میں لکھا "بانیگین" دیا پن اور الہیاء پن پیدا کرنے کی کوشش کی اور میر سے لیکر غالب تک شاید ہی کوئی فنل کو شاعر گزرا ہے " جس کے یہاں فارسی شعراء کے بلکہ نہ کچھ مضامین نہ آتے ہوں "دارا لسنفین سے مولانا عبد السلام ندوی کی جو شعر المند شائع ہوئی ہے "اس کی جلد اول میں ایسے محبت سے اشعار جمع کر دیے گئے ہیں (ص ۳۶-۳۷)۔

لیکن اردو کے ان استاد پر سرقہ کا الزام نہیں آتا ہے "وہ تو اردو فنل کو فارسی غالب میں دھالنے کی کوشش میں گئے ہوتے ہیں "اسی لیے ان کے یہاں فارسی فنلوں کے خیالات و ترکیب اور کاورات کی بہتات ملے گی۔

مرزا پگنت کو بھی اعتراف ہے کہ چوری یا لٹائی کے الزام سے کوئی شاعر بچ نہیں سکتا کیونکہ چر اے سے چر اے جتا ہے "۔

معارفین بیٹھ حلقہ میں سے استفادہ کرتے ہیں "غالب حلقہ میں ۳۵) لیکن مرزا یگانہ غالب کو اس حق سے محروم اس لیے کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا کام انسانی اور ادبی نہیں بتایا جاتا ہے "ان کا سارا قصہ اگر کام غالب کو انسانی کہنے والوں پر اتارنا صحیح تھا "لیکن غالب کو چور "گونا گونا گوں" غلطیوں سے روکا "یہ سراسر جھوٹا دھڑائی" ہے اسکا وغیرہ کہنا کہیں تک ادبی فرض اور خدمت انجام دینے کے حریف ہے اور پھر حسب ذیل عبارت لکھتا کہیں تک ادبی تہذیب میں داخل ہے۔

"اگر ہر کا پندار مولوی لعل کا مولائی غالب کے اس دھڑائی شعر پر بھی ہو غایت شرمناک چوری ہے "سروہا تھا" تو یہاں کم شدہ۔"

اور پھر سرقہ کا پندار بیان کرنے کا یہ کیا ہے اس لحاظ سے ان کا یہ کہنا کہ چوری یا غفلت کے اقوام سے کوئی شرمناک نہیں سکتا "خود سرقہ ہے" انہوں نے غلام علی آزاد بکرائی اس فقرہ کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔

"اگر پھر تحقیق لحاظ کر کے شاعر ہے را اذ تو اردو مضامین میں عالی جاہ"

(ماثر انکرام جلد دوم ص ۲۹)

شاہد مرزا یگانہ کی نظر اساتذہ کے حلقہ العالیین اعتبار پر نہیں چلی "دو دن وہ غالب حلقہ کی طرح جانفشان حلقہ" صاحب حلقہ" حکیم حلقہ اور پیدل حلقہ وغیرہ بھی لکھ دالتے ہیں اور ان میں ہر ایک کو "الو بدھ" "مٹو" "چا چور" "امیس" "گولا شاعر" "لھو لھو" غلطیوں سے روکا "یہ سراسر جھوٹا دھڑائی" ہے اسکا وغیرہ کہنا کہیں تک ادبی فرض اور خدمت انجام دینے کے حریف ہے اور پھر حسب ذیل عبارت لکھتا کہیں تک ادبی تہذیب میں داخل ہے۔

یگانہ کے "غالب حلقہ" "جہ اعتبار خیالی کرنے میں میری یہ تحریر ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی ہے" جس کے لیے ناظرین سے معذرت خواہ ہوں "خیال تھا کہ یگانہ کے بقولت بطاوت ہی کیجے جائیں گے "لیکن ان کے خیال کی تائید اس مضمون میں بھی کی گئی "ہر اداس کے فرضی نام سے ۱۹۳۸ء کے رسالہ نگار میں کئی قسطوں میں شائع ہوا "پھر اس قسم کی آواز بازگشت و احاطہ پندرہ دفعہ کے پروفیسر عبدالب شاد دھانی کے ایک مضمون میں بھی سنائی دی جس کو انہوں نے اپنی کتاب "تحقیقات کی روشنی" میں بھی منسلک کیا "پھر نیاز فتح پوری نے ۱۹۳۲ء میں نگار کا یہ غالب نمبر شائع کیا "اس میں بھی یہ آواز دہنئے انداز میں سننے میں آئی "اسی طرح دہلی کے رسالہ تحریک کے غالب نمبر (مارچ ۱۹۶۹ء) کے ایک مضمون "غالب مجتہد و مقلد" میں یگانہ کی تصنیف غالب حلقہ کو پھر سے زور دینے کی کوشش کی گئی۔ اسی لیے یہ خیال ہو کہ غالب حلقہ کے ان سطروں کا دفاع اچھی طرح کیا جائے "اس لیے اس عنوان کے تحت میری تحریر طویل ہو گئی۔

(ماخذ = غالب مدح و تقدیر کی روشنی میں)

قطعات

تو یہ پہول

غزل کوئی میں بیکارے وہاں ہے!
 غزل کوئی تھا ان کا نہ غزل!
 ہوئی مضمون جنس کی جھجکا!
 لی غالب کہ جب غزل آشیانی

اس کے دم سے حتی قائم بعد غزل!
 میر کا ہاشمیں "غالب فرشتہ!"
 شاعر لغز کو "شر دار طلیہ!
 ہر غزل کو میں ان کا تھا وہ دہلی!"

غالب۔ امام غزل

نور احمد غازی

ہے نرالا حضرت غالب کا انداز بیاں
ساری دنیا معترف ہے اس کے فن کی بے کماں

سادگی بر جستگی شائستگی کا اخراج
حضرت غالب کی غزلوں کا ہے اپنا ہی مزاج

اس کے بچے کی روانی اس کا اسلوب بیاں
منگھٹاتی جس طرح کہ ایک ہو جوئے رواں

مانتے ہیں شاعری کے فن کا سب اس کو امام
سب سے اونچا ہے غزل گوئی میں غالب کا مقام

بے بدل شاعر ہے غالب ہر زمانے کے لیے
ساری دنیا میں ہیں چرچے اس کی تخلیقات کے

اس کی ہر تحریر پایندہ شعور و آہمی
جماکتی ہے اس کے ہر اک شعر میں سے زندگی
نابھد ہے زعمہ و پائندہ غالب کا کلام
اس کے فن کی عظمت دائم کو دنیا کا سلام

نذر غالب

ڈاکٹر سعید اقبال سہری
گو جراثیم

نذر غالب

جان کاشمیری
کو جراثیم

ہر اہل شوق کے دل میں مقام ہے اس کا
خفیہ دہری میں بھڑی یہ نام ہے اس کا
غم حیات' علم کائنات کا شاعر
یہی سبب ہے کہ زندہ کام ہے اس کا
وہ اپنے صدمہ میں دم نہیں سے جہاں قہر
نے اہل ہر دکائے' یہ کام ہے اس کا
مناقت سے کبھی واسطہ نہیں رکھا
جہاں شعر و سخن' سب نام ہے اس کا
اگرچہ لوگوں نے اس کی طاقت کی ہے
خفیہ شمس دلوں میں مقام ہے اس کا
کسے برائی اگر کوئی روک دے اس کو
بدوں سے بچا کر کہ یہ پیام ہے اس کا
ہر ایک صدمہ میں غالب رہے گا غالب ہی
ہر ایک دل میں سعید احرام ہے اس کا

غم کی تصویر کسی طور بنائے نہ ہے
دہم کھائے نہ ہے دہم لگائے نہ ہے
دشمت عشق عجب سوز پہ آجی ہے
آگہ المائے نہ ہے آگہ بھائے نہ ہے
ہوا کے بڑ کو یوں آگ سی غرت کی مگی
فل دیکھے نہ ہے فل دکھائے نہ ہے
یہ محبت ہے کہ طوائف کے جہاں میں رہتا
اس کوئے نہ ہے آس لگائے نہ ہے
ہر گزری بھی تو گزری ہے گھلے کی طرح
راز کھولے نہ ہے راز چھپائے نہ ہے
عشق کی رت کو بھات کی نکالی سمجھو
خوف کھائے نہ ہے خوف دوائے نہ ہے
دلوں آئیں میں گلیوں کی طرح اٹھ جی
ہاتھ دیکھے نہ ہے ہاتھ دکھائے نہ ہے
دل میں وہ غلہ سلا ہے محبت کی جگہ
سر کو پھوڑے نہ ہے سر کو بھائے نہ ہے
جان جذبات کی دنیا پہ قیامت لونی
ایک روکے نہ ہے ایک بھائے نہ ہے

غزل

نذر غالب

نور پھول کراچی

آج ناموں کو شک ہے وہ دکھان ہوتا
 کھل کے ٹپوں کو ہے اب زب گشت ہوتا
 روئے تباہی کو اگر ان کے بھوری دیکھا
 بھول جانے کی وہ سبب پہ قہاں ہوتا
 منزل عشق میں سکا کے ٹٹا ہوتے ہیں
 تو نے دیکھا نہیں ٹپوں کا وہ خواں ہوتا
 چاند رومش ہو سلون کی گھا میں جیسے
 روئے تباہی پہ وہ دلوں کا پرچاں ہوتا
 کھر آئندہ گر آئینے میں آتا ہے نظرا
 شان آئندہ گر آئینے کا حیران ہوتا
 آگ نورد کی گزار بنے گی بکرا
 شرب ہے دل میں براہیم سا ایسا ہوتا
 کھیل کبھے ہیں عز کی کلائی کو بھی
 کیا ہی آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہوتا
 بہت کا ایسے خور کے ہوا کیا کھتے
 جس کی قسمت میں ہو امر کا نا خواں ہوتا
 پھول ہے نذر سرا دیکھو یہ صبت کا از
 گل نے سیکا ہے عطول سے نزل خواں ہوتا

نذر غالب

محمد عریف ایف۔ ایف۔ سی گوٹھ ماجھی

آج تک نہ میں پٹا کوئی آئیں اپنا
 یہ ایش نہیں اپنی اور نہ آسں اپنا
 برق کو دعا دے کر ہو گئے رواں آگے
 دور ہی سے دیکھا تھا سوختہ مکان اپنا
 سوڑ و درد کا عالم کیا کہوں جاں قم سے
 قم کی آگ میں جل کر دل ہوا دھواں اپنا
 ان پرانے شہروں میں آگ تھکن سی گنتی ہے
 خود ہی ہم بیاہیں گے اب یا جہاں اپنا
 کہ قم جہاں بھی ہے دور اٹکا بھی ہے
 فکر ہے ہی پھر بھی ہے قلم رواں اپنا
 رائیگاں ہی جاتی ہے ہر دعا عریف اپنی
 آج کیوں ہے لاماصل بل و نکل اپنا

قطعات

راؤ قذیب حسین قذیب - رحیم پور خاں

بندہ ابن ابی طالب

ساری دنیا پر عیاں ہے یہ خن
کل بھی اقلیم خن کا شاہ تھا
بندہ ابن ابی طالب ہے تو
ہر طرح سے آج بھی غالب ہے تو

غالب نہیں ہوں

ما ہے آپ کے در سے جو اتنا
شا میں آپ کی کیا کر سکوں گا
کسی در کا بھی اب طالب نہیں ہوں
کہ میں قذیب ہوں غالب نہیں ہوں

غالب زندہ ہے

اس شعر و خن کی دنیا میں
زندہ ہے ترا فن بھی غالب
مر ایک بھی طالب زندہ ہے
اور تو بھی غالب زندہ ہے

پاکستان ٹیلی ویژن لاہور سنٹر

کوئی نہ اواسنج ملا

تخریج = افشاغ احمد

کردار

○ مرزا قاتل	○ احمد نجم	○ مرزا جہاں	○ باقر علی خان	○ مسیم علی خان	○ بی واداد نجم
○ عاتق	○ گاداداد	○ گلخان کمار	○ ہادی	○ دربان احمد	○ گوراسمار جنت
○ کرال ہرن	○ مرکار	○ ہرن صاحب	○ موز کستوی	○ صاحب موز کستوی	○

پیشکش

طارق جمیل

سین نمبر: ان اور دن۔

مرزا جانب کا ہوا غلت۔ ہوائی وضع کا کرہ۔ باہر کی جانب۔ کمرے دار کھڑی۔ درازوں پر طرے تویں اس (دو تین سے زیادہ نہیں) آلہ کی کا ایک طرف خاص طور پر کمرے میں مرزا کا بھرکت گاؤں تھے۔ ساتھ ایک گول دکنوری چائی۔ گاؤں کے ساتھ ایک آبی صندلی۔ چائی پر قدم تھے۔ (دو ہی کتاب سے بنے اور کاپی ساز سے چھوٹے) شکل کا خط تھی۔ دو تین چلی کتابیں۔ ایک باض اور دوسری بندھی ہوئی۔ بنگ کے ساتھ ہوا صند سے ہونے دو سوڑے ٹیک لگائے والے زمین پر ہوائی وضع کا یہ لائی کتابیں۔ باہر کھٹ کے کونے پر گت کا آفتاب۔ نیچے ایک چھٹی چھ اس وقت۔

مرزا ہند سے کاکی دار فضل پنے اور قزاقی اورچی لڑی اور اسے کھٹ کے سارے دائیں جانب کھٹے ہوئے ایک خط لکھ رہے ہیں۔ اس سوڑے پر بیٹھے ہوئے باقر طین بنگی کھار رہے ہیں۔

باقر: دوا جان۔ بس اب چلے ہاں۔ میں بھوک گی ہے۔

جانب: (خط کو دیکھتے ہوئے) کیاں ارے بھلی کتاب!

(صندلی پر کھول کر لٹاؤں لٹا کر لٹا دالتے ہوئے) باقر علی خان آج فرامیدوں کے ساتھ کچھ بھگوا ہو کیا ہو ہم نے اس کی گردان میں تھی۔

باقر: فرامیدوں لازم حاصل صدور۔ غرام باض مطلق۔ غرامید مضارع۔ غرام مستقبل غلام غرام۔ امر غرام۔ فی غرام۔ اسم فاعل قیاس فرامید۔

اس دوران کیاں کھار آتا ہے۔ مرزا اسے لٹاؤں دیتے ہیں۔ وہ جاتا ہے۔

جانب: اور اسم فاعل ماقی؟

باقر: خوش غرام

جانب: اور اسم مفعول قیاس؟

باقر: فرامید۔ اب چلے دوا جان۔

جانب: ارے میری دوا کی نے تن کیا کا! ہے ہ تو مجھے دار دار اندر چلے کو کھتا ہے۔

باقر: کچھ بھی ہو۔ تب بٹے ہاں میں بھوک گی ہے۔

جانب: کیاں خطا دالتے کیا ہے۔ دائیں آجائے تو چلے ہیں۔

باقر: وہ آتا رہے گا دوا جان۔ آپ تو بٹے۔

جانب: شاید کسی دوست محبوب کا خط لے آئے؟

باقر: کسی طور کا خط آگیا تو آپ پھر جواب لکھتے ہیں ہاں میں کہ۔

جانب: دیکھو باقر علی! لیکن تمہارا دوا نہیں دوا دہا ہوں۔ ہر دوا تم سے کر لیا اس پر عمل ہو گت اور ہر حکم تمہارا ہو اس کی تعمیل ہو گی۔

پہ دراز: (داخل ہو کر) بی بی کتنی ہیں آ کے کھانا کھا لیتے۔

غالب : یک نہ شد وہ شد۔ لی رفتار حسداری لی بی نے وہیں خانے میں اور بیچ پوری کی سبھ انکار بھی ہے اس میں سبھ
وہ بی بی سے فارغ ہو چکیں جو اس قدر سہ کھانا چاہ رہی تھیں۔

دقदार : حضور آپ تو ایسی خواہناں نام دہرتے ہیں۔ ایک وہ صبح کے وقت آپ کے شیا ہارام (شیرہ ہارام) سے
داخل ہوئیں کس دن انہوں نے آپ کے لیے قوم (قورمہ) شیا نہیں بلایا وہی الگ 'شیا الگ' بیچ کباب پیا۔
لورہ لورہ۔

(جو خنی وہ "دو" الگ کہتی ہے مرزا یوسف بھائی! بھائی! کہتے داخل ہوتا ہے اور پتی پتی لگا ہوں سے لورہ لورہ
گھورتا ہے۔)

غالب : اسے جان بر لورہ جھڑی ہات کا کیا جواب دوں اور کس سے کہوں کہ سبب اندر مردود و منظور کا ایک ہی بھائی وہ
اپنی دینا۔ نہ میں ٹھوم و بھورہ کہہ کر کہوں نہ تو ہاتھ شوریدہ سر ہاتھ کہہ سکے۔ اندر چل جوی خواہر نسبی کھانے کو
جاتی ہے۔

یوسف : بھائی! بھائی!!
(یوسف سے) آئیے دواوا چاہی! (ہاتھ پکڑتا ہے)

باقر : یوسف چار سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرتا ہے۔
(ہاتھ کر) چلو میرزا یوسف اندر چلیں۔

غالب : یوسف انکار میں سر ہاتھ ہے اور موڑے پر چڑھتا ہے باقر چاہتی پر رکھی لکھیں دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔
یوسف : بھائی وہ..... بھائی وہ.....

غالب : میرا دواوا دیکھ گے؟

یوسف خوش ہو کر انہات کے انداز میں غالب کی طرف دیکھتا ہے غالب سمجھتے تھے سے اپنا دواوا ان حال کر اسے دیا ہے
وہ اسے کھول کر محبت اور شوق سے دیکھنے لگا ہے۔ غالب 'دقदार اور باقر' کو پہچنے ہیں تو غالب ہلکے کے سر ہاتھ
اپنی صند دھکی کھڑا ہے اس میں سے کچھ نکلے نکلے کر مرزا یوسف کی جیب میں ڈالتا ہے۔ ہر تین صند ہاتھ ہیں۔
یوسف دواوا ان دواوا دیکھ جاتا ہے۔ کسی مٹے پر نہیں ٹھہرتا دواوا کھڑا داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا
آکھڑا ہے وہ اس پر سر ہاتھ ملاتی چلتا آتا ہے۔

کلو : (مرزا یوسف کو دیکھ کر) کوآب عرض مرزا صاحب!

یوسف کوئی جواب نہیں دیتا۔ کلو آپ خورے کو چھیر کھت کے ساتھ نکلتا ہے۔ اور مرزا غالب بستر کی طرف دور کرتا
ہے۔

یوسف : (دواوا آگے بڑھا کر) یوسف! یوسف!

کلو : لی جاں ہے۔ آپ کا نام ہے اس دواوا میں۔

یوسف آگے بڑھتا ہے کہ کچھ دیکھا۔ کلو اس کے ہاتھ سے دواوا لے کر درتی گردانی کرتا ہے اور ایک جگہ رک۔ کہ
چڑھتا ہے!

دی میرے بھائی کو حق نے دوسرے زندگی

مرزا یوسف ہے غالب' یوسف ثانی مجھے

(دعائے اس کے ہاتھ سے لے کر) یوسف۔ یوسف بھائی۔ بھائی۔

مداری اندر داخل ہوتا ہے اور انگوٹھے کے ساتھ ہنگ صاف کر کے آفتاب پکانے لگتا ہے۔

بڑھی چلا گیا؟

چلا گیا۔ کتا تھا پورے ایک آنے کا ہم ہے۔ تم لوگوں نے اونٹن پر نر عادی۔

میں نے اس کے ساتھ خود لے کیا تھا۔ بڑے صندوق میں کھینچیں ٹھونکتا تھیں۔ پھونکنے پر ہنسی لگا کر جیسے کہتا

تھے۔ اوجھنا دہیتہ تو اس کے باپ کے نام لوہار کی جاگیر تھ دہیتہ۔

اس کمری اب ایسی ہی ساکھ ہے باؤار میں دارودہ تھی۔

شرم تو نہیں آتی تک حرام!

بس ایک ہی رہ گئے ہیں آپ مرزا نوشہ کے حکم۔

محنت اور کلیان داخل ہوتے ہیں۔

یہ تو رہا ایک پارسل اور یہ ہے عین کھت چور کے

(یوسف مرزا سے) سلام چور۔

مرزا صاحب کیا اندر تشریف لے گئے؟

محنت! یوسف مرزا تشریف فرما ہیں۔

چچے ابو ڈمی میں چلے تھے۔ میں سلام عرض کر چکا ہوں۔ حضور کیا اندر دہانے میں تشریف لے گئے؟

اور کیا باہر جائیں گے قرض خواہوں سے ملاقات کرنے؟

مداری!

رجب آیا تو کہنے لگے شعبان میں لے گی تحفہ۔ شعبان آیا تو فرمایا رمضان میں لے لیتا۔ رمضان گزرا تو کہنے

لگے میاں مداری ہم نے دوڑے کسائے تم غم کھاؤ۔ ہم سے نہیں ہوتی ایسی نوکری۔

اوسے سرم کر نکو۔ داد دی یا نہیں جب کھیاں اڑیں تھیں منہ پر۔ جامع مسجد میں پاکی میں ساتھ بٹھا کے لائے

تھے۔

غالی باتوں سے بچت نہیں بھرتا کلیان کمار۔ بیکو گاتھ میں ہو تب فرماتا ہے۔ دیکھ لے نواب اور ان کی نوابی۔

خداوند نکلا اس کی تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔

ہم بھی ادنیٰ اللہ۔ نوبت کہنے والے نہیں۔

آہمروہ جائیں دو دو ہاتھ۔

(خواب کر) بھائی بھائی۔

اپنی جیب سے مرزا کے دیکھنے ہوئے طعنی بھر روپے نکال کر داری کے دے داتا
 داری جھک کر وہ نقدی اٹھائے لگتا ہے۔ مرزا بے سٹ فیس کی توہانیں نکالتا ہوا چلا جاتا ہے۔
 یہ رہا مرزا کا گھر اور یہ وہی ان کی نوکری۔ جہاں سلامت ہے تو نوکریاں بہت۔ لاکھوں ٹوٹے اور شہزادے
 پڑے ہیں۔ کسی کی ملازمت کر لیں گے۔

ملک: جا جاؤ صبح ہو۔

حکومت: خیرادر جو کبھی لوحہ کا دریا کیل

کلیان: کاشے کو آؤسے گا اپنا کام منہ لے کر۔

داری: (چلتے ہوئے) ہوش مرزا کوٹہ اسد افندہ خاں صاحب!

ملک: جیل۔۔۔ کجواس بند کر شہزادوں کے ملازم۔

ایک زبان ہو کر

حکومت: زیادہ بولا تو خون پی لوں گے۔

کلیان: بڑی قوت رہے جیسے ہاتھ تھری۔

شوری آواز اس کرد و قرار اٹھ رہا ہے۔ داری جاتا ہے۔

مرزا صاحب نے بچھو لیا ہے یہ شر (شور) کیا ہے؟

ملک: کچھ نہیں لی وقار وار۔ قہار ایک زبان دراز تک حرام!

موتے دہائی (داری) کی بات ہے کیا؟

حکومت: وہی بد بخت اسلام کا نہ کلن کا دشمن الہی لا

کلیان: میں نے کہا پھر خود اردو گائی۔ اب رہت گیا تو سارا دلور ٹوٹ گیا۔ بھوکوں مرے گا تو فانی یاد تو ہے گی۔

وقار: میں نے پی پی سے کئی شے (مرچ) کھا دہائی کو ٹالو پی پی دہائی کو ٹالو۔ گوشت روٹی کھا ہے سچا دور جا

(دور ہوا) نہیں کرتا حضور کو بدنام کرنا ہے۔

ملک: شرم نہ آئی بد حضرت کو! مرزا بے سٹ قہر لے دیکھتے تھے۔ ان کے سامنے کچے کیا۔

حکومت: دوجا نے ہیں تو کیا ہوا۔ سب سمجھتے ہیں۔

کلیان: ہج تو دیکھو۔۔۔ سر کر دوانے ہوئے۔ ابی ایک ہی جیب تک گئی۔ پولیس نہیں تو کیا ہوا سمجھیں تو سب ہیں۔ ہ

کچھ جیب میں قہار تصور داری داری کے آگے۔

حضور مرزا صاحب ان سے اور یہ ان سے بہت دیکھتے ہیں یہ دن میں ایک دو (دو) (لوہ) (لوہ) نہ آئیں تو

مذاقی خود جاتے ہیں ان کو دیکھنے یا بھر تھ سے فٹاتے (فٹاتے) ہیں وقار ایک وقار ایک چلا (درا) ہمارے بھائی

بے سٹ مرزا کو دیکھ لانا کس حال میں ہیں۔ کیا کاشے ہیں۔ (کیا کر دے ہیں) وقار ایک! وقار ایک!۔۔۔

وقار ایک یہ حالہ ادا کر رہی ہوئی ہے کہ مرزا صاحب داخل ہوتے ہیں اور دور سے بولا شہزادہ کر دیتے ہیں۔

آپا! سمان افند! یہ داری جگم کی جیتی ملازم ہوں گی کیا کہنے وقار ایک آپ کے!

صاحب:

حضور مرزا صاحب...

نکو:

نائب: اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جہب دافع دیا ہے۔ باہر نکلی ہیں سورا ڈکيا لائیں گی مگر غلیق اور غنڈار ہیں۔ راستہ
بیتوں سے ہاتھیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب یہ سر سے غلیق ہیں تو غلیق نہیں کہ اطراف صحرائی سیرت کریں۔ (دو غنڈار کئی
کانٹ کر دیں سے ٹھک جاتی ہے)

غلیق نہیں کہ درد اسے ہر چاہوں سے ہاتھیں نہ کریں غلیق نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں
اور نہ کہیں کہ یہ پھول تھائے چاکے بیج کی کیلی (کیاری) کے ہیں۔
(چٹک کر) چلی گئیں؟

نکو: جی حضور! وہ مداری بھی تو کمری چھوڑ کر چلا گیا۔

نائب: تم لوگوں نے کچھ ست غصہ کیا ہو گا۔

کیان: میرے بولن نہ بولن سے کیا ہو دے ہے جو۔ وہ تو کچھ بھرا ساٹا بنا پھرے تھک۔

نائب: اچھا آپ لوگ چلیں۔ کھانا کھائیں اور آرام فرمائیں۔

قطرہ الخاضعہ ہوئے (نائب تکہ ہم یہ ڈاک دیکھتے ہیں)

سب ملازم جاتے ہیں۔ مرزا صاحب بنگ پر بیٹھ کر ڈاک دیکھتے ہیں۔ ایک خط پڑھ کر مسکراتے ہیں اور گویا ہوتے
ہیں۔

دو غلیق ہر گزہاں تھک دانا تم مجھے کوٹنا دو چار سو روپے کا ڈاکریا ہشندار کہتے ہو جو دس بیس روپے صید قطرہ خزانہ
عامر میں بیج کرانے کی آمد دے دیکھتے ہو۔ انکم ٹیکس دوں گا اور ضرور دوں گا۔ پانچ روپے صید پشن انگریزی سے قطرہ
مقرر ہو گیا ہے۔ ہون سے یہ قطرہ جاری ہو جائے گی۔ وہ مرزا تھک دانا! قہاں ہواں صمدی فراست کس۔۔۔ امراء
تکم داخل ہو کر موڑھے کے پاس کھڑی ہو جاتی ہیں مرزا انہیں دیکھ کر جلدی سے ڈاک موڑھے سے اٹھاتے ہیں
تاکہ وہ بیٹھ جائیں۔ وہ بیٹھ جاتی ہیں تو کہتے ہیں۔

غلیق ہر گزہاں تھک کاٹا ہے۔ پچاس اس غم میں گھلا جاتا ہے کہ استار کا انکم ٹیکس کیسے لوا ہو گا۔ اسے بھی تو سکھو
آہر کاٹو۔ مرزا نائب کا شاگرد۔ ڈاکہ می کھداری تھے رام سے کام۔ خوش رہو اور غم نہ نہ کہ نائب کی گزہاں ہر تو
بہ فنی ہو گی۔

امروز: نائب کی گزہاں ہر تو بہ فنی ہو گی۔ ہر ان اٹھاروں ہالوں کی ہر کیو کر ہو گی تو اس کی ذات سے بندھے ہوئے
ہیں۔

نائب: ان کا وہ ڈاک ہے نکم!

امروز: وہ ڈاک ہے ہی۔ ہر کوئی وسیلہ تو ہو مرزا صاحب! وہ ہے: ایک بی بی "پانچ ڈاکہ" یوسف مرزا کی دیکھ کر کہ
"ایک آپ کی اپنی جان کچھ قربانیت دلو اور دیکھ۔۔۔"

نائب: میں میں سے ایک اپنا ہو جو اسچہ تھکوں پر لے اڑا مداری بھاگ گیا۔

امروز: اچھا ہوا یہ بھٹ۔ نہ پختہ تھک حرام!!

وہ بھی کیا کرتا ہے چارہ۔ محل روٹی کپڑے پر کب تک چارچلٹا، گھوا نہ لی۔ گرم نہ کرنا تو کیا کرتا۔

میں تو اب بھی عرض کروں گی کہ زمانے کی رفتار دیکھئے اور لوگوں کی نہیں بچائے۔ وہ ہو سکے چاہتے ہیں دنیا کہتے۔ ہوا نہیں بند ہے دنیا کہتے۔

اب اس سے زیادہ اور کیا کروں ٹیکم! غالب شخص کر کے منظور ہوا۔ دو دو گئے کے لوگوں کی شان میں قصیدے کہتے۔ طبیعت پر جبر کیا۔ طرز سے دل میں رنگ لکنا چھوڑا۔ ہارک مضافین باندھنے سے احتراز کیا۔ شاعری لانا کو مارا۔ اب اس مزدور حوروں کے لیے جنم کا کوڑہ رکھ لیا۔ سو گئے یقین ہے کہ میری دہائی تک وہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔ گرم کپڑا تو تو نہ ہو گا۔ سردی سے کانپوں گا۔ کتوپ کے لیے ترسوں گا۔

جب دلی مدرسہ میں ماسن صاحب نے آپ کو ملازمت کے لیے بلایا تو آپ نے کیا کل کھڑا؟
سرکاری ملازمت کا ادارہ اس لیے کیا تھا کہ خانہ داری اعزاز میں اضافہ ہو نہ کہ بزرگوں کے پرانے اعزاز کو بھی کھو بیٹھتا۔ ماسن صاحب ہمارے استقبال کو نہیں آئے ہم نے ملازمت پانے سے پہلے رخصت چاہی اور لوٹ آئے
امراؤ ٹیکم!

زندگی میں بھی وہ آزادی و خودی ہیں کہ ہم

انکے ہر آئے دور کھنڈ کر دیا نہ ہوا

اور اب ہر پیشے ایک ایک پہنے کو ترستے ہیں اور کہیں سے سود اور کہیں سے ماسود قرض اٹھائے ہا رہے ہیں تو یہ دونا کم ہے کیا۔

ہائے ہائے امراء ٹیکم! کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا دونا رزق کا ہے۔ جب معاش مقرر ہو تو کیا فہم! نہ صاحب نہ! یہ بائیس جانوروں کی سی ہیں کہ کچھ کھا لیا پانی پی لیا اور بچوں سے سو رہے۔ آدمی عموماً اور صاحبان لنگ و ناموس خصوصاً بدو و فراع معاش ایسی جہاں گواہ بلاؤں میں جھلا رہے کہ کوئی کیا کہے۔ یہ حال ہوا تو صاحب و آقاہ جہاںے یا خدا پائے۔

اپنے بچوں کا بوجھ۔ پختی مسدودا و خلیفہ ہاشم روپے باہور۔ اوپر سے نوابی ٹھانڈا میں پچھتی ہوں آخر یہ کب تک نہیں گا۔

جب تک لکھے گا تب تک بھانگیں گے۔ اس کے بعد جو حال ہو گا اس کے گلے سے لگ رہیں گے۔
استاد ذوق کو خدا نے وہ مرتبہ دیا ہے کہ آٹھ کماروں کی پاکی میں لگتے ہیں۔ قیب اور چوہا و ساری کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہیں۔

ہوس ناؤ نوش اور حرص و آز میں مرزا نوش بھی کسی فانی انسان سے کم نہیں لیکن چڑ دوہ دانیس اور چار غل و قیب کے چاڑ میں کٹا کٹاں والے شعر نہیں لکھ سکتے۔

قلعہ کے اندر خواص اور قلعہ سے باہر جمہور سبھی ان کے شعروں پر سر دھتے ہیں۔

پر ہم جس بارغ کے ٹہل ہیں وہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ یہی ہماری زندگی کا دکھ اور ہماری حیات کا اندوہ ہے۔

(آتے ہوئے) دلاوی جان! دلاوی جان! ہمیں چنگ اور ڈور ٹھکرا دیجئے۔ ہم ٹکٹھا اڑائیں گے۔

امراء: قصارتے دارا کے پاس کھانے کو بلکہ نہیں اور تم اور جنگ مانگ رہے ہو۔ ہمارے اور جا کر گلستان یاد کرو۔ (انھوں نے اسے اپنی طرف مڑا کر دیکھا) (جانتے ہوئے) ذرا دیر یہاں رکو گے تو حسین علی خان بھی پیچھے بھاگا آئے گا۔

امراء: جانی ہے باقر بھی سر پہنے کے پیچھے جاتا ہے۔

غالب: (درویش کے ہونے) باقر علی خان!

باقر: جی!

غالب: ہو اس کی دعا کی ہے؟

باقر: کلمہ کے ساتھ کی۔

غالب: (جنگ کے ساتھ چلے کھڑے ہوئے) مجھ سے کیا نرم؟

باقر: مجھ سے دادا جان!

غالب: (اسے روک دیتے ہوئے) نکل نکلا اور کلیں سے کٹا کر کبوتر بازوں کی کھڑی سے ڈال دے۔

باقر: (خوش ہو کر) جی بہت اچھا دلوا جان۔

غالب: اب ہم قصاری مرنے کے ڈاکٹر آباد میں ایک کھڑا کھیرن دھاری کھانا کھاؤ۔ اب اس کھڑے کے ایک کھانے پر

ہم جنگ اڑا کر دیتے ہیں اور راجہ بھائی کے سے جنگ لڑا کرتے ہیں۔ (خوش ہو کر) کھانا کھاؤ۔

باقر: دادا کی عقل پر مجھے ہونے نہیں بدام دیکھ کر اٹھانے لگا ہے تو غالب مٹی بند کر لیتا ہے۔

لوں ہوں۔ میری مٹی کے بچے ایسے نہیں چکا کرتے۔

باقر: اب اس کی عقل پر مجھ سے اور ہاتھ لگائے بغیر بدام کھانا ہے۔ غالب اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور

خوش اور چہرے کے کھڑے۔

-----Dissolve-----

سین نمبر ۲: ان دور۔ رات۔

وہی کمرہ۔ چابی پر فتح دہن روشن ہے۔ اور غالب اپنے جنگ پر اسی طرح نیم دراز گر خن میں مشغول ہیں۔ آپ نور صافی

دلہا پاس دھرا ہے۔ اسے اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ خالی ہے۔ نور صافی کے دیکھتے ہیں۔ ایک تھوڑی سی اس میں نہیں۔ پھر گیسے گیسے ہیں پس

محر میں گولیاں پلے اور سر کھیں گئے کی خوشام آوازیں آتی ہیں جی جی میں کتے بھی بھرتے ہیں۔ یہ نذر کا زمانہ ہے۔

غالب: غالب (شعر سوچتے ہوئے)

دم لیا تھا نہ تپا سے لے جود

پھر ترا وقتہ سطر یاد آ

یہ شعر نکلے ہو جاتے ہیں کمرہ میں ایک گرہ لگاتا ہے اور اس شعر کو روایتی سے چاہتا ہے۔ دو سرے مصرعے کے درمیان میں

بے اعداد بیان لاشیں کو اٹھانے اور داخل ہو جاتے۔

ان: حضور مرزا آتش۔ مرزا آتش حضور۔ میرا دل از مرگید میرا گھر لٹ گیا۔ میں برباد ہو گیا۔

- غالب : کیا بات ہے ابراہیم؟
- دربان : میرا دعائے مرزا جی حضور۔ مرزا جی سب اس جہان سے گزر گیا۔ اپنے برسوں کے فک و غبار کو دھوا کر دے گیا۔
- غالب : (اپنے آپ سے) میرا بھائی مر گیا۔ لیکن غالب یلم جان نے کبھی ایسی تھوڑی کی آرزو تو نہ کی تھی۔ مرزا جی سب مر گیا۔
- دربان : کل پانچ روز بخار رہا حضور۔ وہ اوجھڑ پڑے رہے میں چاہوائی سے لگا زمین پر لوٹا رہا۔ نہ دوا نہ دوا۔ نہ دیا۔ نہ حکیم۔ پانچ گھنٹے میرے دماغ نے دم دے دیا۔
- غالب : کسی صورت مجھے تو اطلاع بخوادی ہوتی دربان۔
- دربان : تار سے پٹے میں گھر سے نکلتے کر رہے ہیں۔ میں سر باہر نکلتا تو گورا سار جین لگے گولی مار دیتا۔ جان کے خوف سے اندر ہی چھپا رہا۔
- گو اور حمایت آتے ہیں۔

- گو : کیا بات ہے۔ کیا ہوا اب ابراہیم؟
- دربان : جی سب مرزا مر گیا۔ میرا دعائے مجھے پھوڑ گیا۔
- حمایت : انا نہ دانا لہ۔ راجھن۔
- دربان : پانچ روز بخار میں پھنکا کے اور پانی پیچ رہے۔ نہ دوا نہ دوا۔ نہ حکیم نہ ہو۔ میں ایک ہی دھڑکی دی۔ (نکلیں میں آ جاتا ہے) بھائی بھائی.... بھائی بھائی۔ میں نے لاکھ کہا۔ بجرا سمجھا کہ بھائی نہیں آ سکتے.... جو میں دردناک سے باہر بھاگتا ہے۔ گورا گولی مار دیتا ہے۔ دور دور سے روئے لگے۔ میں نے جی سب مرزا کو قہقہوں و غصہ میں تو دیکھا تھا حضور۔ یہ دماغ نے کو روئے میں دیکھا تھا۔ بھائی بھائی کہتے... دیکھ کی حسرت ساتھ ہی لے گئے۔
- کیاں : اب اسے کس طرح پیچھے؟
- دربان : کوٹھے پر چڑھا۔ چڑی ماروں کے احاطے میں اترا۔ خدا ان کا بھلا کرے۔ انہوں نے چاہوائی کھڑی کر دی۔ میں دماغ پر چڑھ کر ہیرا لالہ زمر کے کوٹھے سے ہوتا ہوا پھٹوں ہی پھٹوں میں پہنچا ہوں۔
- غالب : حمایت۔ دوا دوا۔ ایک کو چنگ کر اندر اطلاع کر دو کہ مرزا جی مر گیا۔ دو چادریں دھلی ہو گئیں۔ ہاتھ حوی گلاب منڈل اور کافور گھرے ہو تو دے دیں۔ نہیں تو رہے دیں۔
- حمایت : اندر جاتا ہے۔

- گو : لیکن حضور دفنی کا انتظام کہاں کریں گے؟
- غالب : ساتھ دہلی مسجد کا بھونڈی گھن بانی ہے کہ وہ بھی لب سے بھر گیا؟
- کیاں : لی ہاں واں پہلے بھی ایک قبر ہو دے۔
- غالب : چلو ابراہیم۔ جس راستے سے تم آئے تھے۔ ہمیں اسی روٹی سے لے چو۔
- دربان : سردہا کے اور دم ساتھ کے چھوٹا اتنا چمے گا حضور۔ گورا خدا سے کھلے پر گولی مار دیتا ہے۔
- غالب : اب اس سے زیادہ اور کیا گولی چلے گی۔ اور مرزا امیر اللہ خان غالب! تم بھی دھوا رہا ہو اے اڑے بھرتے تھے

ہارڈ کرائز اگر بھی خود آزمائی کرے۔

اس طرز نگاہی میں حسین علی اور قربان علی خاں دوست ہوئے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ وقار اور حمایت بھی ہیں۔ حمایت کے ہاتھ میں دھلی ہوئی دو چادریں اور ایک گلاب پاش ہے۔ سامنے دروازے کی اوٹ پر امراؤ نگیم خازموں کو دیکھ کر رک جاتی ہیں۔

حسین علی : دلوا جان۔ دلوا جان۔ چھوٹے دلوا کو فریگی نے کوئی بار دی۔

وقار ایک مسلسل ٹنگیوں سے روئے جاتے ہیں

دربان : چار تھے۔ پانچ دن سے چپ آتی تھی۔

باقرا : تو جھوٹ کہتا ہے۔ میرے چھوٹے دلوا کو سار جن نے مارا ہے۔ فوجیوں نے پہلے ان کا گروہ مارا۔ پھر انہیں گولی مار دی۔

دربان : کل بے رحم فوجیوں نے دروازہ اٹکالا پھینکا۔ سارے گھر پر بھانڈا پھیر دی۔ میں یوسف مرزا کے سرہانے بیٹھا خاموش سب دیکھتا گیا۔

باقرا : پھر انہوں نے جاتے ہوئے دلوا جان کو گولی مار دی۔

دربان : مارا ہوا ہے۔ لیکن میں نے ان کے ہاؤس پکڑنے کیوں نا حق اپنی کوئی ضابطہ کرتے ہو۔ یہ تو گزری دو گزری کامیاب ہے۔ آج فیض مرزا کو کل مرہائے گا۔

باقرا : تم جھوٹ کہتے ہو۔

حسین : کو اس کرتے ہو۔

باقرا : انہوں نے دارا جان کو گولی مار دی ہے۔ ہم اس کا بدلہ نہیں لے سکتے۔ حضور شاہ سلامت اس کا بدلہ نہیں لے سکتے۔

کو اور قربان اور حمایت انہیں چپ کرانے اور سمجھانے کی کوشش کرتے۔

میں حسین علی خاں۔ مرزا باقر علی خاں۔ ہماری بات تو سنو۔۔۔ ذرا سنبھلو۔ کے غریبے گھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک

شور مچا جاتا ہے اور اس شور پر دروازہ دھڑ دھڑایا جاتا ہے۔ پھر ہماری بوت پہنچے ایک گوارا سار جنت دو کالے

سپاہی اندر آتے ہیں۔ وقار ہنگامہ کر ڈالنے میں لپک جاتی ہے۔

سار جنت : تم کون لوگ ہو اور کون صاحب کے نمٹ شور چارہا ہے۔

غالب : میرا نام اسد اللہ خان غالب ہے۔

سار جنت : ہم کبھی اسد اللہ خان غالب کو نہیں جانتے۔ تم ازول بادشاہ کا بھائی ہے۔ اور مرزا فیض کرنا ناگ رہا تھا۔

قربان : یہ تو صواب ہے مرزا صاحب۔

سار جنت : شبت اپ۔ ہمارے ساتھ ابھی کر فیض صاحب کی پیمبری چلو۔ (غالب سے) تم سلطان ہے؟

غالب : تو صاحب سلطان ہو۔

سار جنت : دلی۔ آؤ صاحب سلطان کیسے ہو؟

غالب : صاحب شراب پچا ہوں ہم ہرک فیض کھانا۔

سارینٹ : نہیں تم چورا سلطان گننا ہے۔ ہاؤ رام۔ گننا نہیں ان کو ساتھ لے چلو۔ سب لوگ۔۔۔ سارا قافلہ چاہیں اور سارینٹ کے آگے دروازے سے نکلتا ہے۔

—————(زالو)—————

سین نمبر ۳۳: ان دور۔ دولت

کرمل برن کا دفتر۔ اوپر کو چڑھی ہوئی سڑی سونچوں والا خوب صورت کرمل وردی میں بیوس میز کری ٹکائے بیٹھا ہے۔ پیچھے دیوار پر لکھ دو کنواریہ کی تصویر آویزاں ہے۔ میز پر پھوٹا سا جین بیگ ہے۔ غالب اور اس کے ساتھی بعد سینیں علی اور باقر علی اندر داخل ہوتے ہیں۔ حمایت کے ہاتھ میں دو ہارویں گلاب ہاتھ ہے۔ سب بیٹے پر ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سارینٹ : (سلوٹ کر کے) سزا اے گروپ آف ڈیٹار انکار مرزا لیڈر سے ملو۔

کرمل : ٹپ کا نام۔

غالب : اسی مرزود منظور کو غالب کہتے ہیں۔

کرمل : یہ تو آپ کا شخص ہو گا چورا نام فرمائیے۔

غالب : مرزا اسد اللہ خان غالب۔

کرمل : آپ شہر کا ہے۔

کرمل : حضور نے لکھ حضور کی شہن میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے۔ اور حضور لکھ عالیہ کی طرف سے انہیں شکرینے کا خط بھی مل چکا ہے۔

کرمل : وہ قصیدہ ہم کو بھی دکھا صاحب۔

غالب : اب مجھے کمرہ ذیل تو نہ کر دالو کرمل صاحب کہ جہاں ہاؤں قصیدہ بھی ساتھ ساتھ اٹھائے پھوں۔ لکھ تو دیا تھا۔

کرمل : پھر آپ کو کوئی غلاب۔ کوئی نعت وغیرہ۔

غالب : جراب عرض اور پانچ دو ٹوئی تو دلالت سے موصول ہو چکا ہے۔ لیکن غلاب نہیں۔ ہم نے لکھ معطلہ کو پھر لکھا ہے۔

کرمل : کیا ہم ہر چیز جسٹس سے آپ کی فضا و کتابت دیکھ سکتے ہیں۔

غالب : وقت ہو تو اکی گھریف لے چکے۔

کرمل : اگر آپ ایسا ہی لکھ معطلہ کا غیر خواہ ہے تو دلی کی لڑائی کے وقت Bridge پر کیوں نہیں آئے۔

غالب : (سوالہ نظروں سے Bridge کے معنی نہیں سمجھتے)

کرمل : پہاڑی پر کیوں نہیں آئے۔ جہاں انگریزی فوجیں اور ان کی طرف دار فتح ہو رہے تھے۔ تارا مطلب ہے

ٹیک غلاب پر کیوں موجود نہیں تھے؟

غالب : (ذہر ہار کے ساتھ) تنگ دروازے سے باہر گولی کو ٹکے نہیں دیتے تھے۔ میں کیوں کر آتا۔ اگر تاکہ قرعہ کر

کے کوئی بات کر کے نکل جاتے۔ جب پہاڑی کے نزدیک گولی کی زد میں پہنچتا تو پہرے دار گوراٹھے گولی مار دیتا۔ (سارجنٹ کی طرف دیکھتے ہوئے) یہ اگلی ہاتھ کے باہر جانے دیجئے۔ گورے گولی نہ مارتے، میری صورت کو دیکھتے اور میرا حال معلوم کیجئے۔ پوچھا ہوں۔ پاؤں سے لپٹاج اور کالوں سے بہرا۔ نہ لڑائی کے لائق نہ مشورت کے قابل۔ دھاکر آ ہوں۔ سو یہاں بھی دھاکر آ رہا ہوں۔

کرمل : (غصے سے) سارجنٹ (سارجنٹ سے) ادا میٹ ہم فری۔ ہی فر میٹ اسے۔ پوچھتے۔۔۔ لیو ہم۔
سارجنٹ : شاعر صاحب تب نوک جاسکتے ہیں۔ لیکن ابھی گھروں کے اندر رہتے۔ باہر نکلے یا شور کیا تو صاحب۔ پہلور گولی مار دے گا۔

سارا قافلہ اسی طرح نکل جاتا ہے۔ صرف کپتان اور محتاج سلام کرتے جاتے ہیں۔ کپتان زیادہ خوف زدہ ہے۔

وزانو

سین نمبر ۳: ان اور۔ دن

مرزا کا دبی کمرہ۔ لیکن صاف دہلی پتے ہیں۔ اس کمرے کے دھڑکنا اور جھنجھکاؤ آواز میں تبدیلی آ چکی ہے۔ وہ پہلے کی سی بات نہیں۔ فرج کارنگ لڑائی ہے۔ مرزا صاحب کے سامنے پرانی وضع کے رسالے اور کتابیں کھلی ہوئی ہیں۔ جو ان کی کتاب قاطع برہان کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ وہ انہیں پریشانی کے عالم میں پڑھ رہے ہیں۔ آنکھوں پر عینک ہے۔ ڈاک کا ہر کارہ قورداڑے کے باہر محسوس ہوتا ہے۔

غالب : کون ہے؟

ہرکارہ : (آف کیمرو) ہرکارہ حضور۔

غالب : کیا ہے؟

ہرکارہ : (داخل ہو کر) آپ کی ڈاک ہے مرزا صاحب اور یہ ایک پارسل ہے۔

غالب : کس کی جانب سے ہے۔

ہرکارہ : پارسل تو تیسری صدی گھروں کی طرف سے ہے۔ لیکن ان تینوں لٹافوں پر بھیجے والے کام میں کھلا

غالب : ہم جانتے ہیں یہ ناسے کوھر سے آئے ہیں۔ اور ان میں کیا لکھا ہے۔ یہ تم نام خط۔ گائیوں 'کوسنوں' دشمنوں اور بہتان طرازوں کے ہیں۔ ہج میرے "قاطع برہان" لکھنے کی وجہ سے نکلے نکلے کے گوشے گوشے سے آ رہے ہیں۔

ہرکارہ : انہیں واپس کر دوں سرکار۔

غالب : نہیں بھائی۔ جب بھیجنے والے نے نام یہ ہی نہیں لکھا تو واپس کیسے کرے گا یہاں میرے سراسے ال دے۔ جس ہاتھ پر اتنی پٹاؤں کا کھم ہے وہاں یہ بھی سہی۔

ڈاک کے خط دیکھ دیتا ہے۔ اور جواب عرض کر کے پڑ جاتا ہے۔ غالب ڈرتے ڈرتے ایک خط کھول کر پڑھتا ہے۔ آواز بے سوز ہوتی

آواز فہر ۱ : اولین یعنی ٹہنے۔ ہڈیے بھروسے پہ اٹھیں عروس تھری یہ بھال کہ یہاں قاطع کا جواب لکھئے۔ اور اس کو چھوٹے تھری ہزار پشت پر منت ہو۔ خندہ پشت قاسم دقاہر بدست الٹی چھپی ہوئی لڑبگ میں کہ جس سے تار سے باپ دادا استفادہ کرتے رہے ہیں تو کیزے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ گرم طورہ و بد قرار مردہ تو اور تیرا باب اور تیرا اول اور تھری ماں تھری دادی۔

مرزا صاحب خط فوراً بند کر دیتے ہیں۔ آواز بند ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط کھولتے ہیں۔

آواز فہر ۲ : جھوٹے ترکوں۔ بنائی ہر مرد کیلئے ہر پٹیلے طود کو تری اور مٹل جانا ہے اور لوگوں سے اپنی اصل چھپانا ہے۔ بد بخت و دھتے۔ سوئی نکل۔ دھتے۔ کھار۔ جلاے۔ بگڑے۔ گھوڑی۔ بھار۔ یہ ہیں تھری اصل ڈالھی۔ جو تو لوگوں سے چھپاتا ہے۔ اور اس اعتبار کے طوف سے اپنے بھراؤ کو غری سے ناب کرتا ہے بد بخت اگر تھ کو علم و عرض اور انشاء و ادب اور صرف و نحو سے دور کا بھی علاقہ ہو تا تو یہاں قاطع کا جواب لکھئے سے پہلے اپنے ہاتھ قطع کر دیتا۔ لیکن تھری والدہ ماجدہ کی شان میں صبر بھڑائی نے پہلے سے کیا طوب کیا ہے کہ۔ پی آ۔

مرزا فوراً خط کو بند کر دیتے ہیں۔ آواز لاپی اور اٹھاتے ہیں۔ آرا سے منکرتے ہیں۔ بھر قالب تیرا خط اٹھاتے ہیں۔ کھولتے ہیں۔

آواز فہر ۳ : حضور مرزا صاحب! استاد شاہ و شاعر بے دل۔ آپ کی کتاب قاطع یہاں دیکھی۔ دل بار بار ہوا کیا۔

جب آپ سے کم عرف۔ باطن اور یہ مرشد ہر فرقہ اس کہ ارض پر موجود ہیں۔ گارے کو کئی چلانے اور مسلمان کے سوا میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہیں۔ خداوند کریم نے آپ کو چہ ضرور عطا کیا ہے لیکن وہ آگے عطا نہیں فرمائی۔ جو رخ خاک منت پر برتن منت دیکھ سکے یہاں قاطع برس بائیس سے شائع ہو رہی ہے۔ ہر کہ و مر جاس و عام اپنے اپنے وقت میں اسے حراہل بنا چکے ہیں۔ اور آپ بھیجی ہوئی چیز میں غلطی ہائے مطابعین و صحرا رہے ہیں۔ اس قدر محنت سے ٹاپک سے لیجنا وہی میں نہ آئی کہ اگر یہاں قاطع میں غلطیاں ہوئیں تو وہ چھپی ہی کیوں؟ جو غرض اسلاف کہیں اور قدیم اصناف غنی اور کتاب کہیں میں غلطی پکڑنے کی یا ان کی غرض کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اندھا بہرہ لولا لکھتا ہو کر مرنے ہے۔ انشاء اللہ یہی اہم آپ کا یہ کام بنتے ہیں تیرا بھائی دے ان تھا اور سودا آپ کے خاندان میں بیٹوں سے چلا آ رہا ہے۔ تو میں دے ان ہے اس کے تیرے بھائی جو سب مرزا کو دل میں بھرا رہے ہوں گے ہم تجھے پند سے رام پر دے۔ چالے سے بھرا رہیں گے۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تیرا ٹاپک طون ناگ کے راستے نہ نکل جائے۔

(جو غنی یہ فقرہ "اور اس وقت تک دم نہ لیں گے" چڑھا جا رہا ہے تو اس پر جو سب مرزا کی آواز ابھرتی ہے۔ بھائی۔ بھائی۔ بھائی جیسے اس کی دوح کو تکلیف ہو رہی ہو کہ کوئی اس کے بھائی کو بھرا رہا ہے غالب یہ خط بھی میرا ہے وال دیتے ہیں اور ان پر خوف۔ نامرادی ہے چلتی اور دکھ کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس انشاء میں مدادی۔ حضور صاحب قہر مرزا صاحب۔ آقا مرزا صاحب کتا آتا ہے۔ اور آکر قالب کے قدموں سے چٹ ہاتا ہے۔

غالب : ارے مدادی کہاں رہا آتے برس۔ ظالم۔ تنگ دل ہم کو اکیسے چھوڑ کے۔

بھرتی آ رہا ہے کہ اب دعوہ نہ دہوں اور اگر وہوں تو کم از کم ہندوستان میں نہ ہوں۔

امراؤ : کبھی مٹوس یا میں منہ سے نکالتے ہیں آپ!

غالب : جی چاہتا ہے کہ ایک لاشی یا تھو میں لوں اور اس میں شیطانی اور ایک ٹیٹھ کلوا مع سوت کی رسی کے ٹکڑوں اور پیادہ پاہل دوں۔ کبھی شیراز جا نکلو۔ کبھی مصر میں جا نکلو۔ کبھی نجف جا پہنچا ہندوستان کی ہوا اور نظر بند کے سامنے اترے کی لاشی ہے۔

امراؤ : آپ کے چند حقیقت مندوں کو چھوڑ کر ملک کے سارے سیانے پرانے دیرانے عالم میں کھتے ہیں مرزا کے اشتعال پہ سنی اور مضمون جیتے ہیں "ہفت مکتوب اچھے لکھ لیتے ہیں۔"

غالب : (راج سی کے ساتھ) ہم تو نہ ہوں گے لیکن شاید ایک زمانہ ایسا بھی آئے کہ ایک گروہ ان لوگوں کا بنے اور وہ مرزا کو فحش کو بھی سمجھیں اور ان کے شعروں پہ بھی مرد مٹیں۔

امراؤ : آپ کے خیال میں ایسی شاعری کر کے آپ لافلی ہو جائیں گے؟ آئندہ خطیں آپ کا نام یاد رکھیں گی؟ شہرت عام اور بھانے دوام کے عمل میں گری لے گی؟

غالب : کبھی کبھی ایک سوہوم سی امید "ایک بلی سی بھٹک نظر آتی ہے کہ اسی" سوہی گزروے ہیں۔ لوگوں کے پاسے اور ہیں "انداز ذہنت لے ہیں۔ طرز نظم ہوا ہے۔ بات کرنے کا اٹھک آگ ہے لیکن غالب کو سمجھتے ہیں اور ایسا ہی سمجھتے ہیں، بیساختہ کا غالب اپنے دل میں اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔

امراؤ : شعروں میں صل نام کو نہیں لیکن سوچ میں کیا پندر ہے؟

غالب : سوچ بھی کوئی جگر کا عقد ہے جگم کہ اس پر گورے کا بھٹا اگڑ جائے۔ میں دو کوں بھی تو یہ سب ختمے کا

امراؤ : اب زندگی کا آخری ہیرا ہے مرزا صاحب! چہ نہیں کب کچھ کا ختم آ جائے۔ اما نہیں جانا تو چھ کر سہی "بیٹا نہ جائے لیکن لینے سہی" ایہا اشارے سے نماز چھ گانہ کی پابندی تو کر لیجئے۔

غالب : ساری مرفق و لغو میں گزری۔ نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا نہ کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند قصص باقی رہ گئے ہیں۔ اب اگر چند روز بیٹھ کر یا ایہا اشارے سے نماز پڑھی تو اس سے ساری عمر کے کاموں کی صفائی کیوں کر ممکن ہو سکے گی۔

امراؤ : آخر کچھ اپنی آخرت کی "بکھ اپنے ہتھ سے کی بھی تو فکر ہونی چاہیے۔

غالب : میں تو اس قابل ہوں امراؤ جگم کہ جب مرزا صاحب میرے حوزہ اور دوست میرا منہ کا کریں اور میرے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کے تمام گلی کوچوں اور بازاروں میں تقبیر کریں اور پھر شہر سے باہر لے جا کر کوں اور بیڑوں اور کوں کے کھانے کو "اگر وہ اسے کھانا گوارا کریں" چھوڑ آئیں۔

مرزا صاحب کا یہ ڈانٹا کہ سن کر امراؤ جگم روئے تکی ہیں اور آٹھل میں منہ چپا کر سسکیاں بھرتی ہوتی وہاں سے اہل دینی ہیں۔ غالب اسی کیفیت میں اپنے کلام سمیٹتے تھے ہیں اور ساتھ ساتھ ٹھٹھانے لگتے ہیں "میں صوبہ گلشن یا آفریدہ ہوں۔" ٹھٹھ و ٹھٹھ و آکر اعلان دیتا ہے۔

کو : حضور میرن صاحب تعریف لاتے ہیں۔

عالم : آٹھ صبرن صاحب (نکو جاتا ہے۔ صبرن داخل ہوتے ہیں) بھی داد آتا یا ہا۔ میرا پیارا صبرن آیا۔ آٹھ بھائی
مزاج تو اچھا ہے۔ بیٹھو۔

صبرن : خدا کا شکر ہے حضرت۔

عالم : جان عالم میں ایسا سے حد کرتے ہو۔ صبح آنے کے لیے کہ گئے تھے اور اب آئے ہو۔

صبرن : کیا عرض کروں حضرت! رات بھانڈا لی سے کچھ قرض آپ کے لیے لے لی امید تھی۔ اس نے آج صبح ہر
جان۔ صبح کیا تو دوسرے وقت آنے کو کہہ دوپہر کو پہنچا تو انگاری ہو گیا۔ دوسری جا ایک میں بھی قرض لے کر گیا تھا۔

عالم : ابی صبرن صاحب! میں خدا سے بھی قرض نہیں 'خلق کا ذکر کیا! کچھ بن نہیں آتی۔ آپ اپنا کاشانی بن گیا
ہوں۔ رنج و دلت سے طوفی ہو نا ہوں۔

صبرن : یہ آپ کیا فرما رہے ہیں حضور!

عالم : کچھ عرصے سے میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے 'کہتا ہوں کہ لو عالم کے ایک اور
ہوتی تھی۔ بسے اڑتا تھا کہ میں پیدا تھا اور فاری دان ہوں 'آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔

صبرن : اس میں کیا شک ہے حضور مرزا صاحب!

عالم : میں کہتا ہوں نے عالم 'اب تو قرض داروں کو جواب دے۔ صبح تو یوں ہے کہ عالم کیا مرا' بڑا ٹھہرا۔ بڑا
کافر مرا۔

صبرن : خدا نخواستہ حضور! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

عالم : آئیے آئیے تم اللہ رب العزت... دیر الملک احمد اللہ علی صاحب ایک قرض دار کا گریبان میں ہاتھ۔ ایک
قرض دار بھوک مار رہا ہے میں ان سے چم رہا ہوں۔ ابی حضرت لو اب صاحب! حضور مرزا نوشہ عالم صاحب! یہ
کیا ہے حقیقی ہو رہی ہے۔ کچھ تو اس کو کچھ تو بول۔ بولے کیا ہے عیا! بے غیرت! کو خفی سے شراب 'کچھ جی سے
گلاب 'بزار سے کچرا' میوہ فردش سے آم 'صرف سے دام قرض کیے جاتا ہے یہ بھی تو سوچنا ہو نا کہیں سے دوں گا۔
صبرن : حضور آپ مستعد نہ ہوں اور ہمارے مرزا کی ہمارے سامنے یوں بے حقیقی نہ فرمائیں۔ خدا مالک ہے۔ ایک
آدمہ دن میں کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔

عالم (موضوع بدل کر) ایک قصہ تھا ہمارا احمد! اس کم قیمت اور نامکمل۔ ہمیں بتاؤ کہ اسے آج چم رہی کر کے
آپ کے حوالے کر دیں۔

صبرن : بسے بھڑ!!

قرضی المانی سے صبرن! یہ شعر چتا ہے۔

دل سے تیری جگہ بھر تک از منی
دلوں کو اک اوا میں رضا مند کر منی
ہر پرانوسی نے حسن و حسن شعاع کی
اب آہذا شیوہ اہل نظر منی!

سین ۵۵: کچھ ڈور۔ دن

مرزا غالب بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کی نشست بھی اب ایک اور کونجی میں ہے۔ گھر بدل چکے ہیں۔ چنگ کی جہ چارہائی ہے۔ سرائے ایک کڑی کے ڈبے پر بگم کافز اور قدیں دھرا ہے۔ چارہائی پر ایک ٹیلف و خدا آوی گدی رنگ سنبھ اور اسی اسی جانی کالینا ہوا ایک چھوٹا کتاب چنے سے لگائے گاڑے مظہر کر رہا ہے۔ یہ کتاب راجہ قانی ہے اور پڑھنے والا مرزا غالب۔ کھو دارو قد بواب خود بھی کافی بوڑھا ہو چکا ہے "داخل ہوتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے خواجہ عزیز گھسٹری اور ایک اور صاحب قدر دان غالب داخل ہوتے ہیں۔ کھو انیس لاکر چارہائی کے پاس کھڑا کر دیتا ہے۔

کھو: ملاحظہ فرمائیں۔ چراغ سہری ہے۔ پہلے ہاتھ اس کے "اب تم میں ہیں۔

عزیز: حضور آداب عرض!

صاحب: مرزا صاحب شلیکات!

کھو: پہلے تو بیکہ سٹائی دیتا تھا اب ہاتھ بھرے ہو گئے ہیں۔

عزیز: مرزا صاحب۔۔۔ حضور مرزا صاحب!

صاحب: خواجہ عزیز گھسٹری شریف لائے ہیں۔

غالب: کچھ بواب نہیں دیتے۔ اسی طرح چھا کرتے ہیں۔

عزیز: بھری دانست میں انہیں تکلیف نہیں دینا چاہیے۔

صاحب: اتنی دور سے آدوئے دیو لے کر آئے تھے۔

عزیز: پوری بھی ہوئی تو کس طرح سے!

غالب: کتاب ہٹا کر دروازے چنے میں اور پچھتے ہیں۔

غالب: کون ہے بھئی!

کھو: کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔

غالب: کتاب سرائے دھر کر آہستہ آہستہ اٹھتے ہیں۔ کھو چہ باتا ہے۔ غالب بالکل چارہائی سے اتر کر نیچے فرش پر بیٹھتے ہیں۔

عزیز: حضور آپ کیوں زمت فرماتے ہیں۔

صاحب: ہم زیارت کے لیے آئے تھے کھڑے کھڑے چلے جائیں گے۔

غالب: (فرش پر بیٹھ کر) آنکھوں سے کسی قدر سوویتا بھی ہے لیکن کانوں سے ہاتھ سٹائی نہیں دیتا۔ ذرا لو لچے ہوئے

گم۔ کچھ نہ سناؤ اس کاغذ پر کچھ دیکھئے گم۔ کون صاحب ہیں!

صاحب: عزیز گھسٹری ہیں۔ خواجہ عزیز گھسٹری۔

غالب: نہیں سنا۔ کان پر ہاتھ دھرتا ہے۔

- صاحب: کھڑے سے کھیر جا رہے تھے۔ وہاں کو دلی اتار رہے۔ خواجہ عزیز گھنٹری۔
- غالب: مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو تو ضرور مجھ نہ کہہ سکتے ہو گے۔ مجھ کا کام ملا۔
- عزیز: ہم تو آپ کا کام زبان مبارک سے ملنے آئے تھے۔ آپ کے سامنے ہم کیا عرض کریں گے۔
- غالب: دم دانیکیں نہ سرد رہے۔
- عزیز: اب اللہ ہی اللہ ہے۔
- صاحب: حضور کا کام زبان مبارک سے ملنے کی کشش یہاں سے آئی۔ دست نہ ہو تو گواہوں کو بھی مجھ مرحمت ہو۔
- غالب: (کہہ کر)

دکھ ہی کو پند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کے بد ہو گیا ہے غالب
دلہ کہ شب کو غیر آئی ہی نہیں
سوئے سوئے ہو گیا ہے غالب

دونوں دلوں پہ ہے۔

اور تو دیکھنے کو ہم دیو میں کیا دیکھتے تھے
مگر اک شعر میں اہواز دما دیکھتے تھے
اس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سچ لا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ الٹا دیکھتے تھے

یہ دو دہائیاں چاہے کچھ کے بعد ذرا وقف کرتے تھے۔ اور کہتے ہیں۔

اے آواز داروان ہلا ہوائے دل
دھار اگر جہیں ہوں ملا کوئی ہے
دیکھو مجھے جو دچھو جہت تار ہو
بھری سو ہو کوئی غصت نہ لی ہے

دماغ پر زور دے کر شعر بولتے ہیں۔

شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوش ہلا
دلان باطلان دکھ کاندو دل ہے

(شعر بولتے ہیں)

لف فرام و سانی و لولی صوائے ہنگ
یہ جنت تار وہ فردوس گوش ہے
ہاں دم ہو دیکھئے آ کر تو ہم میں
لے وہ سرور و سوز نہ ہوش و لوش ہے

دایغ طرف صحت شب کی بلی ہوئی
اک شیخ رہ گئی ہے' سو وہ بھی ٹوٹ ہے

یہ کہ مرزا صاحب بڑے مہذب و انداز میں یہ مصرعہ دہراتے ہوئے اٹھتے ہیں اور چارہائی پر لیٹ جاتے ہیں۔

”اے مرگ ناگیاں تجھے کیا انتظار ہے“

وہ دونوں اصحاب حیرت و حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہیں اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کر کے کمرے کے باہر وہاں سے چل دیتے ہیں۔ کمرہ خالی ہے۔ کیمرو میرزا چلے جاتا ہے۔ اس وقت وہ خروج کی حالت میں لیٹے ہیں اور یہ شعر و روزہاں ہے۔

دم واکھیں پر سرور لائے عریض دلہا دلہی اللہ ہے

کیمرو ان کے چہرے سے ہٹ کر روٹھتی کا ہاتھ لیتا ہے لیکن مرزا صاحب کے شعر کی آواز آئے جاتی ہے۔ کیمرو دروازے میں کھڑا دکھاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ٹشٹ ہے جس میں آپ خورد کھان اور عرق کی بوتل۔ غالب کے دوسرے مصرعے کی ”عریض و اب اللہ..... اللہ..... اللہ.....“ تک آواز آتی ہے پھر خاموشی۔ ٹشٹ اس کے ہاتھ سے گر آتا ہے اور چیخ مار کر چارہائی کی طرف چلے جاتا ہے۔

کلوز: حضور مرزا صاحب..... مرزا صاحب.....!

چیلے ہ ہاتھ رکھتا ہے۔ بلی دیکھتا ہے۔ اکھیں بند کرتا ہے اور روٹھنے لگتا ہے۔ اس کی آواز پر داری اور حمایت اندر آتے ہیں اور حضور مرزا صاحب قلم مرزا صاحب..... کہہ کر روٹھنے لگتے ہیں۔ داری دھن پر بند کر ان کے پاؤں سے سرٹنے لگتا ہے۔ حمایت اندر بھاگتا ہے۔ کیاں ڈاک لے کر آتا ہے اور پریشان ہو کر صحت کی طرف چلے جاتا ہے۔ ان کے پاؤں کی طرف ہاتھ ہاتھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیلا اور ایک پھوٹا کافور ہے۔ وہ روٹھ جاتا ہے اور کہے جاتا ہے۔

کیاں: بھور کیاں کیاں کو چھوڑ گئے۔ عریض آپ کا کیاں کیاں ہے۔ عریض آپ کا کیاں کیاں اور ہے۔

ہاتھ ہاتھ کر اور اس پر سر رکھ کر فکڑ کرے ہوئے پاؤں میں بند جاتا ہے۔ باقر علی خان حسین علی خان 'دقار اور آخر میں امراتہ بیگم داخل ہوتی ہیں جنہوں نے چادر پہرے پر دنگی ہے۔

حسین علی 'دادا جان۔۔۔۔۔ دارا بلی!

ان کی چھاتی سے لیٹ جاتا ہے۔

باقر علی 'دادا جان 'لوت دادا' لوت دادا' لوت دادا' لوت دادا

پنی پکڑ کر دھن پر بند جاتا ہے۔ دقار روٹھنے جاتی ہے۔ امراتہ بیگم خاموش سرانے کھڑی ہیں۔ نہ آنکھ میں آنسو ہیں۔ نہ چہرے پر غل۔ ضبط کی اختراع کھارہی ہیں۔

کلوز: (حمایت سے) نواب بیگم اور مولانا علی کو اطلاع کرو کہ حضور کا انتقال ہو گیا۔

حمایت اللہ کر جاتا ہے۔ کیمرو اس کو قلم کرتا ہے۔ جب وہ امراتہ بیگم کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسی طرح پیپ پیپ کھڑی ہیں۔ لواحقین کی بلی سکین اور سکین کے بھی حشر میں غالب کی آواز ابھرتی ہے۔

آواز: میں تو اس قاتل ہوں کہ جب مردوں 'بھروسے عریض اور دوست میرا مدد کلا کریں اور میرے پاؤں میں دسی ہاتھ کر حشر کے قسم گلی کوہوں اور ہزاروں میں تقسیم کریں اور پھر شر سے باہر لے جا کر کتوں اور بلیوں اور کوڑوں

عقاب اور گوسے

عاجی لق لق

مجھ سے روایت کیا کامرنے باری منگ نے اور انہوں نے جاسپتہ دوست مرزا اکظم سے اور مرزا اکظم نے جالی آپ جی اور اب آپ مجھ سے سکے۔ "مرزا جی" میرے الفاظ میں۔۔۔ اور اس کا جواب بالاپائے قالب اور گوسے کی ارواح کو اور دہا کیجئے میرے حق میں نور دانش اکظم باصرا اب!

مرزا اکظم بن دنوں پہلے میں تھے۔ ان ایام کا ذکر ہے کہ مرزا صاحب کی ملاحت ایک چابی تھ کہ ہر جم جم سے ہوئی اور دونوں میں چار روز تک ایک قہر خانہ میں ایک دوسرے سے لٹے رہے۔ ایک روز سردار می نے مرزا صاحب سے کہا بھائی صاحب! بات یہ ہے کہ میں اتنی جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس جسہ کوئی نہیں۔ اتنی میں میرا مستحق بہت شاندار ہو سکتا ہے اس لیے اگر آپ کچھ روپیہ بطور قرض دلا دیں تو میں یہ قرض جلد چکا دوں گا۔

مرزا اکظم نے ایک لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔ "قرض؟ سردار صاحب یہاں پر دیکھ میں کون ایسا بدو متالی قادر غاہل ہو سکتا ہے جو اپنے اگلے ٹٹوں کے علاوہ کسی دوست کو قرض دے سکے؟" سردار می: مجھے کوئی زیادہ روپیہ نہیں چاہیے صرف.....

مرزا صاحب: (بات کاٹ کر) می تم زیادہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوا بات یہ ہے کہ کسی سے ایسی درخواست کرنا ہی بے معنی چیز ہے۔

سردار می: (راجی کے لہجہ میں) تو پھر کیا کیا جائے؟

مرزا صاحب: کیا کیا جائے؟ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

سردار می: (اسپہ نگاروں سے دیکھتے ہوئے) وہ کیا۔ وہ کیا؟

مرزا صاحب: وہ یہ کہ بدوستانوں کی بجائے ہر منوں سے روپیہ حاصل کیا جائے جو بہت آسان کام ہے۔

سردار می: وہ کیسے؟

مرزا صاحب: میں ہاتھ دلاؤں گا۔ آپ کل اسی وقت یہاں تشریف لے آئے۔ سردار می کی آنکھیں ان الفاظ کو سن کر ہلک اٹھیں۔ اور آپ مرزا صاحب کا "ڈنگلی" شہرہ لوار کر کے رخصت ہوئے۔

رات بھر سردار می کو نیند نہ آئی اور دوسرے دن وقت صبح سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی قہر خانے میں پہنچ گیا اور بے صبری کے ساتھ مرزا اکظم کا انتظار کرنے لگے۔ آخر مرزا آئے۔ اور قہر کی پالی پیچے ہوئے ہوں گوا ہو سکے۔

مرزا صاحب: دیکھیے سردار می! مرزا صاحب بدوستان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ آپ جانتے ہی ہوں گے۔

سردار می: وہی نا جنس انجمن کچھہ کہتے ہیں؟

مرزا صاحب: (منگراتے ہوئے) نہیں نہیں! انجمن ٹیکسٹر تو آغا حشر کاشمیری مرحوم تھے۔ وہ مشہور دارا دلہن ہتھ۔

عالم میں سے پہلے عدلیہ میں گزرتے ہیں۔ آپ کا نام احمد علی خان تھا اور وطن دہلی آپ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے بہت بڑے شاعر تھے۔ لیکن مرثعہ دہلی میں گزرتی۔ آپ کو شراب نوشی کا بہت شوق تھا۔ اس لیے کبھی فارغ الدینی نصیب نہ ہوئی۔

مردار بی: بالکل سہرے بچا ہر نام سنگ کی طرح ڈھلدار تھا۔ دو سو چھ دہائی تھی ضلع بحر میں عزت تھی لیکن شراب نے بڑا اثر کیا کر دیا۔ آج اسے کوئی دس روپے لوحا نہیں دیتے۔

مرزا صاحب: ہاں! ہاں میں غالب کی بھی یہی حالت تھی۔ لیکن تھا پوتا حیا دار مر گیا لیکن امرا کے سامنے نہ جھکا۔ اس کی ایک غزل تھی کہ..... مردار بی مر دے لڑتے جاتے تھے لیکن دل میں سوچتے تھے کہ بات تو جرموں سے روپیہ حاصل کرنے کی تھی۔ یہ مرزا صاحب غالب کا قصہ کیوں بھڑ پٹھتے؟ آپ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ مرزا اکالم نے اس کے دل کی بات کو بھاپ کر ہاتھ سے اٹھا دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خاموشی سے بٹنے جائیے۔

مرزا صاحب: غالب ایک ماسٹر شاعر تھے اور انہوں نے دہلی زمانہ پایا جو جرمنی کے ماسٹر شاعر گوٹے کو نصیب ہوا۔ گوٹے بھی..... مرزا صاحب یہاں تک کہ پائے تھے کہ مردار بی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے بات کٹ کر اپنی بات شروع کر دی۔

مردار بی: لیکن مرزا صاحب! جنم میں جائیں غالب اور گوٹے۔ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ جرمنوں سے روپیہ حاصل کرنے کی ترکیب بتائیں گے۔

مرزا صاحب: بالکل درست اور میں دہلی ترکیب تو بتا رہا ہوں۔ آپ ذرا بٹنے جائیے۔ آپ ہندوستان کے بہت بڑے مورخ شاعر اور لکھ ہیں۔

مردار بی: میں اور شاعر؟

مرزا صاحب: جس آپ چپ، پیسے اور میری بات بٹنے آپ اقرار کے دن ہو مرگ ہاں! میں ایک تقرر کریں گے جس میں آپ غالب اور گوٹے کی شاعری کا موازنہ فرمائیں گے۔

مردار بی: یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میں تو جرمن زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا اور نہ غالب اور گوٹے کی شاعری سے واقف ہوں۔

مرزا صاحب: آپ اردو زبان میں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پنجابی زبان میں تقرر فرمائیے۔ بات صرف یہ ہے کہ بولتے جائیے۔ غالب اور گوٹے کی شاعری سے آپ واقف نہیں تو ان کے نام تو پڑاں مشکل نہیں۔ ذرا کہے تو۔

مردار بی: غالب گوٹے..... غالب گوٹے۔

مرزا صاحب: بالکل ٹھیک۔ آپ ہاں ہو گئے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غالب لڑکے کہے۔ انگریزی زبان میں سے ہم لہجہ کہتے ہیں۔ جرمن میں اسے لڑکا کہا جاتا ہے۔

مردار بی: غالب اور گوٹے..... غالب لڑکے

مرزا صاحب: وا۔ وا! غراب! اب آپ ہندوستان کے بہت بڑے ستار ہیں کل برلن کے اخبارات میں اعلان شائع ہو

اس مقام پر مرزا کاظم نے اظہارِ حاضریں سے جو میں زبان میں کہا کہ پروفسر، تم گلے اب غالب کے چند اشعار سنائیں گے۔ سردار صاحب نے اپنے مخصوص قوی انداز میں یہ گانا شروع کر دیا۔

اسی وقت دے

فی اسل وے شرابی رہتا ہی ہریم کر دے مارے اودہ وچ کندہ کر لے
مرزا کاظم کرسی سے اچھل پڑے۔ جس پر حاضریں نے انہوں سے لٹکان میں گونج پیدا کر دی اور دیا معلوم ہوا ہے کہ سب نے ان اشعار کو بے حد پسند کیا ہے۔ سردار صاحب پھر لے اسیں مر گئے۔
فی اسیں مر گئے کلیاں کر دے فی ہر نام کر دے مارے اپنے حجرے
بندے نہ جئے ہائے فی اسیں مر گئے۔

اس واقعہ بھی حسب معمول کافی دلاؤٹی۔ لیکن دلو کی حد تو اس وقت ہوئی جب سردار صاحب نے "غالب" کی دو "شعرت" سنائی جس کا ٹیپ کا مصرعہ یہ تھا۔

موزیں بایا ڈانگ دھانکا جھنکی

ڈانگ گھٹ کر گیا۔ اور سردار پر تمام گلے "سورج" شاعر اور باہر ادبیات کی تقریر ختم ہوئی۔ اس کے بعد مرزا کاظم اٹھے اور انہوں نے خاصیت فصیح جو میں زبان میں جان گیا کہ پروفسر نے جس قابلیت کے ساتھ صاحب اور گنگے کا موازنہ کیا ہے شاید ہی آج تک کسی نے کیا ہو کم از کم برلن میں تو ایسی تقریر کب تک نہ ہوئی ہو گی اور مجھے غور ہے کہ میرے ہاتھ نے پروفسر صاحب جیسے آدمی پیدا کیے ہیں میں اس پر دی تقریر کا ترجمہ کر کے برلن کے اخبارات میں شائع کراؤں گا۔ اور آپ دیکھیں گے کہ میرے وطن کے بایں باہر ادبیات نے علم و فضل کے کیا کیا دیا ہوا ہے۔ میں آپ صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے پروفسر صاحب کے خیالات سننے کی تکلیف گزارا فرمائی۔ اس کے بعد صاحب مدد اٹھے اور انہوں نے پروفسر صاحب اور مرزا کاظم کا شکریہ حاضریں کی طرف سے ادا کیا۔ اور جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا پھر کیا تھا۔ پڑے پڑے لوہے "شاعر" اخبار نویس اور دیکھیں سردار صاحب سے معاملہ کرنے کو لگے۔ اور آپ کو بڑی مشکل سے ہال کے دروازے تک لیجا گیا۔ اسی رات کو مرزا کاظم "پروفسر" تم گلے کو فریج پر سوار کرانے لگے لے اسٹیشن تک لے گئے اور دونوں کی جھینٹوں کوں سے پر تھیں۔

★

یہ یاد رکھو کہ یہ سب سوانح مرزا کاظم کے ہیں۔ میں نے ان سب باتوں کو یاد کیا ہے۔
اور یہ کہ یہ سب باتیں مرزا کاظم کے ہیں۔
اور یہ کہ یہ سب باتیں مرزا کاظم کے ہیں۔

★

یہ یاد رکھو کہ یہ سب سوانح مرزا کاظم کے ہیں۔ میں نے ان سب باتوں کو یاد کیا ہے۔
اور یہ کہ یہ سب باتیں مرزا کاظم کے ہیں۔

29 - سوانح مرزا کاظم

مرزا کاظم کی سوانح مرزا کاظم کے ہیں۔
مرزا کاظم کی سوانح مرزا کاظم کے ہیں۔
مرزا کاظم کی سوانح مرزا کاظم کے ہیں۔

مرزا کاظم

غالب جدید شعرا کی ایک مجلس میں

کھینچا لال کپور

دور دور کے شعرا کی ایک مجلس میں مرزا غالب کا اظہار کیا جا رہا ہے اس مجلس میں تقریباً "تمام عظیم الشان شعرا تشریف فرما ہیں۔ شاعرانہ اور شاعرانہ ہر ایک 'ڈاکٹر قرین حسین' غرض 'میاں مفتی احمد غفر' راجہ صد علی خاں 'پروفیسر حفیظ احمد خٹک' 'نکیراجیت' 'روا' 'مہدالی' 'نکاح' وغیرہ وغیرہ ہر ایک مرزا غالب داخل ہوتے ہیں ان کی شکل و صورت بے حد دلچسپی ہے ہر سوانحی نے "یارکار غالب" میں بیان کی ہے۔ ان کے ہاتھ میں "راجہ ان غالب" کا ایک نسخہ ہے۔ تمام شعرا کھڑے ہو کر آداب بجالاتے ہیں۔

غالب: حضرات میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے جنت میں دعوت دے کر بھجوا دیا اور اس مجلس میں مدعو کیا۔ میری مدت سے آرزو تھی کہ دور دور کے شعرا سے شرفِ نیاز حاصل کروں۔

ایک شاعر: یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ

وہ آنکھی گھر میں تارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

غالب: رہتے بھی دیکھتے اس بے جا تشریف کو۔ میں آتم کو میں دالم۔

دوسرا شاعر: تشریف رکھیے گا۔ کتنے جنت میں خوب گزرتی ہے۔ آپ تو فرمایا کرتے تھے۔ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت کچھ۔

غالب: (مسکرا کر) کبھی جنت بھی خوب جگہ ہے۔ جب سے وہاں گیا ہوں۔ ایک شعر بھی سوزوں نہیں کر سکا۔

دوسرا شاعر: قحب! جنت میں تو آپ کو کافی فراغت ہے۔ اور ہر ایک جگہ میرے۔ پیتے کو شراب۔ انعام لینے کو پانی ڈالو۔ اور اس پر یہ فکر کو سوں دور کر

آپ کا بندہ اور ہمدرد

آپ کا نوکر اور کھاناں لہو

باجوہ اس کے آپ کچھ کہو۔۔۔

تیسرا شاعر: (بات کٹ کر) شاید اقبال کا کیا حال ہے۔

غالب: وہی ہو اس دنیا میں تھا۔ وہی دولت خدا سے لڑتا تھا۔ وہی پرائی بٹ

مجھے گھر جہاں کہیں ہو جہاں میرا ہے یا میرا

چوتھا شاعر: میرے خیال میں دقت کافی ہو گیا ہے۔ اب مجلس کی کارروائی شروع کرنی چاہیے۔

دوسرا شاعر: میں گری مدداریت کے لیے چاہاں م۔ م اور شدہ کام تمہیں کرتا ہوں۔

(اور شدہ صاحب گری مدداریت پر بیٹھنے سے پہلے حاضرین مجلس کا شکریہ ادا کرتے ہیں)

م۔ ن۔ ارشد : میرے خیال میں انڈیا مرزا غالب کے کام سے ہوئی چاہیے میں لکھتے لوں سے مراد موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا کام پڑھیں۔

غالب : ابھی جب ہمارے سامنے شیخ لکائی جانے کی تو ہم بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔

م۔ ن۔ ارشد : صاف بچے کا مرزا اس مجلس میں شیخ وغیرہ کسی کے سامنے نہیں جانے کی شیخ کی بجائے یہاں مجلس کیڈل پاور کا لیپ ہے۔ اس کی روشنی میں ہر ایک شاعر اپنا کام پڑھے گا۔

غالب : بہت اچھا صاحب تو فرل بنے گا۔

باقی شعرا : ارشد۔

غالب : عرض کیا ہے۔

غلا نکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم تو عاشق ہی تمہارے نام کے

(باقی شعرا ہنستے ہیں۔ مرزا حیران ہو کر ان کی جانب دیکھتے ہیں)

غالب : اسی صاحب یہ کیا حرکت ہے۔ نہ دار نہ حسین۔ اس بے موقع شعرہ دہنی کا مطلب؟

ایک شاعر : صاف بچے مرزا ہمیں یہ شعر کچھ بے معنی سا معلوم ہوتا ہے۔

غالب : بے معنی؟

ہیرانی : دیکھئے نامرزا آپ فرماتے ہیں۔ غلا نکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو۔ اگر مطلب کچھ نہیں تو غلا نکھئے کا فائدہ

ی کیا۔ اور اگر آپ صرف معشوق کے نام کے ہی عاشق ہیں تو میں پیسے کا غلا بڑا کر دے کیا ضرور ملے گا نظر ہر اس کا نام لکھ لیجئے۔

ڈاکٹر قرین حسین خاں : میرے خیال میں اگر یہ شعر اس طرح لکھا جائے تو زیادہ سوزوں ہے۔

غلا نکھیں گے کیونکہ چمکنے سے ہمیں دختر سے آج

اور چاہے بھیجا ہم کو چڑے ہر گھ ی

پھر بھی تم کو غلا نکھیں گے ہم ضرور

چاہے مطلب کچھ نہ ہو

جس طرح سے میری اک اک نظم کا

کچھ بھی تو مطلب نہیں

غلا نکھیں گے کیونکہ الفت ہے ہمیں۔

میرا مطلب ہے محبت ہے ہمیں

یعنی عاشق ہی تمہارے نام کے

غالب : یہ تو اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ میرے اس شعر کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ کچھ تھا کسے کوئی

بھرائی: جنوں! جنوں کے حلق مرزا میں نے کچھ عرض کیا ہے اگر اجازت ہو تو کہوں۔
غالب: ہاں ہاں۔ بڑے شوق سے۔

جنوں ہوا جنوں ہوا
مگر کہاں جنوں ہوا
کہاں ہوا وہ کب ہوا
ابھی ہوا یا اب ہوا
نہیں ہوں میں یہ جانتا
مگر چہ شامری
میں کہنے کا جو شوق ہے
تو بس یہی ہے وہ کہ
دامع میرا چل گیا
یہی سبب ہے جو مجھے
جنوں ہوا جنوں ہوا

غالب: (خوشی کو روکتے ہوئے) سبحان اللہ کیا برکت اشعار ہیں۔

م۔ ن۔ ارشد: اب مرزا غزل کا وہ سرا شعر فرمائیے۔

غالب: میں اب مقلعہ ہی عرض کروں گا۔ کما ہے

حلق نے غالب نکلا کر دیا

دو نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عبداللہ: کہانی معاف مرزا۔ اگر اس شعر کا پہلا مصرع اس طرح لکھا جائے تو ایک بات پیدا ہو جاتی۔

غالب: کس طرح؟

عبداللہ:

حلق نے ہاں ہاں تمہارے حلق نے

حلق نے کچھ! تمہارے حلق نے

مجھ کو نکلا کر دیا

اب نہ اٹھ سکتا ہوں میں

اور پیش تو سکتا ہی نہیں

جانے کیا نکالوں میں

یعنی نکال کر دیا

اچھا قصارے مطلق نے

گرتا ہوں اور اٹھتا ہوں میں

اٹھتا ہوں اور گرتا ہوں میں

یعنی قصارے مطلق نے

اچھا نکال کر دیا۔

غالب: (ظہار) بہت خوب۔ یعنی غضب کر دیا۔

فیہ امر غیۃ: اور وہ سرا مصرع اس طرح نکال چکا تھا۔

بہت تک نہ بھوک مطلق تھا

تک تک مجھے کچھ ہوش تھا

سب کام کر سکتا تھا میں

اور دل میں میرے ہوش تھا

اس وقت قاضی آدمی

اور آدمی قاضی کا

تجربہ قصارے مطلق نے

بھوک کو نکال کر دیا۔

غالب: کامل ہی ذکر دیا یعنی۔ اب آپ لوگ اپنا اپنا کام خاتم کریں۔

م۔ ن۔ ارشد: اب ڈاکٹر قربان حسین خالص جو جدید شاعری کے امام ہیں اپنا کام خاتم کریں گے۔

ڈاکٹر خالص: ابی ارشد صاحب میں کیا کہوں اگر میں امام ہوں تو آپ مجھ سے آپ جدید شاعری کی حوصلہ ہیں اور میں

تک سبیل۔ اس لیے آپ اپنا کام پہلے چھوڑیں۔

م۔ ن۔ ارشد: قربان! اتنی سرگرمی۔ اچھا اگر آپ مصرعیں تو میں ہی اپنی نظم پہلے پڑھتا ہوں۔ نظم کا عنوان ہے " "

پولہ" عرض کیا ہے۔

آمری جان میرے پاس اٹھیں گے قریب

جس کے آغوش میں یوں بیچ رہے ہیں شیط

جس طرح دور کسی دشت کی پہاڑی میں

رقص کرتا ہو کوئی بھوت کہ جس کی آنکھیں

کرم شب تاب کی ہانڈ پتک اٹھتی ہے

ایسی تکیہ کی لذت سے مکرور ہے تو
تو کہ اک اجنبی انہماں ہی عورت ہے جسے
رقص کرنے کے سوا اور نہیں سمجھتا
اپنے بہ کار خدا کے ہاتھ

دوہرہ کو جو بھی بیٹھے ہوئے دفتر میں
خود کشی کا مجھے یک لذت خیال آتا ہے
میں نگار الفتا ہوں یہ جیتا بھی ہے کیا جیتا
اور چپ چاپ دیکھنے میں سے بھر بھرتکا ہوں

آمری جان مرے پاس اچھیلی کے قرب
تاکہ میں چم ہی لوں عارض کفلام ترا
اور ادب و وطن کو یہ اشارہ کر دوں
اس طرح لیتا ہے اظہار سے بدلہ شاعر
اور شب جیٹن گزر چلنے پر
ہر صبح درم و درم نکل جاتا ہے
ایک بوڑھے سے مجھے ہاتھ سے دھرا کے پاس
پھر ذکر ہمز پنجاب و سمور

(نظم ن کر سائنس پر وجہ کی حالت غاری ہو جاتی ہے۔ ہیرا می کہنے ہوئے خالی دیتے ہیں۔ یہ نظم اس صدی کی بھڑی نظم
ہے، بلکہ میں تو کہوں گا کہ اگر ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس میں اچھیلی، بھوت، اور دفتر تھذیب، تمدن کی قصوں، الجھنوں کے
مائل ہیں)

(حاضرین ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے دیر لب مکرراتے ہیں)

غالب: ارشد صاحب صاف کیجئے آپ کی یہ نظم کم از کم میرے نظم سے تو ہلاتر ہے۔

نیک احمد نقیہ: یہ صرف ارشد پر ہی کیا ٹھہرے۔ مشرق کی جدید شاعری ایک بڑی حد تک صمم اور اوراک سے ہلاتر
ہے۔

م۔ن۔ ارشد: مثلاً میرے ایک دوست کے اس شعر کو لکھئے۔

ہاتھ کی کیا لڑ ہے دستار منہا

باب ہے جو مجد جہان کی سر سے

اب جانے اس شعر کا کیا مطلب ہے؟

غالب: (شعر کو دہرا کر) صاحب جی تو یہ ہے کہ اگرچہ اس شعر میں سر اور جہ کے الفاظ شامل ہیں۔ مگر ہر دو ان کے اس شعر کا نہ سر ہے نہ جہ۔

م۔ ن۔ ارشد: وہی پھونڈیے اس حرف گیری کو۔ آپ اس شعر کو کبھی ہی نہیں۔ مگر غیر اس بحث میں کیا دکھا ہے۔
کیوں نہ آپ ڈاکٹر قریان جیسی خالص سے درخواست کی جانے کہ اپنا کلام پڑھیں۔
ڈاکٹر خالص: میری قلم کا عنوان ہے "عشق" عرض کیا ہے۔

عشق کیا ہے؟

میں نے اک عاشق سے پوچھا

اس نے ہوں رو کر کہا

عشق اک طوفان ہے

عشق ایک سیلاب ہے

عشق ہے آگ و زور

شعلہ جہان۔۔۔۔۔ عشق

عشق ہے پیغام موت

غالب: بہن یہ کیا مذاق ہے۔ قلم پڑھے۔ مطالعے میں نثر کا کیا کام؟

ڈاکٹر خالص: (جھنجھو کر) تو آپ کے خیال میں یہ نثر ہے؟ یہ ہے آپ کی حق حقی کا عالم اور فرمایا تھا آپ نے

ہم عشق قسم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

غالب: میری کچھ میں تو نہیں آیا کہ یہ کس قسم کی نظم ہے۔ نہ "قلم" نہ قافیہ نہ ردیف۔

ڈاکٹر خالص: مرزا صاحب۔ یہی تو جدید شاعری کی خصوصیت ہے آپ نے اردو شاعری کو قافیہ اور ردیف کی فوادہ

ڈانچوں میں قید کر دکھا تھا ہم نے اس کے خلاف جہاد کر کے اسے آزاد کر کیا ہے اور اس طرح اس میں وہ اوصاف پیدا

کیے ہیں جو اصل فوادہ خصوصیات سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ میری مراد رخصت تھیل۔ ناؤ کی افکار اور ندرت فکر سے

ہے۔

غالب: رخصت تھیل۔ کیا خوب کیا پرواز ہے

میں نے اک عاشق سے پوچھا اس نے ہوں رو کر کہا

ڈاکٹر خالص: (پڑ کر) عاشق رو کر نہیں کہ گا تو کیا فتنہ لگا کر کہے گا؟ مرزا آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ عشق اور ردیف

میں کتنا کمال حاصل ہے۔

غالب: مگر آپ کو قافیہ اور ردیف ترک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

رہتی اور لوگر پاس کی وجہ سہلی شعرا کا سچ نہیں بلکہ ہماری طبیعت کا فطری میلان ہے جو زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شعروادوب میں بھی آؤٹروی کا جوڑا ہے اس کے علاوہ دورِ جدید کی روح۔ انتخاب۔ تخلیق حقیقت۔ تجسس۔ عقل پرستی اور جدوجہد ہے ماحول کی اس تبدیلی کا اثر ادب پر ہوا ہے۔ اور میرے اس نکتے کو شکریے نے بھی اپنی کتابِ دشتِ بغیر میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اسی لیے ہم نے محسوس کیا کہ قدیم شاعری ناقص ہونے کے علاوہ روح میں وہ لطیف کیفیت پیدا نہیں کر سکتی جو مثال کے طور پر ڈاکٹر خالص کی شاعری کا ہر ہے قدیم شعرا اور جدید شعرا کے ماحول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قدیم شعرا اقبال مولانا آزاد حسن و عشق کی حدود سے باہر نہ نکل سکے اور ہم بن میں انہوں میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں نہ کن کی وسعت کی انتہا ہے اور نہ ان کے چاہب و خاکب کا شعور۔

خاکب : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

مہ : ارشد : لوگر صاحب یہ کتنا چاہتے ہیں کہ ہم ایک ہی دنیا میں رہتے ہیں۔ یہ ریلوے، ہوائی جہاز اور دھماکے سے بچنے والے بھول کی دنیا ہے یہ بھوکہ، بیماری، انتخاب اور آؤٹروی کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں وہ گرم اپنا وقت حسن و عشق گل و بلبل، شیریں قریا کے الملوں میں ضائع نہیں کر سکتے۔ شاعری کے لیے اور بھی موضوع ملن ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ایک شاعر نے کہا۔

آج تک سرخ و سیاہ صدیوں کے سامنے تھے

آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گزری ہے

سوت اور زیت کی روزانہ صف آرائی ہے

ہم پہ کیا گزرتا ہے گی۔ ابد او پہ کیا گزری ہے

یہ جسکی کیفیت پتلا چٹا ہے جہن جہن کا

یہ ہر اک مست پہ اسرار کزی دیا لہریں

یہ بھی ہیں ایسے کئی اور بھی مضمون ہوں گے۔

راجہ حمد علی خاں : بہت خوب ہے یہ بھی ہیں ایسے کئی اور بھی مضمون ہوں گے ایسے ہی مضامین میں سے ایک مضمون "ڈاک خاند" ہے۔ جو میری اس قلم کا ہر میں ابھی آپ کے سامنے پڑھوں گا۔ موضوع ہے۔

خاکب : ڈاک خاند؟

راجہ حمد علی خاں : مرزا اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے سنئے عرض کیا ہے۔

ڈاک خاند کے ہے اندر آج الہ کتنا ہم

والے کو کھانکرتے ہیں کس قدر الہ آدمی

ان میں ہر اک کی لٹا ہے کہ وہ

اللہ کر جلدی سے لٹا ڈاڑھ مل

بھاگ کر دیکھ کہ اس کی سا لٹلی

ہے ہڈی باہر جہاں رکھ کر آئے
 اس کو عورت کا گھٹنے جیسا بدل
 ڈاک جاتے میں ابھی کیا تھا وہ ڈاکے
 اٹھ ہادی نظر نہیں
 چارہ ہے جی ہڈ چار اطراف کو
 ہے مگر کسی شخص کا یہ سب قصور
 پہنچ کر کمر کو لہجہ کو کوہِ جاف کو
 کیا نظر میری نہیں کرتی ہے کام
 دیکھتے آئی ہے اک عورت لٹاؤ ڈاکے
 بھینچا سا ہر گیا ہے شام کا
 کون کتا ہے کہ اک عورت ہے یہ
 ہڈی کا ہے کسی کا لچا کا کر
 جس کے ہل
 اٹھو قاتل
 اس قدر تلخ ہیں عورت سے کہ ہم
 اس قدر دیتے ہیں وہ دھوکا ہمیں
 ڈاک جاتے میں جی وہ آتے لٹاؤ ڈاکے
 کہ نظر آتے ہیں ہم کو عورتیں
 کہ ہمارے نوجوان
 کہ ہمارے ہے قہر کا قصور

(ادوہوں کی داد دی چلتی ہے۔ ہر طرف سے مرزا بھی کمال کر دیا کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مرزا غالب کی سرسید بھی برسرِ دمِ حقیقتی جاری ہے)
 م۔ ن۔ ارشد: غالب میں بدوستان کے مشہور شاعر پرویز فیتہ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے آزاد افکار سے ہمیں نوازیں۔

پرویز فیتہ: میں نے تو کوئی نئی چیز نہیں کہی۔
 میرا ہی: تو ہر ویں نظم سنا دیجئے جو پچھلے دنوں ریڈیو والوں نے آپ سے سناوائی تھی۔
 پرویز فیتہ: آپ کی مرضی تو دی سن لیجئے۔ عنوان ہے ”گلانی“
 فون پھر آگیا دل دارا میں فون نہیں

سانچیں ہو گا کہیں لور چا جانے گا
 دھل بھی رات اترنے کا کھنوں کا ہمار
 کہنی باغ میں لٹکوانے گئے سرور چراغ
 شک کیا رات کو چا کے ہر اک چر کیدار
 گل کرد دامنِ انیسویں کے ہر سیدہ داغ
 ہار آئے ہے گئے سرور دہلاؤ دار
 اپنے ہے طراب گھوڑے ہی کو دائیں دواؤ
 اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آتے گا

(نظم کے دوران میں اکثر مصرعے دو دو بلکہ چار چار چمکاتے ہیں لور پرویز فیتہ بار بار مرزا غالب کی
 وہ طرف داد طلب لگا ہوا ہے دیکھتے ہیں۔ مرزا غالب صوبت ج۔ ۲)

م۔ ن۔ ارشد: حضرات میرے خیال میں یہ کوئی عشقیہ نظم نہیں ہے بلکہ اس میں شاعر نے ملک کے داخلی فحاشی جذبے کو خوب بھرا۔

دلیلیں: (سرکوشی کے انداز میں ہیرائی سے) کیا اس ہے!

م۔ ن۔ ارشد: اب ہیرائی لپٹا کلام پڑھیں گے۔

ہیرائی: میری نظم کا عنوان ہے۔ "دلیلیں"

غالب: دلیلیں؟

ہیرائی: لیکن۔ اگر آپ ام کی صفت میں قصیدہ لکھ سکتے ہیں تو کیا بدھ دلیلیں پر نظم لکھنے کا حقدار نہیں۔

غالب: سوال کیجئے گا نظم پڑھے۔

ہیرائی: عرض کیا ہے۔

منجلیں . دلیلیں کی . صوبہ بنیادی
 رنگ میں تم ہو کرشن مرادی
 جان بھی ہیں سکبیاں بنیادی
 راجا رانی آئی بھی تھی
 کرشن سکبیاں وجود رہے ہیں
 لیکن میں تو بھول چکا ہوں
 بیچن سے یہ بات چلی تھی
 بھوک تھی ہے کھلی ہاتھ
 لی میں ہے اک بھون کے دلیلیں
 کھلاں لیکن راجا بنیادی
 رنگ کہ اس کے دیکھ کے مجھ کو
 یاد آتے ہیں کرشن مرادی
 اس لیے بھوکا رہتا ہوتی
 چونکہ میں ہوں پریم بنیادی

(ہر طرف سے داد دی جاتی ہے۔ بعض شعراء کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں، بعض جدید شاعری ہیرائی ہی کا حصہ ہے)

م۔ ن۔ ارشد: اب چاہے کتنا ہییت صاحب دیر سے استدعا کی جاتی ہے کہ لپٹا کلام سنیں۔

کنا ہییت دیر: میں نے حسب معمول کچھ گیت گائے ہیں۔

غالب: (خیران ہو کر) شاعر اب گیت گوتے گوتے ہیں۔ میرے اٹھ دینا کہ ہر جا رہی ہے۔

کنا ہییت دیر: مرزا آپ کے زمانے میں گیت شاعری کی ایک باقاعدہ صنف قرار نہیں دیے گئے تھے۔ دور جدید

کے شعراء نے انہیں ایک قابل عزت صنف کا درجہ دیا ہے۔

قالب: بی ہاں ہمارے زمانے میں عورتیں۔ ہمارے "میرا سنی" اس لٹائل کے اور لوگ گیت لکھا کرتے تھے۔
 لکھا بیت دردا: پہلا گیت ہے "ہر بھن کا خدیں" غرض کیا ہے۔
 از چادیں بدیں دے کوئے از چادیں بدیں۔

سن کر تھری کانیں کانیں

قالب: ٹوب۔ سن کر تھری کانیں کانیں
 لکھا بیت دردا: غرض کیا ہے۔

سن کر تھری کانیں کانیں

آنکھوں میں آنسو بھر آئیں

بول یہ میرے من کو ہائیں

مت جانا بدیں دے کوئے از چادیں بدیں

م۔ ن۔ ارشد: بھئی۔ کیا اچھا خیال ہے پڑتے صاحب "میرے خیال میں ایک گیت آپ نے کیو تر بھی لکھا تھا وہ بھی
 مرزا کو دیکھتے۔

لکھا بیت: مجھے پہلا بند ہے بول کیو تر بول!

دیکھ کو لیا کوک رہی ہے

من میں میرے ہوک اعلیٰ ہے

کیا تھ کو بھی بھوک گی ہے

بول غز فوں بول۔ کیو تر

بول کیو تر بول

باقی شعرا: (ایک زبان ہو کر) بول کیو تر۔ بول کیو تر۔ بول کیو تر۔ بول۔

(اس آغ میں مرزا قالب نہایت گھبراہٹ اور سراپائی حالت میں دروازے کی طرف دیکھتے ہیں)
 لکھا بیت دردا: اب دوسرا بند ملے۔

بول کیو تر بول

کیا میرا ساجن کتا ہے

کیوں مجھ سے روٹا رہتا ہیں

کیوں میرے ٹپٹے ستا ہے

بھد یہ مارے کھول۔ کیو تر

بول کیو تر بول

باقی شعرا: (ایک زبان ہو کر) بول کیو تر۔ بول کیو تر۔ بول کیو تر۔ بول۔

(اس غرور دل کی ٹپ دنا کر مرزا قالب بھاگ کر کمرے سے باہر لپکتے ہیں)

غالب کے حالات میں پہلا مضمون؟

سید مسعود حسن رضوی

عقی ہال کوئٹہ، انقرنے آگرہ سے ایک ماہوار رسالہ ”ذخیرۃ ہال کوئٹہ“ کے نام سے ۱۸۶۸ء کی ابتداء میں جاری کیا۔ عقی صاحب دہلی گزٹ پر ہیں، آگرہ کے دفتر میں لکھ کر تھے۔ خود اس کا بھی ایک مطلع تھا آگرہ اردو اخبار پر جس اور اس کے مضمون پر غر اور بہشتیہ غور ہی تھے، یہ مطلع آگرہ کے مجھے پتیل مطبوعہ میں واقع تھا ”ذخیرۃ ہال کوئٹہ“ اسی مطلع میں بہت جلدی تصنیف کے ۳۸ سطروں میں بچتا تھا۔ اس کا چند سالانہ چھ روپے اور محصول اداک ہارہ آئے تھا۔ اس رسالے کے تئیں پہلے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان میں سے پہلا پرچہ مارچ ۱۸۶۸ء کا اور ”غری و صبر“ ۱۸۷۰ء کا ہے۔ رسالے کے مضامین کی نوعیت کا اندازہ سردار کی حسب ذیل عبارت سے کیا جاسکتا ہے:

”ذخیرۃ ہال کوئٹہ مشتمل برمجموع علوم و فنون و تحقیقات برحکم و رائے و تقریر و معرفت الہی و مآذبات و روزگار و حالات و دلچسپ و قصص و تہذیب و عقائد و قرآنک و مراسلات و فضیلت شعرائے حال مع نقشہ ہفت و تعداد۔“

اس رسالے کے مارچ ۱۸۶۸ء کے پرچے میں مرزا غالب کے حلقے ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان ہے ”مرزا اسد اللہ خاں متوفی المتخلص بہ غالب و نوش“ غالب کی وفات ۱۵ فروری ۱۸۶۸ء کو واقع ہوئی۔ اس سال کے صرف چند روز بعد یہ مضمون لکھا گیا اور خانہ مرزا غالب کے حالات میں یہ پہلا مضمون تھا جو کسی رسالے میں شائع ہوا۔ اس مضمون سے غالب کے حلقے بھری مطالبات میں یکو اختلاف بھی ہوتا ہے۔ (اب اسے یک صد ایتیس سال بعد پھر شائع کیا جا رہا ہے۔)

مرزا اسد اللہ خاں متوفی المتخلص بہ غالب و نوش

یہ شخص شہر دہلی میں ایک بڑا بانی گرامی شاعر قاری کا تھا۔ اگرچہ اشعار اردو، لکھی اس کے بہت ہیں مگر زیادہ تر شہرت فارسی میں حاصل تھی۔ ممالک مغربی ہند کے پڑھے لکھوں میں کم شخص ہوں گے جنہوں نے اس کے شعر اردو و فارسی کے پڑھے یا سنے نہ ہوں گے۔ کام میں شخص اپنا کہیں اس نے غالب اور کہیں نوش لکھا ہے۔ اگرچہ نام اسد اللہ خاں تھا مگر دہلی اور دیگر اصناف میں عموماً لوگ مرزا نوشہ کہا کرتے تھے۔

اس کی تحریرات سے واضح ہوتا ہے کہ سلسلہ اس کے خاندان کا اقرا سیلاب ہوشیار پور تحصیل سے مسلسل تھا۔ ابتدا میں اس نے اور اس کے بزرگوں نے جو دولت، کثرت اور اعتبارات پائے بہ فن بہ گرمی و ہر ہر شہسیر پائے۔ علم قاری اس نے بعد روزگار تحصیل نہیں کیا تھا، اپنے دلی دوست سے سیکھا تھا۔ سوز دینی طبع کے باعث طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ علاوہ نام ہونے کے باوجود بھی تھا۔ تشریں سلامت کتابیں اس کی تصنیف و تالیف کی ہوئی زیادہ معروف ہیں اور بہت سی چھپ گئی ہیں نام اور مطالب

ان کے یہ ہیں نکتے:

۱۔ دین ان فارسی۔ اس میں تھیں ۳۰۰۰ ہزار شعر ہیں۔

۲۔ دین ان ریختہ، یہ دین ان اردو، فصاحت مختصر ہے۔

۳۔ مہر غمخوار، یہ تاریخ خانہ ان جمودیہ کی تشریں ہند اسے زمانہ ہجریوں شاہ سے تا پہرہ پلور شاہ خارج شدہ پادشاہ دہلی تھیں مختصر ہے۔

۴۔ دشتیو، اس میں ایام ندر ۱۸۵۷ء کی چھی اور پڑھائی اپنی کا مال تشریں قلم بند کیا ہے اور عبارت میں کوئی لفظ عربی کا نہیں لایا ہے۔

۵۔ پنج آہنگ، اس کتاب میں اپنے خطوط، دیباچے، خانے کتب کے، اصطلاحی محاورے، قواعد فارسی، احاطہ اور مصداق درج کیے ہیں۔

۶۔ اردو سے معنی، اس مجلے میں اہل انطاخ واقع دہلی کے معجم نے اردو زبان کے واقعات ان کے جمع کر کے یہ نام رکھا ہے اور انہیں کے یہاں شاید چھپ بھی رہے ہیں۔

۷۔ قاطع بردہاں، یہ تہذیبی نام درفش کلمائی، اس میں بردہاں قاطع مشہور کتاب لغت کے سہ لکھ کی خطبیاں نکاہری ہیں۔ لکھا ہے کہ سوائے ان کتابوں کے اور بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسالے اس کے موجود ہیں مگر اس قدر مشہور نہیں ہیں اور نہ خود معروف طبع میں آئے ہیں۔

ایک عرصہ ہوا جب یہ بانی شاعر زور اسلام آباد کر علیہ فرمیں سے آراستہ ہوا تھا۔ ہر چند اس کے اصحاب نے جہاں اس مذہب نو اختیار کا اور کیفیت فرمیں ہوس کی دھوا کا دے دے کر بھی دریافت کی یہ اس نے ایک گھر بھی اپنی زبان سے نہ نکالا۔ یہاں کے گیا کہ نہ چھو (یہ کراستہ اور وصف اس مذہب کا خاص مشہور ہے) سے یہ حق کا ایام شباب سے تہہ عالم بڑی شوق تھا۔ جس وقت عالم سرور اور دن ایہ کاہا، لفظی لفظی ہوا چلتی ہوتی، روش باغ میں سیر میں و نکلتے لکھن کرنا ہوا تھا، اس وقت طبیعت در شتائے و لکھن و لکھن کو خیالوں میں طراوت بخشنے لگا دیکھ کر لڑا کرتی تھی۔ بعد وقت مرزا ادنیٰ، بانی گرامی شاعر اردو، ایک انشراح خطاب، استاد ہمارے شاہ کے یہی سرور حمایت سلطانی رہا کرتا تھا اور غزل بھی اس کی دیکھا کرتا تھا۔

انفیر میں ان دنوں کو زمانے میں عقلی سرکار دو حصار انگلشیہ کے علم و ہنر کی ترقی اور رواج بہت ہے تو انکڑوں نے واقف ہو کر ان کے قلم و ترکاموں پر ہجرے اعتراض کیے اور وہ انکڑوں میں شائع ہوئے تھے، بد اہلت بھی ان کے اسد اللہ خان کی طرف سے انکڑ درج کیے جاتے تھے۔ بہت سے نقل و نقل ہوتے تھے۔ ان میں بڑا خط اس شخص کا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ میں طبیعت ضعیف رہا گیا ہوں، اس میں ہفت اور خاطر یہ بیان داتی ہے، بدن میں ضعف ضعیفی غالب ہے، سماعت سے جاری ہوں، ہاتھ پاؤں کام کم کرتے ہیں، آدمی کی صورت نہیں بچاتا، آواز کم سنائی دیتی ہے، بد کوئی بد وقت طاقت بہت کیا چاہتا ہے، لکھ کر دیتا ہے اور اس کا جواب تحریر ہی لیتا ہے، لکھ قلم روات، ہاتھ قلم دین بہت بد وقت پیش نظر رہے ہیں، طور و خوش کے اسلم کی قوت نہیں، زندگی کا لطف نہ رہا، موت نزدیک مظلوم ہوتی ہے، اگر چند روز مرے جسے تو کیا جسے، اب قابل معافی ہیں اور واقع میں یہ جواب اس کا مستقل تھا۔

مرزا غالب کا نسب نامہ

خواجہ قمر الدین راقم

اس بناء خاکسار نے جنامت خواجہ قمر الدین راقم نے جب شرح دیوان غالب فتح کیا اور ہر شعر کے معنی عربی و فارسی اسلوبی حل کر لیے ' اس وقت خیال آیا کہ مرزا غالب کا اور اپنے بزرگوں کا نسب بھی خانہ دانی ظاہر کرنا ضرور ہے تاکہ جاس و عام پر روشنی دہری ہو کہ غالب کون تھے اور کیا تھے اور ان کے خانہ دانی بزرگ کس مرتبے کے تھے اور راقم سے غالب کا سلسلہ نسب کیا ہے ' اس سبب سے اس فقیر نے اپنے بزرگوں کا حق خدمت اپنا قرض بھی کچھ کر لیا کیا کہ تا دور عالم ان کی یادگار میں قائم رہے۔ اگرچہ مولوی الطاف حسین حالی نے اپنی تصنیف "یادگار غالب" میں استاد کا نسب یہ اختصار لکھا ہے مگر وہ بھی اصرار استغوی زبانیاں خاشاکا لکھا ہے کس لیے کہ نسب کا پورا حال غالب کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ خود ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ان کے اب و دم ان کی بھلی میں مر گئے تھے اور خانہ دانی فقیر راقم کے دادا خواجہ مرزا حاجی خاں کے پاس قادیان میں رہتے ہیں غالب کے بھائی ہوتے تھے اور غالب کی پرورش وہی کرتے رہے۔ غالب نے جس قدر بھائی کی زبان سنا تھا جانتا اپنی تصنیف میں اس کا ذکر کیا ہے اور اپنی نسل قرندوں کی نسل میں جان کی ہے ' اس میں کچھ شک نہیں کہ غالب کے اور ہمارے بزرگ سلاطین قوران میں تھے۔ غالب کی مور ہمدانی یک ہدی نسل ہونے سے یہ جان ہرگز غلط نہیں ہے کس لیے کہ وہ فقیر راقم کی فکر سے مدد بھلی میں گزرا ہے اور راقم نے اکثر اپنے ہم بزرگوں کی زبان سے بھی خانہ دانی نسب کا حال سنا ہے لہذا وہ احوال جس قدر کہ میرے لوح سینہ پر نقش ہے لوگ راجہ علم کیا جاتا ہے :

واضح ہو کہ ہمدانی اور غالب کی اصل نژاد سلاطین قوران میں ہے جس زمانے میں قورانی سلطنت کا حاکم ہو گیا۔ پنج بھائی بھی نہ رہی تو ہمارے خانہ دانی کے لوگ اس طوائف الملکی میں چاہا مستقر ہو گئے اور جس نے جہاں اس بانی چاہا۔ پانچ کوئی سچا پس پشت کے بعد اس خانہ دانی میں دو برادران حقیقی جن کا نام راقم کو یاد نہیں ' ان کی اولاد میں دو فرزند ذمہ ہوئے ' بڑے بھائی کا چچا ترم خاں نور پور نے بھائی کا چچا رستم خاں تھا۔ جو زیہ دونوں بھائی مر شیب کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے والدین فوت ہو گئے۔ یہ دونوں کسی حالت میں اطلاع سرحد میں آکر آباد ہوئے۔ پھر ایک مدت کے بعد بدخشاں میں آکر رہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ سرحدیں ترکستان میں نور اسلام خاں پر تو خود شید نمود ہو رہا ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی شراب اسلام سے بے نیایاں ہوئے اور ترم خاں نے بدخشاں کے کسی شریف خانہ دانی میں اپنا قلعہ چاہ کر لیا ترم خاں کی اولاد میں تین دختر اور دو فرزند پیدا ہوئے یعنی ایک فرزند کا نام نصرائیہ بیگ خاں دوسرے کا مہاراجہ بیگ خاں تھا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد ترم خاں نے وفات پائی۔ ان کی اولاد مدت تک بدخشاں میں رہی مگر رستم خاں بھائی کے قلم میں بدخشاں میں نہ رہے ' ہزارا میں آگئے ' یہاں آکر قسوت عرصہ کے بعد رستم خاں بھی ایک دولت مند مگر خواجہ گنج پست میں ہو خواجہ عید اللہ ازاری کی نسل میں قادیان پہ گئے۔ ان کے پاس قلب الدین خاں فرزند پیدا ہوئے۔ جو زلف الدین خاں بن بزرگ کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے والدین گزر گئے اب قلب الدین خاں تھا خواجہ جی سے ممتاز ہوئے ' یہاں سے سلسلہ ذات ہمارا اہم غالب کا ہوا ہو گیا۔ رستم خاں کے بعد خواجہ قلب الدین کا اسی خانہ دانی میں منت ہوا۔ ان کے پاس ایک فرزند خواجہ

جانی جاں تولد ہوئے ان کی طرف بلوغ کے پہلی حق کی والدین کا احتمال ہو گیا۔ یہ قرین کہ فرائض جنگ خاں اور عہد اٹھ یک خاں
 مع اپنی بیویوں کے بچنے کے پاس بخارا میں آئے۔ کچھ دن بچنے کے شریک خاں رہے پھر بچنے سے راز دل جان کیا اور مشورہ لیا کہ
 ہمارا قصد ہے کہ ہم بدوستان جائیں اور سرکار شاہی میں ملازمت کریں۔ تم کیا صلاح دیتے ہو۔ خواجہ جانی خاں کہ کونوہاں سپاہی
 پیش تھے بدوستان کے شوق میں چھائی دانے کے شریک ہو گئے کہ انہما میں آپ کے ہمراہ چلوں گا۔ فرض کہ یہ چلا بچنے مع حقیقتیں
 کسی قدر سمیت ذاتی ہمراہ لے کر بخارا سے روانہ ہوئے۔ اول سرحد میں آئے۔ وہاں ایک امیر زادہ شریف قوم مرزا جیون جنگ
 خاں چلتا سے ملاقات ہوئی۔ انہما کے منتظر میں ستر کا ذکر آیا۔ مرزا جیون جنگ خاں بھی چلے کو چار ہو گئے اور مع اپنی زوجہ امیر اشہاد
 خاں کے ہمراہ ہوئے۔ فرض یہ دلائی قادیان و مراد بدوستان میں آیا اور شہر شہاد جہاں آباد میں مقیم ہوا۔ یہ زمانہ شاہ عالم کی
 سلطنت کا تھا اور ملک کی حالت نہایت اچھی تھی۔ بلکہ کالک انگریزوں کے قبضے میں تھا اور لودھ کالک صوبہ دار اور وہ نے دیا تھا۔
 اور قوم مرشد ہر طرف ملک کو تاراج کر رہی تھی۔ نواب نجف خاں ذوالفقار الدولہ وزیر سلطنت تھے مگر بد بھی رنج نہ ہوئی تھی۔
 یہ زمانہ وارد دلائی قادیان وزیر اعظم سے ملا۔ وزیر ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور ان سب کو ذکر دیکھ لیا اور ان کی ہر اوقات کے
 لیے ایک پرگٹ پراسا ہر مل گڑھ کے ضلع میں ہے جاگیر میں دیا اور کسی قدر شاہی فوج بھی مقرر کر دی کہ مرہٹوں کی روک تھام کرتے
 رہیں۔ کئی برس یہ قادیان شاہی ملازم رہے۔ ہونہ کوئی کار نمایاں ان سے عقود میں نہ آیا تھا کہ نواب نجف خاں وزیر اعظم سے کسی ہفت پر
 بھاڑ ہو گیا۔ یہ سب محل داد سے لڑ کر ہی ہموار کر اکبر آباد چلے آئے۔ وہاں رہنے لگے۔ اتفاق سے بھارتی راجہ سید حیا نے ان کا حال سن
 کر اپنے پاس بلایا اور ذکر دیکھ لیا۔ فرائض جنگ خاں کو پورے کچھ کا فرمایا اور خواجہ جانی خاں کو ایک رسالہ کا رسالہ لکھا اور
 ایک پوری بھٹی کی کیدانی مرزا جیون جنگ خاں کو ملی۔ فرائض جنگ خاں نے اپنے بھرنے بھائی مرزا عہد اٹھ یک کو گھر پر ہموار تھا کہ
 مشغول کی گرائی کریں۔ دوسرے مرزا عہد اٹھ یک نہایت مقلی مہارت گزار تھے۔ خود بھی گھر پر رہ گئے۔ اس اثنا میں مرہٹوں کی
 شورش زیادہ ہوئی۔ نواب نجف خاں نے انگریزوں سے مدد پائی کہ مرہٹوں کی سرکوبی کرو۔ انگریز یہ دقت ہی دیکھتے تھے۔ فوراً رضا
 مند ہو گئے اور فوج لے کر گوالیار پرورش کر دی۔ خوب جنگ ہوئی مگر کچھ کام نہ نکلا۔ آخر انگریز اپنی حکمت عملی کو کام میں لائے۔
 بھٹی بھوانی فوج مرشد کے پہنچی کہ وہ اضلاع دہلی کا رہنے والا تھا لائی دے کر ڈالیا۔ فوج کو بیل کر دیا۔ فوج چلے سے باز رہی
 مگر ان مغلوں کی فوج مقابلہ میں لڑی رہی۔ انگریز فوج کو پڑھنے نہ دیا۔ مجبور ہو کر جہل کالک ایک کھنڈر انچیف نے مغلوں سے
 بھی پیام سلام جاری کیے۔ اور بھٹی نے بھی ان کو روکنا جب محل زادوں نے یہ صورت دیکھی کہ کل فوج بیل ہو گئی کام میں
 دیتی ہواری قبیل فوج کہاں تک مقابلہ کرے گی۔ باقی جان دینے سے کیا فائدہ۔ یہ سب بھٹی کے پاس گئے اور منتظر کی۔ بھٹی نے
 کچھ توجہ نہ کی۔ پھر یہ سب راجہ کے پاس گئے۔ بھٹی وہاں تک رسائی ہوئی۔ راجہ کو عجیب و غریب سمجھائے۔ راجہ شراب میں
 بہست پڑا تھا راجہ دیا کہ چلا بھٹی سے کہو کہ وہ حکم دے اس کی قبول کرو۔ محل یہ جواب سن کر ناراض ہوئے اور استفادے کر
 چلے آئے اور فوج سے پیلوہ ہو کر اکبر آباد آ گئے۔ انگریز اس کو اطلاع کر دی تو ہم تو جانتے ہیں۔ ملک خاں ہے چند کرو۔ اب کیا
 تھا انگریزوں نے ملک پر قبضہ کر لیا راجہ کا کٹھن ہریں ہو گیا۔ چارہ چار اطاعت قبول کر لی۔ کھنڈر انچیف مانج بھٹی کر کے چلا آیا۔ ان
 مغلوں نے اکبر آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد فرائض جنگ خاں نے دہلی میں آکر اپنا محل نواب امیر بھٹی خاں کی
 بس سے کیا اور پھر اکبر آباد میں آ گئے مگر ان کی زوجہ تھوڑی مدت کی کر رہ گئیں۔ پھر فرائض جنگ خاں نے اپنے بھرنے بھائی کا محل

مرزا قلام حسین بیگ اکبر آبادی کی بیٹی سے کیا۔ اس کے ختم سے دو فرزند ایک اسماعیل خاں دوسرے یوسف بیگ خاں پیدا ہوئے۔ یہ دونوں اس وقت اپنے باپ کے گھر میں پرورش پاتے تھے۔ اس وقت میں مرزا عبدالغنی بیگ نے ایک ناگہانی واقعہ گزرا اور وہ فوت ہو گئے۔ جس کا ذکر باعث طول ہے۔ لہذا ختم انداز کیا۔ اسی زمانے میں سرکار انگریزی کو بھرپور امنی فوج کی ضرورت ہوئی کہ جات کی قوم نے بغاوت شروع کر دی تھی۔ کنگڑا چیٹھ نے مرزا نصراللہ بیگ خاں کو بلا کر کہہ کر قبائلی فضاہات اور بھلوری ہم پر طوبہ روش ہے۔ ہم تم کو فوج دیتے ہیں تم ہمارے ساتھ ہجرت پور پرورش کرو اور فیروز پور میں اس کی طرف جا کر سو رہو۔ قلم کو اور دسد کا انتظام کرتے رہو۔ ہم نے سرکار الود کو بھی اطلاع دی ہے وہاں سے اس پر عمل خاں وکیل راج دسد کا بندوبست کریں گے۔ چنانچہ کنگڑا چیٹھ نے ایک پڑے کپڑے کا لٹریٹھراٹھ بیگ خاں کو کیا اور عمدہ دھندلاری طواف حلی کو دیا اور ایک پٹنوں کا کپڑا ان مرزا جیون بیگ خاں کو کیا۔ یہ مثل حسب القلم فیروز پور میں اس کے اور سو رہے۔ قلم کو دیا اور بھلوری جگہ دسد اور نے سرفرت اس پر عمل خاں اپنے وکیل کے دسد کا بندوبست کر دیا اور فوج سے بھی مدد دی۔ آخر انگریزی فوج نے اکبر آباد سے ہجرت پور پر پرورش شروع کی۔ اور نصراللہ بیگ خاں ہجرت پور کے مثالی سمت سے حملہ کرتے تھے اور اس پر عمل خاں مغربی علاقہ کو تاراج کر رہے تھے۔ فرض سب سے پہلے مثالی سمت ہجرت پور کی نصراللہ بیگ خاں نے فتح کر لی پھر انگریزی فوج نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ راجہ نے اطاعت قبول کی۔ بعد فتح ہوئے ہجرت پور کے انگریزی فوج اکبر آباد واپس آ گئی۔ اب انگریزوں نے دیکھا کہ راجہ تانہ پائل فتنہ و فساد سے پاک ہے۔ اس وقت جدید فوج کو موقوف کر دیا اور نصراللہ بیگ خاں کو اس فتح کی خیر خواہی کے سلسلے میں دو ہ گز سونک سونا اور پندرہ ہاتھ بولڈ پائل کے علاقہ میں پانچ ہزار دوسپہ سالانہ کوئی کے ۱۸۰۱ میں سنا۔ بعد نسل جاگیر میں حاکم کے اور مرزا جیون بیگ خاں کے سو رہے۔ ہاتھ بولڈ پٹن مقرر کی اور اسی زمانہ یعنی ۱۸۰۵ میں اس پر عمل خاں کو سید خیر خواہی پانچ لاکھ کا ناگہ فیروز پور ہجرت کے علاقہ میں اس کے کر دیکھی خود غدار کیا اور الود کی سرکار سے بھی ایک ہ گز لوہارہ ایک لاکھ کی آمدنی کا اسی خیر خواہی میں اس پر عمل خاں کو ملا تھا۔ نصراللہ بیگ خاں چند سال زندہ رہے مگر چھوٹے بھائی کے قلم میں چھلکے ہو گئے تھے۔ آخر عمر نے وفات کی انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد طواف حلی خاں ان کے بیٹے یعنی راقم کے متعلق دوا نصراللہ بیگ خاں اپنے چچا کی اولاد اور محققین کی سرپرستی کرتے رہے۔ اس وقت مرزا اسماعیل خاں کی عمر نو برس کی تھی اور یوسف بیگ خاں پانچ برس کے تھے ایک ایرانی اہل فضل و کمال ان کو تعلیم دیتا تھا۔ بعد وفات نصراللہ بیگ خاں کے مرزا خواجہ حلی خاں نے اپنے چچا کی جاگیر کا استیفاء کیا۔ اس پر عمل خاں نے بھی سفارش کی۔ سرکار نے وہ جاگیر بدستور خواجہ حلی خاں کے بیٹے سنا۔ بعد نسل مقرر کر دی اور عمدہ ہند میں لکھ واک یہ جاگیر بعد نصراللہ خاں کے سرکار سے تم کو عطا ہوئی ہے۔ تم محققان نصراللہ بیگ خاں کی بھی پرورش اور دیکھیری کرتے رہو چنانچہ خواجہ حلی خاں بھلور اپنے فرزندوں کے ان کے بچوں کی پرورش کرتے رہے۔ بعد ایک مدت کے خواجہ حلی خاں مع محققان نصراللہ بیگ خاں دہلی میں آکر آباد ہوئے۔ اور مرزا جیون بیگ خاں بھی دہلی میں آ گئے اس عرصہ میں مرزا جیون بیگ کے ہاں تین لڑکیاں ہوئی تھیں ایک دختر مرادشاہ خاں اور دو فرزند اکبر بیگ و افضل بیگ۔ دختر کی سرپرستہ مالی کی تھی اور اکبر بیگ بہن سے چھوٹے تھے اور ان سے چھوٹے افضل بیگ تھے۔ خواجہ حلی خاں نے تھوڑے دن بعد کہ عطر کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ مرزا جیون بیگ خاں کی دختر سے عقد کر لیا۔ ان کے ختم سے دو فرزند اور ایک دختر فائدہ ہوئے۔ دختر کا خود سالی میں انتقال ہو گیا۔ دونوں فرزند یعنی خواجہ شمس الدین خاں و خواجہ بدر الدین خاں باپ کی یادگار میں رہے۔ اس انجام میں ایک دن خواجہ اس پر عمل خاں دہلی میں آئے ہوئے تھے۔

خواجہ حاتی خاں سے ملے کہ آئے اور ہنگام ٹھنکو یہ جان کیا کہ بھلی تم اپنی جاگیر کے انتظام میں تکلیف پاتے ہوں گے بہتر یہ ہے کہ اپنی جاگیر میری ریاست میں شامل کر دو۔ جاگیر کی آمدنی بہ آسانی چھپا کرے گی۔ خواجہ حاتی خاں رضامند ہو گئے اور سرکار انگریزی میں دو طوالت دے دی۔ خواجہ امیر بخش خاں نے بھی سفارش کر دی کہ وہ جاگیر فیروز پور کی ریاست کے شامل ہو گئی اور خواجہ امیر بخش خاں کو سرکار نے ملا لکھ دیا کہ خواجہ حاتی خاں کی جاگیر تیسری ریاست کے شامل کی جاتی ہے کسی لیے کہ تیسری سرحد سے ملتی ہوئی ہے۔ تم کو لازم ہے کہ تم اس جاگیر کی پوری آمدنی خواجہ حاتی خاں اور حقیقتاً نعرانہ جنگ خاں کے لیے دوام کو جاری رکھو اور دیتے رہو۔ چنانچہ یہ گورنمنٹ انگریزی کا خط عند نامہات میں جم امیر بخش خاں چھپا ہوا ہے اور یہ معاملہ ۱۸۵۵ء کا ہے۔ اس کارروائی کے بعد خواجہ مرزا حاتی خاں نے مرزا اسد اللہ خاں کا عقد اپنی بخش خاں معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے کر دیا۔ کسی لیے کہ دونوں بھائی بہن ہو گئے تھے۔ اسد اللہ خاں کے پاس ایک لڑکا ہوا تھا۔ مگر زندہ نہیں رہا لادلو رہے۔ دوسرے بھائی یوسف بیگم خاں کا عقد خواجہ حاتی خاں نے اپنے عیدائت کی دھوکہ کی بنیاد سے کر دیا۔ جن کے بہن سے ایک دختر نکاح ہوئی اور وہ صاحب اولاد ہوئی جس کی نسل اب تک حیدر آباد میں موجود ہے اور یہ اقبال مدنی لیسر کرتی ہے۔ اب زمانہ وہ ہے کہ خواجہ حاتی خاں کا بھادر خاں علی حشر چہ سطر برس القتل ہو گیا اور خواجہ امیر بخش خاں و رئیس فیروز پور بھی واقعی ملک بنا ہوئے۔ ان کے بعد خواجہ شمس الدین امیر خاں جو صاحبزادے سے تھے ریاست ہوئے۔ مدت تک تھکرا رہے۔ اتفاق سے شمس الدین خاں پر ایک عقد۔ قتل ریڈیٹنٹ دہلی کا قائم ہوا اور عقد کو بڑا طویل کھینچا۔ آخر بعد تحقیقات کامل سرکار انگریزی نے شمس الدین خاں کو پانسی دے دی۔ ملک ضبط کر لیا۔ جاری جاگیر بھی ملک کے ساتھ ضابطی میں آگئی کیونکہ اسی ریاست کے شامل ہو چکی تھی۔ مرزا اسد اللہ خاں کو ان کے ہم چشموں اور اصحاب وغیرہ نے انوار کا شروع کیا کہ یہ وقت اچھا ہے جاگیر تیسرے چٹاکی ہے تم وارث ہو دعویٰ کرو اور قابض ہو جاؤ۔ اسد اللہ خاں کے پاس بھائی دج اگلی کی حالت میں کسی قابل نہیں تھے۔ مرزا اسد اللہ خاں لوگوں کے بھگانے سے برخلاف ہو گئے اور جاگیر کا استناد کر دیا۔ بھتیجیوں نے چٹا کو سمجھایا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ جاگیر ہاتھ سے جاتی رہے گی بھر کیا ہو گا۔ مگر مرزا اسد اللہ خاں نے نہ مانا اور دعویٰ کر دیا۔ مجبور ہو کر بھتیجیوں نے بھی دعویٰ پیش کیا کہ جاگیر تیسرے باپ کو ملی ہے۔ ہم وارث ہیں ہم کو ملی چاہیے۔ فرض یہ مقدمہ گئی برس وائر رہا۔ جملہ دعویدار معاش سے پریشان رہے۔ انہما کار سرکار کی تحت عملی کام آگئی۔ عدالت نے یہ تجویز کی کہ آئندہ سے جاگیر کی آمدنی نصف حقیقتاً نعرانہ بیگم خاں کو اور نصف حقیقتاً خواجہ حاتی خاں کو ملی رہے گی جاگیر نہیں ملے گی۔ فریقین کو حکم بنا دیا گیا۔ مرزا اسد اللہ خاں نے بہت کوشش کی۔ شکست کھانے اور ولایت میں استناد کیا۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ جو سرکار نے تجویز کر دی اس کے خلاف نہیں ہو سکتا جاگیر کی نظری حسب القلم سرکار سے ابرا ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا اسد اللہ خاں کی دونوں پلوں میں مرگئیں۔ ان کا حصہ ضبط ہو گیا۔ ان کے بعد یوسف بیگم خاں مرگئے۔ ان کا حصہ ضبط ہو گیا۔ مگر سرکار نے ان کی زوجہ کے نام گزارے کے لیے نہیں مہینہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد مرزا اسد اللہ خاں بعد ایام

مسعودہ ۱۸۸۵ء تا ۱۸۸۳ء میں جاں بحق ہوئے۔ ان کا حصہ ضبط ہوا۔ اسد اللہ خاں کے اوصاف و کمالات عالم پر ظاہر ہیں۔

(اعمال غالب مرتب پروفیسر فقار الدین امیر ص ۳۶)

۲۴ غالب کا سفر گلگت

ڈاکٹر سعادت علی صدیقی

مرزا غالب نے اپنی زندگی میں صرف ایک طرف سفر کیا تھا، جب ان کو اپنی بہن کے خطے میں دہلی سے نکلنا پڑا تھا۔ دورانِ سفر اور قیامِ گلگت میں کچھ ایسے حالات و واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے غالب کے اس سفر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ غالب کو دہلی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ اسے بھلا کر کہیں جانا پسند نہ کرتے تھے مگر معاشی پریشانی نے انہیں سفر کے لیے مجبور کیا۔ مولانا حالی نے اس سفر کے مقصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

”نکلے جانے کا سبب یہ تھا کہ مرزا کے چچا صرافہ بیگ علی نے وقت بھلی تھی اس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور ان کے بھائی کی عمر سات برس کی تھی۔ صرافہ بیگ کی وفات کے بعد ان کے متعلق اور وارثوں کے لیے جن میں مرزا اور ان کے بھائی بھی شریک تھے، جو بہن کو وراثت نے ریاست فیروز پور بھرتہ پر حملہ کر دی تھی جب تک کہ مرزا صفر میں رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب بن قیصر کو پہلے اور شادنی ہو گئی، عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ وہاں تھا وہ چند روز میں سب خرچ ہو گیا۔ لاچار مگر معاش دامن گیر ہوئی اور مرزا کو غلط فہمی سے خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور بھرتہ سے جس قدر بہن ہمارے ساتھ ان کے لیے گورنمنٹ سے سفر کرائی تھی اس قدر ہم کو نہیں ملے گی۔ ضرورتوں نے سخت جگہ کر رکھا تھا۔ لومہ قرض خواہوں کے ہاتھ سے ناک میں دم آ گیا تھا اور بھولے بھائی کو بتوں ہو گیا۔“

غالب ان پریشان کن حالات سے تنگ آ گئے تو دوستوں کے مشورے پر فیروز پور بھرتہ گئے تاکہ وہاں سے بہن میں اضافے کی درخواست کریں مگر ان کا یہ سفر ناکام رہا۔ وہاں سے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ غالب بے نیل مرام واپس ہوئے اور یہ طے کیا کہ وہاں سے جو بہن کی تقسیم کی ہے اس کے خلاف گلگت میں گورنر جنرل کے یہاں اپیل کریں، ان دنوں ہندوستان کا دار السلطنت گلگت تھا۔

غالب اگست ۱۸۴۱ء میں دہلی سے گلگت کے لیے روانہ ہوئے دورانِ سفر میں انہوں نے کئی مقامات پر قیام کیا۔ سب سے زیادہ عرصہ کھنڈ میں گزارا اس کے بعد بنارس میں اور یہ دونوں مقامات کئی بیٹھتوں سے اہم تھے۔ کھنڈ میں مرزا غالب پانچ مہینے سے زیادہ قیصر (غالب نے لکھنے کے ذریعے کی تعریف میں جو ترنکھی ہے اس سے ان کے قیام کھنڈ کی مدت گیارہ ماہ معلوم ہوتی ہے) یہ مدت ابھی قاصر مدت ہے۔ یہاں وہ برہنہ کے لوگوں سے ملے ہوں گے اعزاء و دروہاء کا اچھا گلہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو گا۔ کھنڈ اس زمانے میں مشرقِ قدیب کا آخری ٹھکانہ تھا مگر یہ عجیب بات ہے کہ کھنڈ میں غالب کے زمانہ قیام کے حالات پر یہ وہ پڑا ہوا ہے۔ کسی تاریخ و خاکہ نگار نے تفصیل تو درکنار قیام کھنڈ کے مختصر حالات پر بھی روشنی نہیں ڈالی۔ اس سے یہ نتیجہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ زمانہ غالب نے بہت خاموشی سے گزارا، یا پھر سامعہٴ سرطوں اور خود کو نگاہوں نے کسی خاص سبب کی بناء پر غالب کے قیام کھنڈ کے حالات پر سکوت اختیار کیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس وقت اہل کھنڈ نے ان کی کوئی اہمیت ہی نہ دی ہو، تاریخ سے غالب

کے خصوصی تعلقات و ثابت ہیں مگر ان دونوں "تاج" طالب شای کا شمار ہے اور ان آزاد میں ختم ہے یہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کا عہد حکومت تھا۔۔۔ روشن الدولہ وزیر اعظم تھے۔ (طالب باب کھنڈ پہنچے "غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ اور آغا میرزا" کے "مگر کچھ عرصہ بعد وہ معزول کر دیا گیا اور روشن الدولہ (دوسرے مقرر ہوئے) روشن الدولہ نے طالب کی کچھ آؤ بھگت ضرور کی۔ بعض دوسرے علماء نے بھی ان کی قدردانی کی، مگر کچھ دنوں کے بعد عرصہ گزر جانے کے بعد کسی اہم علمی و ادبی معاملے اور شعرو غنی کی مصلحتوں کا کوئی قابل ذکر واقعہ معلوم نہیں ہوا۔ نہ طالب ہی نے تحصیل سے کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ مولا جی جانی نے البتہ اس کی کچھ کھا ہے اس کا کہنا ہے :-

"جب مرزا نے دلی سے نکلنے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس وقت راہ میں گھبرائے لاکوئی مقصد نہ تھا۔ مگر چونکہ کھنڈ کے بعض اہل اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار کھنڈ آئیں۔ اس لیے کانپور پہنچ کر ان کو خیال آیا کہ کھنڈ دیکھنے چلے اس زمانے میں نصیر الدین حیدر "قرباں روا" اور روشن الدولہ طالب السلطنت تھے اہل کھنڈ نے مرزا کی عہد طور پر عداوت کی اور روشن الدولہ کے ہاں یہ عنوان شائستہ ان کی تحریک کی تھی۔ مرزا سے اس پریشانی کے عالم میں قصیدہ "مرا اہم میں ہوسا مگر ایک" جدید تر تخیل میں ہو ان کے مصداق میں موجود ہے طالب السلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لیے کہیں تھی۔ لیکن مرزا نے حالات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں۔ ایک یہ کہ طالب السلطنت میری تعلیم دیں۔ دوسرے خود سے مجھے معاف رکھا جائے۔ اسی وجہ سے مرزا بغیر اس کے کہ روشن الدولہ سے نہیں اور وہ ترغیب کریں۔ وہاں سے نکلنے روانہ ہو گئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ نکلنے سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ایک قصیدہ نصیر الدین حیدر کی شان میں کہہ کر ایک دوست کے توسط سے گزارا تھا اور اس پر پانچ ہزار روپے بلور صلے کے لئے کا حکم ہوا تھا۔

شیخ امام علی غازی نے مرزا کو کھنڈ پر پانچ ہزار روپے تھے۔ تین ہزار روشن الدولہ کھنڈ کے اور دو ہزار حوض کو دے کر کہا کہ اس میں سے جو صاحب سمجھو مرزا کو بھیج دو۔ مرزا نے یہ سن کر کچھ تحریک کی "مگر تین دن بعد خیر پائی کہ نصیر الدین حیدر مرگے۔ پھر واپس علی شاہ کے زمانے میں مرزا نے سلسلہ جہانگیر کی اور پانچ سو روپے سالانہ عید کے لیے وہاں سے مقرر ہو گئے۔ لیکن مرگے دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط ہو گئی اور وہ دفتر کا خود ہو گیا۔"

طالب پر تحقیق کام کرنے والوں کو ان کے زمانہ قیام کھنڈ کے حالات کا یہ لگاتار میں ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ حال یہ کہ ان کے زمانے کے کھنڈ کے حالات اور یہاں کی قطب و معاشرت سے مرزا کا واقفیت ضرور حاصل ہوئی لیکن ان کی تحریروں سے کھنڈ کے حلق کوئی دلچسپی و اثر نہیں ظاہر ہوا بلکہ کسی افہام و فہم کی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔

"کھنڈ میں مرزا طالب نے فارسی شاعری کی قدر دانی کا ذکر کر کے دوران قیام میں چند نظمیں اردو میں کہیں "اسی زمانے کا کہا ہوا ایک شعر نقل ہے۔

کھنڈ آنے کا باعث میں کہتا ہوں

ہیں میر و شاد و کرم ہے ہم کو
 قطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
 عزم میر ہفت و طوف حرم ہے ہم کو
 لے جاتی ہے ہمیں ایک ایک قلع غالب
 ہزارہ نہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

وزیر اوردہ نے نواب سے ملاقات کرانے کی اور شرطیں پیش کی تھیں "ان کو مرزا کی خوددار طبیعت نے گوارہ نہ کیا جس کا
 ظہر اذکر غالب نے اپنے ایک فارسی خط میں کیا ہے:

"آئندہ درباب مازست قرار یافت عذرت آئینی غرضتین داری و تک شہود خاکساری بود۔"
 اوردہ کے بادشاہ کی تحریف میں انہوں نے جو پلا قہیدہ لکھا تھا اس میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

از پدودہ غلط کمر آزار عجم
 کلام کر سرا پدہ سلطان رستم
 من ہم از پیش کمال و جنت بود
 کر پدودہ ہ و درگاہ کمال رستم

اس قہیدے میں غالب نے اپنے مصائب کا ذکر اور دہلی سے گھسٹو تک کے سزا کا حال لکھا ہے۔

مرزا غالب گھسٹو سے ۱۸۵۷ء کو نکلنے جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ تین دن میں کانپور پہنچے۔ وہاں سے ہندو گئے
 جہاں احمد علی صدر امین ان کے قدر دان تھے۔۔۔۔۔ انہوں نے مرزا غالب کی بہت خدمت کی اور ان کو آرام سے رکھا اور ان کے
 لیے نکلنے کے دوستوں اور مہمانوں کو سفارشی خطوط لکھ کر دیئے۔ ہندو سے غالب ہندو گئے اور مرزا سے جدا ہوا۔ یہ سزا انہوں نے
 گھوڑا گاڑی سے لے لیا۔ ہندو اسے کشتی کے دریائے الہ آباد پہنچے یہاں ان کو کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا تھا جس کی طرف
 انہوں نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

فمن چہ لرزد زیاد مصیب نکلست
 نگاہ خیر و ہنگامہ الہ آباد

چونکہ واپسی میں بھی مرزا غالب الہ آباد ہوتے ہوئے دہلی آئے تھے اس لیے یہ چند نہیں چنانکہ یہ واقعہ جس کی طرف
 انہوں نے اشارہ کیا ہے جانتے وقت پیش آیا تھا واپسی میں بحر مال الہ آباد سے غالب جہازس پہنچے۔ مرزا کو جہازس کی آب و ہوا بہت
 راس تلی اور وہاں کے قیام کے گمرے نفرتیں ان کے دل و دماغ پر شہت ہوئے۔ انہوں نے جہازس کی تحریف میں ایک مثنوی "جہاز
 دیر" کے نام سے لکھی جو ان کی مثنویات میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس مثنوی میں مرزا غالب نے یہ تک لکھ دیا ہے کہ اگر
 نوجوانی میں یہاں آیا ہوتا اور خانہ داری کا جھگڑا نہ ہوتا تو میں رہ جاتا۔ انہوں نے جہازس کی تحریف میں نہایت پر اثر اشعار لکھے ہیں

بہارِ ناکہبہ سیدہ سہیلی است
 قہائی اللہ بھاری چم بدور
 بخت خرم و فرودیں معبود

غالب کی خواہش تھی کہ بھاری سے ٹکٹو تک کا سفر کھینچی کے ذریعہ طے کریں مگر ان فراہیات زیادہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا۔ پندرہ اور سترہ آباد ہونے سے شہد ۲۱ فروری ۱۸۸۸ء کو ٹکٹو پہنچ گئے اور علی شہد بازار میں مرزا علی سوداگر کی حویلی میں ایک چار مکان دس روپے ماہوار کرایہ پر لے لیا۔ ٹکٹو پہنچنے کا ذکر غالب نے اس طرح کیا ہے:

غالب رسیدہ ایم بہ ٹکٹو روز سنے

از سینہ داغ دوری اسباب شش ایم

ٹکٹو میں مرزا غالب کی بہت قدروانی ہوئی۔ حکام نے بہت التوا کی۔ طبی معینوں میں ان کا پرہوش غیر مقدم ہوا۔ دلی سے ٹکٹو تک کا سفر مرزا غالب کے لیے تجربات و مصائب کے قطب نعر سے مفید ثابت ہوا، کچھ دیکھنے، سننے اور کھینچنے کھانے کے لیے آزاد طریقے ہو سکتے تھے۔ ان کا مقصد محل چلنے کا اجراء اضطرار قائم کر دہ زمانہ غالب بہبودستان میں انگریزی تہذیب اپنا اثر بٹا رہی تھی۔ مشرق تہذیب و اخلاق قدروں مائل بہ خزل تھیں لیکن مشرق و مغرب کے اس علم (ٹکٹو) سے ایک نئی تہذیب جنم لے رہی تھی غالب اسی نئی تہذیب سے روشناس ہوئے۔ انہوں نے مغربی تہذیب کی دہلیزیوں اور دیکھنیوں کو غور سے دیکھا، جو مغربی سے بہبودستانی تہذیب پر اپنا تسلط بنا رہی تھی۔ ذوقِ برق لباسوں میں لباس پر رہیں خواتین کا آزاد روی و بے باکی کے ساتھ بھرپور مردوں سے مصافحہ کرتا، ناچ رنگ کی مٹھلوں میں ان کی بیا بھگ کرکٹ، غالب کے لیے انوکھی اور عجیب باتیں تھیں۔ ظاہر ہے انہوں نے ان حالات کا بہ نظر غور مشاہدہ کیا ہو گا۔ جس کی جھلک ان کے بعض اشعار میں ملتی ہے۔

ٹکٹو میں غالب نے مشاعروں میں بھی شرکت کی، وہاں ایسے انڈیا کہنے نے ایک مدرسہ عالیہ جاری کیا تھا۔ اس میں ایک بزم غنی بھی قائم تھی اور وہاں ہر مہینہ کے پہلے اجوار کو مشاعرہ ہوتا تھا۔ ان مشاعروں میں اردو اور فارسی میں غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ غالب نے ایک مشاعرے میں ایک فارسی غزل پڑھی، جس کا مطلع ہے۔

مگر دم شرح ستم ہائے عزیزان غالب

دم امید بہر باز جہاں بہ نیرود

اسی غزل کا ایک شعر ہے:

جزوے از عالم و از بہر عالم بہتر

میں چوسنے کے قابل دلاز سہاں بہ نیرود

اس شعر پر قہقہے کے حامیوں نے اعتراض کیا کہ "بہتر" یہ قول قہقہے والہ سے پہلے نہیں آسکتا، اس لیے یہ شعر غلط ہے۔

فان اسی مشاعرے یا کسی دوسرے مشاعرے میں غالب کے اس شعر پر بھی چاروں قہقہے نے سخت اعتراض کیا:

خود آئنگے بہ لفظاں میں مڑکوں وادوم

معرضہ میں مولوی عبدالقادر رام پوری "مولوی کرم حسین بکرائی" نسبت علیٰ عظیم آبادی پیش پیش تھے۔ غالب ان اعتراضات کو درست نہیں سمجھتے تھے ان دنوں شہزادہ کامران کی طرف سے کثایت خاں بحیثیت سپرٹنڈنٹ آئے ہوئے تھے وہ امرانی تھے انہوں نے غالب کی تعریف اور حمایت کی۔ بعض اہل علم بھی ان کے حوالے ہو گئے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے غالب کی تک کیا۔ غالب نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں دیکھ کر بھی ان کے کھڑی (موسلم نام محمد حسن قلیں کی بات بطور سند نہیں مان سکتا۔ اس پر ان کے خلاف ہتھیار کیا گیا۔ غالب کے لیے پریس میں یہ طاقت پریشان کن تھی۔ تاہم۔۔۔ انہوں نے غالب کو ان کے اعتراضات کے جواب ایک مثنوی میں دے۔ اس مثنوی کا نام "ہار غالب" رکھا۔ "ہار غالب" مرزا کی معروف مثنوی ہے۔

گھٹے میں مرزا کو چند اچھے دوست بھی ملے ان میں سب سے زیادہ اہمیت مولوی سراج الدین احمد گھٹنوی کو حاصل ہے جن کے نام مرزا کے فارسی خطوط دہلی تھوڑی موجود ہیں۔ یہ اخبار پتھر اسکندر سے متعلق تھے۔ اور ہار سوراہی کہی تھے۔ انہیں کی فرمائش پر غالب نے گھٹے میں اپنے اردو فارسی کلام کا انتخاب کیا جسے "گل رحمت" کے نام سے موسوم کیا۔ دوسرے رفیق میر حسن علی گھٹنوی تھے جو غالب کے قدردانوں میں تھے۔

گھٹے میں غالب کا قلم تقریباً دو سال رہا۔ وہاں وہ گورنر جنرل سے بھی ملے دوسرے وجہ بھی ہوئے مگر اصل مقصد میں انہیں ناکامی ہوئی اور ہار و تھار دہلی واپس ہوئے ۱۸۵۸ء کو غالب دہلی واپس پہنچے۔ ان کا یہ سفر جامعہ قلیں سے معرکہ آزادی کا باعث اردو ادب کی تاریخ کا اہم سفر ہے۔ اس کے علاوہ اس سفر کی بدولت غالب کی دو اچھی مثنویاں "ہار غالب" اور "چرخ ابر" اردو ادب کو ملیں۔

(غالب پر چند تحریریں) ص ۱۱

غزل ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳